اسلام اور مغرب کا تصادم

اسرار الحق

Islam Encounters with The West

اسلام اور مغرب کا تصادم

اسلام کے خلاف مغرب کے پروپیگنڈہ کا مدلل جواب

مؤلف

اسرار الحق

مترجم

وسیم الحق

بیت الحکمت لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

نام کتاب :	اسلام اور مغرب کا تصادم
مؤلف :	اسرار الحق
مترجم :	وسیم الحق
اہتمام :	بیت الحکمت، لاہور
مطبع :	میٹرو پرنٹرز
قیمت :	۱۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، تاجران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7230664

ای میل: hikmat100@hotmail.com

نفیس کتاب

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 2212991-2629724

Marfat.com

ترتیب

⇦ دیباچہ ---------- ۸
⇦ اظہارِ تشکر ---------- ۱۰

اسلام محاصرے میں

مذہب کی طرف واپسی ...... اسلام کا عروجِ نو

⇦ تخلیق کا خدائی منصوبہ ---------- ۶۷
⇦ موت کے بعد زندگی کا عقیدہ ---------- ۷۲
⇦ اسلام اور عقلیت ---------- ۷۶
⇦ غیر مسلم اور اسلام ---------- ۸۰
⇦ ہمہ گیر انسانیت کی طرف ---------- ۸۸
⇦ پرمسرت زندگی کا ایک ضابطہ ---------- ۹۴
⇦ تہذیب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر ---------- ۹۹
⇦ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام ..... ایک تقابلی جائزہ ---------- ۱۰۳
⇦ حدود آرڈیننس کے دفاع میں ---------- ۱۲۲
⇦ ایک لمحہ فکریہ ---------- ۱۳۰
⇦ اسلام میں فکری اظہار کی آزادی ---------- ۱۳۱
⇦ اسلام میں شرکت اقتدار اور رواداری ---------- ۱۳۵
⇦ اسلامی طرزِ حکومت اور مغربی آزاد جمہوریت ---------- ۱۴۰
⇦ اسلام میں جذبۂ جہاد ---------- ۱۶۸

Marfat.com

⇦ جہاد میں شاندار کامیابی ---------- ۱۷۷

⇦ اللہ کی راہ میں ہتھیار اٹھانا ---------- ۱۸۵

⇦ صلیبی جنگ اور جہاد......ایک تقابلی نظر ---------- ۱۸۹

⇦ شہادت ---------- ۱۹۰

⇦ عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی طرف پیش قدمی ---------- ۱۹۷

⇦ بلیک میل ---------- ۲۰۴

⇦ ۱۱ ستمبر کے کمیشن کی رپورٹ ---------- ۲۰۸

⇦ آزادی اور جمہوریت کا صدر بش کا ایجنڈا ---------- ۲۱۳

⇦ بوسنیا اور کوسوو میں امریکہ کا کردار ---------- ۲۱۹

Marfat.com

دیباچہ

عصر حاضر میں عالمی منظرنامے پر مسلم امہ کی صورتِ حال اور پوزیشن پر بصیرت اور دانش کی نظر ڈالتے ہوئے جو چند کتب مسلمان اہل علم نے تصنیف کی ہیں، محترم اسرار الحق صاحب کی کتاب...... The End of Illusions...... بھی انہی وقیع اور بصیرت افروز کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب کے چھٹے باب ''Islam's Encounters with the West'' کا اُردو ترجمہ ان کے قریبی عزیز محترم وسیم الحق عمادی صاحب نے ''اسلام اور مغرب کا تصادم'' کے زیر عنوان کیا ہے۔ اصل انگریزی کتاب مصنف نے امریکہ میں مقیم اپنے بیٹے کے ہاں سولہ مہینوں کے قیام کے دوران تحریر کی تھی۔ جہاں انہیں اپنے بیٹے کی معاونت سے مختلف علمی مراکز، لائبریریز اور ویب سائٹس سے موضوع سے متعلقہ مواد تک رسائی میں کافی سہولت رہی۔ اس کتاب کے شروع کے پانچ ابواب، جو ترجمہ شدہ اس باب سے پہلے آتے ہیں، میں مصنف علام نے اکیسویں صدی کے عالمی تناظر میں امریکہ کے کردار، ''عراق کی جنگ سے پہلے اور بعد کی صورتِ حال''، ''افغانستان بحیثیت سامراجی قوتوں کے قبرستان کے''، ''مجسمہ آزادی، کہ کس طرح امریکہ نے خود اپنے ہی آئین پر یورش کر کے اس کی دھجیاں بکھیری ہیں'' اور ''امریکی سامراجیت ایک نئے روپ میں'' کے پانچ ابواب قائم کر کے ان موضوعات پر مدلل اور فکر انگیز مباحث پیش کیے ہیں۔ عالمی پس منظر میں امت مسلمہ کے ساتھ بالخصوص اور دیگر ممالک کے ساتھ بالعموم روا رکھے گئے، امریکہ کے رویے کے تناظر میں تصنیف کردہ اس وقیع علمی کتاب کی اہمیت کے پیش نظر لاہور کے معروف اشاعتی ادارے ''کتاب سرائے'' نے اپنی ذیلی اشاعتی شاخ ''بیت الحکمت'' کے زیر اہتمام ۲۰۰۶ء میں The America's Moment of Truth: The End of Illusions, Islam's Encounters with the West. کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کی اہمیت اسی بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ معروف دانشور، عالمی مبصر اور پاکستان کے سابق وزیر خارجہ محترم آغا شاہی صاحب نے اس پر نہایت پر مغز اور بصیرت خیز پیش لفظ تحریر کیا ہے۔ خاکسار راقم الحروف کی حقیر رائے کے مطابق اگر متعصب مغربی حلقے بھی

Marfat.com

انصاف اور غیر جانب داری کے احساس کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو اسلام کے بارے میں پائی جانے والی ان کی بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی Version ضرور اس قابل ہے کہ اسے مغربی اور یورپی ممالک میں کثرت سے پھیلایا جائے، تاکہ یہ کتاب مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کے خاتمے میں موثر کردار ادا کرسکے۔ محترم اسرار الحق صاحب نے معاصر رسائل، جرائد اور اخبارات کی رپورٹوں سے اپنے دلائل کو غذا بھی فراہم کی ہے اور انہیں تقویت بھی دی ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ محترم وسیم الحق عمادی صاحب نے نہایت سلیس، شستہ اور رواں اُردو میں اس گراں قدر علمی کتاب کے چھٹے باب کا ترجمہ کردیا ہے۔ جس میں انہوں نے موضوع کی متانت اور وقار کو بھی اپنے پورے ترجمے میں مجروح نہیں ہونے دیا۔

اس کتاب کا آغاز ''اسلام محاصرے میں'' سے ہوتا ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی نئی تھیوریز اور تعریفات اختراع کرکے امریکی تھنک ٹینک نے مسلم ممالک اور مسلمانوں پر اپنے ظلم وتعدی کا جواز پیدا کیا ہے۔ مسلمانوں پر مغرب اور بالخصوص امریکہ کی اس بڑھتی ہوئی یلغار نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کردیا ہے اور ان کی مذہب کی طرف واپسی کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ ان میں اپنی دینی اقدار کے ساتھ وابستگی کے رجحان میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اگر وہ اس واپسی کے عمل کو مربوط ومستحکم بنیادوں پر استوار کرلیں گے تو اسلام اور مسلم امہ کی نشاۃِ ثانیہ اور احیائے نو کوئی دور کی بات نہیں رہ جائے گی۔ اسی طرح بیدار مغز اور محقق مزاج مصنف نے کتاب کے آئندہ صفحات میں تخلیق کا خدائی منصوبہ، آخرت کا عقیدہ، اسلام اور عقلیت، غیر مسلم اور اسلام، ہمہ گیر انسانیت کی طرف، پرمسرت زندگی کا ایک ضابطہ، تہذیب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر، اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام کا ایک تقابلی جائزہ، حدود آرڈیننس کے دفاع میں، اسلام میں فکری اظہار کی آزادی، اسلام میں شرکت اقتدار اور رواداری، اسلامی طرزِ حکومت اور مغربی آزاد جمہوریت، اسلام میں جذبۂ جہاد، جہاد میں شاندار کامیابی، اللہ کی راہ میں ہتھیار اٹھانا، صلیبی جنگ اور جہاد...... ایک تقابلی نظر، شہادت کی موت، عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی طرف پیش قدمی، ایٹمی دھمکی، ۱۱ ستمبر کے کمیشن کی رپورٹ، آزادی اور جمہوریت سے متعلق صدر بش کا ایجنڈہ اور بوسنیا اور کوسوو میں امریکہ

Marfat.com

کا کردار کے عنوانات پر چشم کشا، منطقی استدلال، عصر حاضر کی مغربی دانش کے تازہ ترین حوالہ جات اور قرآن و سنت کی بے آمیز اور محکم تعلیمات کی روشنی میں اپنے نتائج فکر پیش کیے ہیں۔ مصنف موصوف کا علم Update ہے اور وہ اپنی بات دلیل اور تعقل سے سجا کر پیش کرنے کے قرینوں سے آشنا ہیں۔ خاکسار راقم الحروف نے دو مرتبہ اس کتاب کو بہ نظر عمیق پڑھا ہے اور دونوں مرتبہ ہی ایمان میں افزونی اور فکر کی تہذیب کا احساس اجاگر ہوتا رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ رب کریم اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور مصنف علام اور مترجم موصوف دونوں کو مزید حوصلہ اور ہمت دے کہ وہ امت مسلمہ کے حق میں اس طرح کی مفید علمی کاوشیں منظر عام پر لاتے رہیں۔ برادرم جمال الدین افغانی صاحب مدیر "کتاب سرائے" بھی مبارک مباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس علمی کتاب کی اشاعت سے اہل علم کی بالعموم اور مسلمانوں کی بالخصوص ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

دعاؤں کا طالب

محمد شبیر قمر

مکان 7AS/3A، خادم سٹریٹ، انصاف روڈ،

رستم پارک، نزد موڑ سمن آباد، لاہور

29-05-2007

Marfat.com

اظہارِ تشکر

مترجم جناب وسیم الحق عمادی صاحب میرے بہت ہی قریبی عزیزوں میں ہیں۔ آپ ہندوستان کے مشہور و معروف عالم دین اور صوفی بزرگ حضرت خواجہ عماد الدین قلندر کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد بزرگ وار ہندوستان کی مشہور خانقاہ واقع مگل تالاب ٹپہ ٹبسی کے سجادہ نشین تھے۔ آپ ڈھاکہ یونیورسٹی سے بی ایس سی (BSC) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کچھ دنوں تک درس و تدریس سے وابستہ رہے، بعد میں کچھ عرصہ تک مشرقی پاکستان میں واپڈا WAPDA کے اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ سے منسلک رہے، اُس کے بعد کراچی شپ یارڈ Karachi ShipYard میں آپ کا انتخاب اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں ہوگیا جہاں آپ کے درجات میں برابر ترقی ہوتی رہی اور وہیں سے اکاؤنٹس کے ایک اعلیٰ عہدہ سے فیض یاب ہوئے۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی اسیری کے زمانہ میں چکی کی مشقت کے ساتھ ساتھ مشق سخن کو بھی جاری رکھا تھا۔ جناب وسیم الحق صاحب نے اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ کی مشقت کے ساتھ ساتھ اپنے مشن شعرو ادب کو بھی جاری رکھا۔ آپ کو اُردو زبان پر عبور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے میری کتاب کا اس قدر سلیس رواں اور موثر ترجمہ کیا ہے۔ میں اُن کا بے حد مشکور و ممنون ہوں۔

اسرار الحق

مکان نمبر ۲۶، اسٹریٹ نمبر ۴۳، G-714 اسلام آباد

فون: 2891827   Email: Israrulhaq27@yahoo.com

☆......☆......☆

Marfat.com

اسلام محاصرے میں

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن کی ۱۲ اپریل ۲۰۰۵ء کی خالص انسانی حقوق سے متعلق قرارداد کی امریکی قیادت میں مغرب کی شدید مخالفت اس باب کا تازہ ترین اظہار ہے کہ حقیقتاً دہشت گردی کے خلاف یہ نام نہاد جنگ ہے کیا۔ اس قرارداد میں محض یہ کہا گیا تھا کہ ''دہشت گردی کے خلاف مغرب کی جنگ'' میں مذہب خاص طور پر اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو مطعون کرنے سے احتراز کیا جائے۔ یہ قرارداد، اسلامی تنظیم (OIC) کی طرف سے پاکستان نے اس تیز تر مہم کے خلاف پیش کی تھی جو ۱۱ ستمبر کے امریکہ کے حملے کے بعد مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے جاری رکھی گئی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ۵۲ اراکین کی ایک مجلس مشاورت نے یہ قرارداد منظور کی تھی۔

لیکن اسلام کے خلاف مغرب، خاص طور پر امریکہ کی ازلی دشمنی آڑے آئی اور ان ممالک نے ایک خالص انسانی قرارداد کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ''دوسرے مذہبی طبقوں کے مسائل کے ذکر کے بغیر یہ قرارداد غیر متوازن ہے۔''

مذہب کو بدنام کرنے کے خلاف یہ ایک عمومی قرارداد تھی جو دنیا کے تمام مذاہب کا احاطہ کرتی ہے۔ البتہ اس میں اسلام کا خصوصی حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ کسی اور مذہب کو نہیں بلکہ اس قرارداد کی صورت میں صرف اسلام کو بدنام کرنے کی جارحانہ مہم چلائی گئی ہے۔

امریکہ یا یورپی یونین کے ممالک، جنھوں نے اس قرارداد کی مخالفت کی، یہ زحمت نہیں گوارا کی کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی نشاندہی کرتے جس کے خلاف بدنامی کی ایسی کوئی مہم چلائی گئی ہو۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یقینی طور پر اسلام کے ساتھ ساتھ ان مذاہب کے نام بھی خصوصی طور پر اس قرارداد میں شامل ہوتے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ او آئی سی کی مجوزہ قرارداد کی ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے ۳۱ ممالک نے منظوری دی جہاں ہر مذہب کے لوگ بستے ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکہ

Marfat.com

اور یورپی یونین کے علاوہ ساری دنیا اپنے مذہبی تعلق سے قطع نظر اسلام کے خلاف مغرب میں چلائی گئی اس غلط اور نازیبا مہم پر مسلمانوں کی تشویش میں شریک ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۱۳۱ ممالک کا اس قرارداد کی حمایت کرنا مغرب کے اس مفروضے کی نفی کرتا ہے کہ یہ قرارداد یوں غیر متوازن ہے کہ اس میں دوسرے مذہبی طبقوں کی مشکلات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

اسلام کے خلاف لغو مہم چلانے کے علاوہ مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں مسلمانوں کے خلاف تفریق ہوتی جارہی ہے، اس طرح منافرت، نامطابقت اور تفریق کے ماحول کی پرورش کی جارہی ہے۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل تیزی سے فروغ پارہا ہے۔ اگر موجودہ جنگ واقعی دہشت گردی کے خلاف ہے تو یہ ان تصورات اور طرزِ عمل کے خلاف بھی لڑی جانی چاہیے جو نفرت اور تفریق کے کلچر کی آبیاری کر رہے ہیں کہ یہ نتیجتاً دہشت گردی کا جواز مہیا کر کے اس میں معاون بنتے ہیں۔

حقائق خود بتاتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف یہ نام نہاد جنگ، اسلام کے خلاف ایک جنگ ہے۔ دہشت گردی کی مخالفت کے پس پردہ اس سلسلے میں پہلا تیر خود صدر بش نے چلایا جب انہوں نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ۲۰۰۲ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دہشت گردی کو اسلام کے پیچھے چھپنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس طرح انہوں نے اسلام ہی کو وہ مذہب قرار دیا جو دہشت گردی کی پرورش کرتا ہے۔

اسلام ہی کا نام کیوں لیا گیا کہ اس مذہب کے پیچھے ''دہشت گردوں کو چھپنے نہیں دیا جائے گا۔'' یہ دراصل ایک مکروہ تصور ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دہشت گردی کو مواد فراہم کرتا ہے اور اسے پناہ دیتا ہے۔ عیسائی، یہودی اور ہندو دہشت گردوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ Timothy Mc Veigh جس نے اوکلاہوما کی وفاقی عمارتوں پر بمباری کر کے ۲۰۰ معصوموں کی جان لی ایک آئرش کیتھولک تھا۔ نومبر ۱۷ گروپ کے نام سے معروف ایتھنز (Athens) میں قائم بہت ہی مضبوط تنظیم کو کیا کہیں گے جو پچھلے چھبیس برسوں سے یونانی، امریکی، یورپی اور ترکی سفارت کاروں اور فوجی شخصیات کو نشانہ بنا رہی ہے۔ ایتھنز میں واشنگٹن کے سابق سفیر تھامس نائلز (Thomes Niles) نے کہا ہے کہ جن مشتبہ افراد کی فہرست انہوں نے ۱۹۹۷ء میں

Marfat.com

یونان کے وزیر اعظم کو مہیا کی تھی وہ سب کے سب انتظامیہ کے مستقل یونانی ارکان تھے۔ اُن جاپانی دہشت گردوں کو کیا کہیں گے جو زہریلی گیس سے شہریوں کو قتل کرتے ہیں اور جو جاپان کی بعض شاہراہوں پر آج بھی قابض ہیں اور اسکول کے لڑکوں، لڑکیوں کو چاقو زنی سے ہلاک کررہے ہیں اور وہ تامل خود کش حملہ آور کون تھے جنھوں نے ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی کے پرخچے اُڑا دیے۔ اس Goldstein کو کیا نام دیں گے جس نے مسجد الخلیل میں فلسطینیوں پر دوران نماز گولیوں کی بوچھاڑ کردی، اور اس کو کیا کہا جائے گا جس نے ایک آسٹریلوی پادری کو اس کے دو بیٹوں کے ساتھ زندہ جلا دیا اور وہ ایک ہندو تھا۔ Mcviegh کی پھانسی کو بڑے شور شرابے کے ساتھ ٹی وی پر دکھایا گیا۔ Goldstein کی قبر کو ایک مقبرہ بنا دیا گیا ہے جہاں یہودیوں کی ایک کثیر تعداد خراجِ عقیدت پیش کرنے کو حاضر ہوتی ہے۔ جس شقی ہندو نے عیسائی پادری کو اس کے دو بیٹوں سمیت زندہ جلا دیا تھا، اس کی آج ہندو انتہا پسند پوجا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں قاتل کو عدالتی سزا سے بچانے کے لیے ایک منظم تحریک چلائی گئی تھی۔ یہ سارے دہشت گرد اپنے اپنے مذہب کے انتہا پسندوں کے لیے وجہ توقیر بن گئے ہیں۔ پھر بھی صدر بش صرف مسلمانوں کو ہی اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور اسلام کے بارے میں شدید ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہیں، خاص طور پر جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی مہم دہشت گردوں کے خلاف ہے، اسلام کے خلاف نہیں۔ تو پھر ہم کیا کہیں، اگر یہ نہ کہیں کہ امریکہ کی جنگ اسلام کے خلاف ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صدر بش کی کھلی منافرت، جسے وہ اپنے کتنے ہی خوش نما الفاظ سے چھپانا چاہیں، اس وقت اور عیاں ہو جاتی ہے جب وہ ۲۰ فروری ۲۰۰۲ء کو سیول میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ شمالی کوریا پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، اور یہ کہ امریکہ جو اس ملک کو سب سے زیادہ غذا برآمد کرتا ہے اپنی سپلائی کو جاری رکھے گا، اس سے قطع نظر کہ شمالی کوریا صدر بش کی گزارشات کا کیا جواب دیتا ہے۔ ایران اور عراق کے ساتھ شمالی کوریا وہ بڑا ملک ہے جسے امریکہ بدی کا محور کہتا ہے، لیکن اسے کتنی آسانی سے معاف کردیا گیا جب کہ اس برتاؤ کا عشر عشیر بھی عراق اور ایران کے ساتھ نہیں کیا گیا، حقیقت تو یہ

Marfat.com

ہے کہ صدر بش نے ان دو ملکوں سے کسی ایک پر یا دونوں پر حملہ کرنے کا حق محفوظ رکھا اور انتہائی ظالمانہ اقتصادی پابندی لگائے رکھی جس کے نتیجے میں سزا کے طور پر عراق کے ۲۵۰،۰۰۰ شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے جس میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی، ایسا اس مفروضے پر کیا گیا کہ عراق کے پاس بڑی تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔ دوسری طرف اسرائیل کو کچھ نہیں کہا گیا جب کہ وہ ایک ایٹمی قوت بھی ہے اور جس نے بھاری مقدار میں تباہی پھیلانے والے کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کا ڈھیر لگا رکھا ہے اور جس سے پوری اسلامی دنیا خطرات سے گھری ہوئی ہے۔ صدر بش صدام جیسے ظالم و جابر ڈکٹیٹر کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی فوری ضرورت پر اپنا پورا زور بیان استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے ظالم تر بیروت کے قاتل شیرون کے بارے میں لب نہیں کھولتے۔

Foreign Affair کی مئی، جون ۲۰۰۲ء کی اشاعت میں Eliot Cohen کی دہشت گردی کا الزام انتہا پسند مسلمانوں کی کارروائیوں پر رکھتے ہوئے اتنا تو کرتے ہیں کہ براہِ راست اسلام کے ماننے والوں کا نام نہیں لیتے بلکہ ان کی ''کارروائیوں'' کے الفاظ استعمال کر کے پس پردہ بات کرتے ہیں۔

لیکن ۱۱ ستمبر کے کمیشن نے جس کی امریکہ میں خاصی پذیرائی ہوئی ہے، ۲۰۰۴ء کو اپنی رپورٹ میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کی بلکہ عالمی دہشت گردی کا الزام صاف صاف اسلام کے حامیوں پر ڈال دیا، اور ۱۱ ستمبر کے حملے کا ذمہ دار انہی کو ٹھہرایا اور یہ فیصلہ سنا دیا کہ ''اگر القاعدہ اور ان کے ساتھی تباہ بھی کر دیے جائیں، تب بھی اسلام کا بنیادی نظریہ مغرب کے لیے ایک بڑا حقیقی خطرہ رہے گا۔'' اس طرح کمیشن کی نظروں میں یہ اسلام کا بنیادی نظریہ ہے، نہ کہ القاعدہ یا اس کی جماعت جو مغرب کے لیے حقیقی بڑا خطرہ ہے۔ اسلام کے بنیادی نظریہ سے کمیشن کی کیا مراد ہے، اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے کہ دہشت گردی کو اس نظریے سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، جسے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ایک مکتبہ فکر نے فروغ دیا تھا، جس کی بعد میں سید قطب نے پیروی کی۔

بہتر ہوتا کہ کمیشن روزنامہ Baltimore Sun کے اس تبصرے کو ذہن میں رکھتا، جس میں زیر بحث مسئلے یعنی جہادی تحریک پر روشنی ڈالی گئی، اور یہ کہا گیا ہے کہ اس تحریک کو یورپ کے

Marfat.com

نوآبادیاتی نظام، روس کے افغانستان پر حملے اور اسرائیل فلسطین کی کشمکش میں امریکہ کی فوجی طاقت کے بے رحمانہ استعمال نے للکارا ہے۔ اگر امریکہ اسلام کے خلاف جنگ میں آگے آگے رہا تو یورپ بھی بہت پیچھے نہیں رہا۔

شروع ۲۰۰۲ء میں اٹلی کے وزیراعظم نے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کی کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور انہوں نے یورپی اقوام کو دعوت دی کہ ۱۴۰۰ سال پرانی اس فرسودہ تہذیب کو زیر نگیں کر لیں۔

۱۴ اپریل ۲۰۰۵ء کی رائٹر کی رپورٹ کے مطابق ڈنمارک کی ملکہ نے اسلام کے خلاف یوں تیراندازی کی ''ان دنوں بھی عالمی اور مقامی طور پر اسلام کا چیلنج در پیش ہے اور ہمیں اس چیلنج کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ ہم نے برسوں اس کو غیر اہم سمجھا ہے کیونکہ ہم روادار اور کچھ سہل پسند لوگ ہیں۔'' حتمی طور پر انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ اس انتہا پسندی میں جو اسلام کا ایک حصہ ہے، ہمارے لیے خطرات پوشیدہ ہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی جواب دینا چاہیے اور کبھی کبھی ہمیں ناپسندیدہ کہلائے جانے کا خطرہ بھی مول لینا چاہیے کیوں کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر ہمیں زیادہ روادار نہیں بننا چاہیے۔ ملکہ عالیہ نے اسلام کے خلاف اس قدر اشتعال انگیز بیان دینا مناسب سمجھا اور اسلام کو بدنام کرنے کی مہم میں وہ بھی شامل ہوگئیں جب کہ یہ بات اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن کی ۱۲ اپریل کی قرارداد کے سراسر خلاف ہے جس میں اسلام کے خلاف اس قسم کی مہم سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ Dawn کے نمائندے نے واشنگٹن سے اپنی ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء کی رپورٹ میں کہا ہے کہ ریڈیو کے ایک میزبان کو جسے واشنگٹن اسٹیشن سے اس لیے برطرف کر دیا گیا تھا کہ اس نے اسلام کو ایک دہشت گرد تنظیم کہا تھا، بوسٹن میں ایک مذاکراتی پروگرام میں میزبان کے طور پر رکھ لیا گیا اور اس نے اپنے نشریے میں اپنی اس بات پر معافی مانگنے سے انکار کر دیا'' کہ ہم لوگ ایک ایسی دہشت گرد تنظیم کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں جسے ''اسلام'' کہتے ہیں۔''

ملکہ کی دھمکی جلدی رنگ لے آئی جب ڈنمارک کے کثیر اشاعت والے اخبار Jayllans Posten نے ۱۵ اکتوبر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۱ مختلف خاکے شائع کیے جس میں انہیں ایک دہشت گرد کے طور پر دکھایا گیا۔ ڈنمارک میں مسلم سفراء نے ڈنمارک کے وزیراعظم سے اس

Marfat.com

سلسلے میں ملاقات کرنی چاہی جس سے انکار کر دیا گیا۔ اخبار نے بھی احتجاج کو مسترد کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ ”وہ ایک جمہوریت میں رہتے ہیں جہاں مزاح اور خاکوں کو عام طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ مذہب اس پر کوئی حد نہیں لگا سکتا۔“

چند ماہ بعد غالباً مسلم دنیا سے کوئی موثر احتجاج نہ ہونے کے سبب یورپ کے ۸ ملکوں کے مختلف اخبارات نے ان خاکوں کو دوبارہ شائع کیا۔ ان ممالک میں ناروے، اسپین، فرانس، جرمنی، آسٹریا، سوئیزرلینڈ اور دو دوسرے ممالک شامل تھے۔ یہ انتہائی اشتعال انگیز مہم تھی جو محض ایک پیغمبر کے خلاف چلائی گئی جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں غم و غصے کی شدید لہر دوڑ گئی اور مسلمان ممالک میں سخت احتجاجی مظاہرے ہوئے۔

ان سارے توہین رسالتؐ کے خاکوں کی اشاعت کے لیے آزادی اظہار کو جواز بنایا گیا۔ شہری اور سیاسی حقوق کے عالمی معاہدے میں اس قسم کے آزادی اظہار کو امن عامہ، صحت اور اخلاقیات سے مشروط کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی طبقاتی تفریق کے خاتمے کے معاہدے میں اس طرح کی مہم کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ریاستوں کو پابند کیا گیا ہے کہ (وہ اس مہم کے) ذمہ داروں کو سزائیں دیں۔ یہ خاکے اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن کی ۱۲ اپریل ۲۰۰۵ء کی قرارداد کی صریح خلاف ورزی ہے جس میں مذاہب خصوصاً اسلام کو بدنام کرنے پر سرزنش کرنے کو کہا گیا ہے۔ لہٰذا وہ ممالک، جن کے اخبارات میں توہین رسالتؐ کے خاکے شائع کیے گئے، ان اخبارات اور عالمی قوانین کے تحت جن کا ذکر ہوا، اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ان اخبارات کے خلاف تادیبی کارروائی کریں۔

جب ڈنمارک کے مسلم سفرا نے اس سلسلے میں وزیرِ اعظم ڈنمارک سے ملنا چاہا تو وزیرِ اعظم نے ان سفرا کی درخواست رد کر دی اور ڈینش خاکوں کی اشاعت کے بعد جب وہاں کے مسلمانوں نے عدالت سے رجوع کیا اور درخواست کی کہ ان اخباروں پر اور ان کی تقسیم پر پابندی لگائی جائے تو عدالت نے دو میں سے کسی ایک بات پر بھی پابندی لگانے سے انکار کر دیا۔

اگر اس قسم کے توہین رسالتؐ کے خاکوں کو آزادیٔ اظہار کا جواز دیا جا سکتا ہے تو پھر روئے زمین پر مغرب خاص طور پر امریکہ اور اسرائیل اس بات پر کیوں سیخ پا ہوئے جب یہودیوں کے

Marfat.com

نازیوں کے ہاتھوں قتل عام پر بحث چھڑی کہ واقعی یہ قتل عام ہوا تھا؟ مغرب کے بہت سے مصنفین اس بات پر اپنے شبہے کا اظہار کرتے ہیں کہ واقعی ایسا کوئی قتل عام ہوا تھا۔

۲۰ فروری ۲۰۰۶ء کی اے ایف پی کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''برطانوی مؤرخ David Irving کو ایک آسٹریلوی عدالت نے تین سال قید کی سزا سنائی کہ اس نے نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کے قتل عام کا انکار کیا تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والے ایک ایسے کارٹون پر امریکہ کے فوجی سربراہوں نے سخت برہمی کا اظہار کیا جس میں وزیر دفاع رمسفیلڈ کو ایک ایسے امریکی فوجی جوان سے جن کے دونوں بازو اور ٹانگیں جنگ کی نذر ہو گئے تھے، یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا کہ وہ اس جوان کو ایک بے لچک فوجی کی فہرست میں شامل کرنے جا رہے ہیں۔

۲۰۰۵ء کے برطانوی الیکشن کے دوران جب ایک اخبار نے ایک کارٹون شائع کیا جس میں حزب اختلاف کے یہودی لیڈر ہاورڈ (Howard) کو ایک سور کی شکل میں دکھایا گیا تو یہودیوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور وزیر اعظم ٹونی بلیئر کو خود معافی مانگنی پڑی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں، توہین رسالتؐ کے خلاف پوری مسلم دنیا کے غم و غصے کو بہتر طور پر سمجھنے کی ضرورت تھی، واشنگٹن پوسٹ کی ۱۶ فروری ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں Berry Gray نے اپنی تحریر میں ان حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے کہ Jyllands Posten میں توہین رسالتؐ کے خاکوں کی اشاعت کے کئی ماہ بعد معاملہ اس قدر کیوں بگڑ گیا۔

جیسے ہی یہ خاکے شائع ہوئے ڈنمارک کے مسلمانوں نے اخباروں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بتایا کہ وہ اپنی اس جارحانہ حرکت کا صحیح ادراک کریں جس نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے، اس کے بعد انہوں نے حکومت اور حزب اختلاف کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کسی ہمدردی اور تعاون حاصل کرنے کی اپنی کوشش میں ناکامی کے بعد مقامی وکلاء سے کہا کہ وہ مذاہب کی بے حرمتی کے ملکی قوانین کے تحت مقدمہ دائر کریں، انہوں نے ڈنمارک میں متعین مسلم سفراء سے بھی درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں ڈنمارک کے وزیر اعظم سے ملاقات کریں، لیکن تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

Marfat.com

ڈنمارک کے Information کے امریکی نمائندے Martin Burcharth نے نیویارک ٹائمز کے سنڈے ایڈیشن میں ڈنمارک کے مسلمانوں کی حالت زار کا جن کی تعداد ۴ء۵ ملین افراد کے ملک میں دو لاکھ بنتی ہے کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

''میرے خیال میں ان خاکوں کی اشاعت کو ڈنمارک کے مسلمانوں کے خلاف موجود منافرت کی آلودہ فضا کے حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ پچھلے ۲۰ برسوں سے مسلمانوں کو کوپن ہیگن میں اپنی ایک مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اس کے علاوہ اُن کے لیے ڈنمارک میں کوئی قبرستان بھی نہیں ہے۔ سیاسی مقاصد کے ضمن میں اس نے یہ واضح کیا ہے کہ ڈنمارک کے ثقافت کے وزیر نے اہل فن اور اہل قلم کو بلایا اور انھیں ڈنمارک کے فن مصوری، موسیقی فلم کے بارے میں ایک ضابطہ تیار کرنے کو کہا۔ وزیر موصوف اور روایت پسند پیپلز پارٹی (Conservative Peoples Party) کے ایک رکن ہیں اور یہ پارٹی وزیر اعظم Rasmussen کی حکومت میں ان کی اتحادی ہے۔ وزیر ثقافت نے یہ بات قطعی پوشیدہ نہیں رکھی کہ جنوری ۲۰۰۶ء میں دی ہوئی اُن کی ثقافتی پالیسی کا اصل مقصد یہ ہے کہ ڈنمارک میں اسلام کے بڑھتے ہوئے نفوذ کے خلاف مدافعت کی جائے۔ وزیر نے اپنے روایات پسند ساتھیوں کے سامنے پارٹی کانفرنس میں ڈنمارک کے مسلمانوں کے خلاف اپنی نفرت کا یوں برملا اظہار کیا:

> ''ڈنمارک میں ہم ایک متوازی سوسائٹی دیکھ رہے ہیں، اقلیتیں اپنی قدیم روایات اور اپنے غیر جمہوری خیالات کے ساتھ گامزن ہیں۔''

اور اب ان مسلمانوں کو دھمکی دی جا رہی ہے جنھوں نے توہین رسالت کے خلاف مظاہروں میں شرکت کی کہ ان کی شہریت پر نظر ثانی کی جائے گی۔ اسی طرح یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ان خاکوں کی منصوبہ بندی خاص طور پر کی گئی تھی تا کہ اسلام کو بدنام کیا جائے اور اس کی تحقیر کی جائے۔

اس توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹون میں جس میں اسلام کے اس پیغمبرؐ کو جسے اللہ نے رحمتِ عالمین بنا کر دنیا میں بھیجا، ایک دہشت گرد کی صورت میں دکھایا گیا ہے، مذہب کے خلاف چھپی ہوئی گہری منافرت اور دشمنی کا محض ایک ہلکا سا اظہار ہے۔ یہ اس اسلام کے خلاف ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیغامِ الٰہی لے کر آیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو ایک دہشت گرد کی شکل میں پیش کرنا اسلام کے خلاف ایک اعلان جنگ کے سوا کچھ نہیں۔ وہ جنگ جو دہشت گردی کے نام پر آج لڑی جا رہی ہے۔

ان گستاخانہ خاکوں کے کارٹونسٹ نے، جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں میں غم و غصے کی آگ بھڑکا دی۔ نہ صرف یہ کہ کسی معذرت سے انکار کر دیا بلکہ برطانوی جریدے ہیرالڈ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان خاکوں کی تخلیق اس کے نظریات کی تکمیل کا مشن ہے جس سے وہ دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے اور اس کے خیال میں اس دہشت گردی کو ''روحانی غذا'' اسلام سے ملتی ہے۔

اخبار Jylands Posten جس نے یہ خاکے چھاپے تھے نے محض مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے پر معافی مانگی، لیکن ان خاکوں کی اشاعت پر معذرت نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان خاکوں کا حامی ہے۔

Dawn کے واشنگٹن کے نمائندے کی رپورٹ کے مطابق Jyllands Posten کے مدیر ثقافت نے انتہائی تاخیر کے بعد ۲۰ ر فروری ۲۰۰۶ء کو ان گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی حمایت کی اور اس بات پر زور دیا کہ اس نے ان خاکوں کی اشاعت کا فیصلہ اس لیے کیا کہ اسلام سے متعلق یورپ میں خوف اور دباؤ کا بڑھتا ہوا ایک احساس پایا جاتا ہے۔

یورپی یونین کی پارلیمنٹ نے ۱۶ ر فروری ۲۰۰۶ء کو ڈنمارک کے ساتھ یکجہتی کی ایک قرارداد منظور کی۔ یورپ کے دائیں بازو کا پریس اور اسلام مخالف سیاسی تنظیموں کے جذبات نقطۂ عروج پر ہیں۔ گستاخانہ خاکوں کے خلاف مسلمانوں کے شدید غم و غصے سے بے التفاتی برتتے ہوئے، روایت پسندوں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترکِ سکونت اور سیاسی پناہ کے قوانین کا دائرہ مسلمانوں کے گرد تنگ کر دیا۔ البتہ امریکہ نے خرگوش جو کہ مسلمان ہیں اور شکاری جو کہ غصہ ور یورپین ہیں کے درمیان کھیل کھیلتے ہوئے بہت ہوشیاری سے تحریر کیا اور ایک بیان جاری کر دیا کہ ''ہم مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہیں جو ان خاکوں کی اشاعت سے مجروح ہوئے، لیکن اسی کے ساتھ ہم افراد کے آزادیٔ اظہار کے نکتہ نظر کی بھی حمایت کرتے ہیں۔''

امریکہ کے اس بیان نے بھی جو کارٹونسٹ کی حمایت میں دیا گیا وہ مسلمانوں کی ہمدردی میں کم نظر آتا ہے۔ امریکی عقابوں کو برانگیختہ کر دیا۔ انہوں نے یہ شور مچایا کہ یہ بیان مسلمانوں کی

Marfat.com

دلجوئی کر رہا ہے اور مغرب کے آزادی اظہار کے تصورات کو گزند پہنچا رہا ہے جس کی مدافعت میں بش نے دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ان عقابوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنے والا کوئی بھی اقدام کمزوری کی علامت ہے اور مغربی تہذیب کے زوال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ڈک چینی کا ایک محبوب کالم نگار Victor Davis Hanson کہتا ہے: ''ہم آج اخلاقیات کے قطع و برید کے ایک بڑے عہد میں ہیں۔ اگر ہم نے ان لوگوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جو آٹھویں صدی کے کلیسائی دور میں ہیں تو جلدی ہم خود اسی آٹھویں صدی میں لوٹ جائیں گے۔ جہاں ہم ایک بنیاد پرست مسلمان کے خلاف نہ کچھ سن سکیں گے، نہ دیکھ سکیں گے، نہ کر سکیں گے۔ یہ وقت اسلامی انتہائی پسندی کے خلاف عالمی جدوجہد کے لیے ایک لحہ آزمائش ہے۔'' ایک متشدد ہفتہ وار Standard جو خاکوں کی دوبارہ اشاعت میں شامل ہے کے ایڈیٹر William Kristol کہیں آگے بڑھ کر اسلام کے حامیوں کے خلاف نہ تھمنے والا حملہ کرتے ہوئے زور دیتا ہے کہ '' ڈنمارک مخالف مظاہرہ کرنے والے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کو آزاد رو اور مہذب بنانے کی ہماری کوششوں کے لیے وہ خطرہ ہیں اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہتھیار بچے ہوئے ہیں اس سے ہمیں پسپا کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ انتہائی پریشان کن بلکہ خطرناک بات ہے کہ پوری کدوکاوش کے ساتھ مذہب اسلام کے بنیادی عقاید اور اقدار کے خلاف تحریک چلائی جارہی ہے نہ کہ ان چند پر تشدد مظاہروں کے خلاف جو توہین آمیز خاکوں کی مغربی اخباروں میں اشاعت کے خلاف ہوئے۔

ساری باتیں مغرب اور اسلام کے تہذیبوں کے درمیان فرق کو بھی ظاہر کرتی ہیں اور دونوں کے درمیان کسی نوع کے با مقصد مذاکرات کے امکان کو بھی محدود کرتی ہیں'' اگر اس متعصب گروہ اور Christian Right کو اپنا کھیل کھیلنے کی اجازت دے دی گئی۔

مغربی پریس میں توہین رسالتؐ کے خاکوں کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے ان توہین آمیز خاکوں سے مطابقت کی ایک کوشش کی جارہی ہے جو یہودیوں کے خلاف بعض مسلمان ممالک میں شائع ہوئے ہیں۔ خاکے یہودیوں کے ان بدنام زمانہ لیڈروں کے بارے میں تھے، جیسے شیرون وغیرہ،

Marfat.com

جس طرح اسامہ اور صدام کے بارے میں مغربی پریس میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کسی مسلم جریدے نے کبھی بھی حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہا السلام یا کسی بھی دوسرے پیغمبر کا کارٹون یا خاکہ نہیں شائع کیا ہے۔ مسلمانوں کے ایمان کا یہ حصہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے علاوہ تمام دوسرے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ توہین آمیز فلم The Last Temptation of Christ کے خلاف مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ ایک مسلمان کو مسلمان رہنے کے لیے قرآن کے مطابق تمام پیغمبروں پر کسی امتیاز کے بغیر ایمان لانا لازمی ہے۔ قرآن اس بات کی سختی سے ممانعت کرتا ہے کہ کسی قوم کے معبود کو برا بھلا کہا جائے یا ان کی بے حرمتی کی جائے اگر وہ معبود مسلمانوں کے معبود کے علاوہ کوئی اور ہے۔ قرآن مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیتا ہے کہ وہ گرجاؤں اور دوسری عبادت گاہوں کا اسی طرح تحفظ کریں جس طرح وہ مسجدوں کا کرتے ہیں۔

جب نجران کے عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں ملاقات کی تاکہ وہ ذاتی طور پر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں تو حضورؐ نے خود ان کی میزبانی کی اور انہیں مسجد نبوی میں اپنے عیسائی طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دی۔

اس قدر رواداری اور برداشت اسلام میں دوسرے مذاہب کے بارے میں پائی جاتی ہے، بالکل اس عدم رواداری کے برعکس جو مغرب اسلام کے معاملے میں رکھتا ہے۔

مسلمانوں کو یہ الٰہی احکامات دیئے گئے ہیں کہ وہ پیغمبروں (ان پر اللہ کا درود و سلام پہنچے) سے اپنی ذات اور اپنے اعزا و اقارب کے مقابلے میں زیادہ محبت کریں، ہر اس چیز سے زیادہ جو انہیں دنیا میں عزیز ہے۔ لہٰذا پیغمبروں کی توہین کے خلاف مسلم اُمہ اپنی تمام تر دستیاب قوت سے نبرد آزما ہوگی۔ نتائج سے بے پروا ہو کر۔ قرآن نے ان لوگوں کے لیے جو پیغمبروں کی توہین کے مرتکب ہوں یہ کہا ہے:

"جس نے بھی اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کی تو اللہ سزا میں سخت ہے۔"

(الانفال:۱۳)

او۔ آئی۔ سی میں یہ تجویز زیر غور ہے کہ معاملے کو اقوام متحدہ میں اٹھایا جائے لیکن یہ کام فضول ہوگا کیونکہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن کی مذاہب خاص طور پر اسلام کی اہانت پر

Marfat.com

قرارداد کی بڑی ڈھٹائی سے خلاف ورزی کی گئی اور توہین آمیز کارٹون شائع کیے گئے۔ لہٰذا یہ بے کارسی امید ہے کہ اقوامِ متحدہ اس معاملے میں مداخلت کرے گی اور مستقبل میں اسی قسم کے مزید واقعات کا سد باب کرے گی۔ یہ بات اس حقیقت سے عیاں ہے کہ اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان نے خاکوں کی متواتر اشاعت پر اپنی ناراضی اور دکھ کا اظہار کرتے ہوئے انسانی حقوق کے کمیشن کی قرارداد پر نہ تو کوئی بات کی اور نہ ہی اس کی خلاف ورزی کا کوئی نوٹس لیا۔

چند ماہ بعد (اوائل اکتوبر یا شروع نومبر ۲۰۰۵) میں برطانوی وزیر خارجہ نے اسلام کی یہ کہتے ہوئے اہانت کی کہ وہ عالمی اسلامی اسوۂ حسنہ یا اسلامی شریعہ کی حمایت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی جڑیں دہشت گردی سے ملتی ہیں۔

۱۱ ستمبر کے حملے سے کہیں قبل امریکہ کے حلقہ ہائے دانش اپنی پہلے سے قائم کردہ رائے کو الاپ رہے تھے کہ ان کے طریقۂ زندگی اور تہذیب کو اسلام سے خطرہ ہے اور ان کی پہلے سے سوچی ہوئی یہ رائے مغرب کے دانشور خصوصاً امریکہ کی میراث دانشوری کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ مغرب میں اسلام اس اندھی اصول پرستی کی مسلسل زد میں ہے۔ سابق صدر نکسن نے اپنی کتاب (Sieze the Moment (1992) میں اس کا یوں اعتراف کیا ہے:

''اکثر امریکی عام مسلمانوں کو غیر مہذب، گندہ، وحشی اور غیر منطقی سمجھتے ہیں۔''

امریکہ کے سابق نائب صدر Quayale کی یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ ''فاشزم اور کمیونزم کے بعد مغرب کو سب سے بڑا چیلنج بنیاد پرست ''اسلام'' سے ہے۔''

سہ ماہی فارن پالیسی (Foreign Policy) میں ولیم۔ ایس۔ لنڈ (.William S Lind) نے اپنے مضمون ''Defending the Western Culture'' میں اسلام کے بڑھتے ہوئے حریفانہ ٹکراؤ سے خبردار کیا ہے۔ ''لیکن ممکن ہے کہ جب ہم اگلی صدی میں داخل ہوں تو ۱۶۸۳ء کے ویانا کے محاصرے کے بعد پہلی بار مغرب کو دوسری تہذیبوں کے زبردست خطرے کا سامنا کرنا پڑے۔''

امریکی سفیر Larry Pressler نے ۱۱ر جنوری ۱۹۹۲ء کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کی اس تشویش اور ذہنی پریشانی لوگوں کو یوں بے نقاب

Marfat.com

کیا: ''اسلامی بنیاد پرست ممالک پاکستان، افغانستان، ایران اور سابق سوویت یونین کی وسطی ایشیا کی پانچ مسلمان جمہوریتوں کے ایک بلاک بننے کا امکان ہے۔''

NATO کے سیکریٹری جنرل کی یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ ''یورپ کا نقشہ بدل چکا ہے، یورپی نقشے میں نمایاں جو سرخ حصہ تھا، وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن NATO کی ضرورت ہرگز ختم نہیں ہوئی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ سرخ کی جگہ سبز نے لے لی ہے۔''

Huntington ❶ نے اپنی کتاب Clash of Civilization میں پیشگوئی کی

---

❶ سموئل پی ہنٹنگٹن ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اسی یونیورسٹی میں وہ John M.Olin Institute for Strategic Studeis کے ڈائریکٹر ہیں اور ''ہارورڈ اکیڈمی فار انٹرنیشنل اینڈ ایریا سٹڈیز'' کے چیرمین کا عہدہ بھی ان کے پاس ہے۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کی انتظامیہ میں وہ National Security Council میں سلامتی سے متعلق منصوبہ بندی کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ Foreign Policy کے بانی مبانی اور شریک مدیر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ''امریکن پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن'' کے بھی صدر رہ چکے ہیں۔ وہ کئی کتب اور مختلف علمی مضامین کے مصنف ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ شہرت ان کے مضمون ''The Clash of Civil-ization'' کو حاصل ہوئی جو ایک موقر امریکی جریدے ''Foreing Affairs'' کے Summer Issue میں ۱۹۹۳ میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اس جریدے کے صاحب علم مدیروں کے خیال میں جتنی طویل علمی بحث بین الاقوامی سطح پر دانش وروں کے درمیان ہنٹنگٹن کے اس مضمون پر چلی، اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اتنی بحث George Kenan کے مضمون ''X'' پر بھی نہیں ہوئی تھی۔ جارج کینن کا یہ مضمون ۱۹۴۰ء کی دھائی میں کیمونزم کی تحدید کے موضوع پر لکھا گیا تھا۔ ہنٹنگٹن نے اپنے اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر نئے اضافوں کے ساتھ اور گفتگو کو مزید دلائل سے مزین کر کے اس شہرۂ آفاق کتاب کو ''The Clash of Civilization and the Remaking of World Order'' کے نام سے کتابی شکل میں پہلی مرتبہ ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دنیا میں ایک نئی صف بندی کی پیش گوئی کی گئی ہے جو جغرافیائی اور علاقائی بنیادوں سے ہٹ کر تہذیبی بنیاد پر ہوگی اور جو نئی تہذیبیں اس میں نمایاں رول ادا کریں گی، ان کی تشکیل میں مذہب کا رول سب سے اہم ہوگا بلکہ تہذیبوں کی شناخت ہی مذہب سے ہوگی۔ دورِ حاضر کے دانش ور عالمی حالات کے تناظر میں اس کتاب کی اہمیت سے آگاہ ہیں اور اس کو اپنی تحریروں میں موضوع بحث بناتے ہیں۔ زیر نظر کتاب کے مصنف محترم اسرار الحق صاحب نے بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے قابل اعتناء سمجھا ہے اور اس کے مباحث کو کتاب میں جگہ دی ہے۔ پاکستان میں اس کتاب کے اردو تراجم، نگارشات، بیکن بکس، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور مثال پبلشرز نے شائع کیے ہیں۔ ممکن ہے، ان کے علاوہ بھی کسی ادارے نے اس کا ترجمہ شائع کیا ہو، جو میری نظر میں نہ آسکا ہو۔ (محمد شبیر قمر)

Marfat.com

ہے کہ "مغرب اور اسلام کی صدیوں پرانی متصادم صورت میں کمی کا کوئی امکان نہیں بلکہ یہ زیادہ ہی متشدد ہو جائے گی۔"

ایک خاتون رائٹر Judith Miller نے اپنے مضمون Chllenge of the Radical Islam (Foreign Affairs, Spring 1993) میں کہا ہے "بنیادی سیاسی اسلام مشرق وسطیٰ کے معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے جس نے ایک بارودی صورت اختیار کرلی ہے اور جو لوگ عالمی انسانی حقوق (خاص طور پر خواتین کے حقوق) جمہوری حکومت، سیاسی رواداری اور برداشت اور عرب اور اسرائیل کے درمیان امن کی خواہش رکھتے ہیں وہ متشدد اسلامی تحریک کی بڑھتی ہوئی قوت سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔"

ہفتہ وار اکنامسٹ نے اپنی ۱۷ر نومبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں مغرب کو اسلام کی طرف سے چیلنج کی اس طرح وضاحت کی ہے:

"صرف ایک مذہب اسلام ہے جس کی مقبولیت پھیل رہی ہے، ساتھ ساتھ اسلامی عقاید کا احیاء بھی ہو رہا ہے۔ کبھی مارکسزم ایک متبادل (نیم مذہبی) عقیدہ اُن لوگوں کو مہیا کر رہا تھا جو عیسائیت سے بے اعتنائی برت رہے تھے۔ اب اس نے اپنی کشش کھو دی ہے۔ اُنھیں جو اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، رائج اسلام ایک موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ مغربی کلچر کے جال میں پھنسے بغیر، ایسا کر سکتے ہیں۔"

یہ ہفتہ وار جریدہ بنیادی اسلام کے فروغ میں مغرب کے طرزِ زندگی اور حکومت کے لیے ایک چیلنج دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے اندیشے کا یوں اظہار کرتا ہے "کچھ لوگ اسلام کے بنیادی اُسوے (طرزِ حیات) میں یہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ وہ ان کے اہم ترین بنیادی تصور کے لیے ایک چیلنج ہے کہ حکمرانی لوگوں کے منتخب نمایندہ کا کام ہے نہ کہ اللہ کا۔"

۲۲ر دسمبر ۱۹۹۰ء کا ہفتہ وار اکنامسٹ صدیوں پر محیط، اسلام اور عیسائیت کے درمیان جارحانہ رویوں کا تذکرہ خاصی جذباتیت اور برہمی سے کرتا ہے۔ وہ یاد دلاتا ہے کہ کس طرح "مسلم فوجی مہم اور فتوحات اپنے حربی اور نظریاتی چیلنج کے ساتھ عیسائیت کے سامنے کھڑی تھیں جن کے خلاف تقریباً دو صدیوں سے صلیبی جنگ لڑی گئی۔ محض یروشلم کو فتح کرنے کے لیے نہیں

Marfat.com

بلکہ اسلام کی مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے، اس طرح عیسائیت اسلام کے خلاف فوجی نظریاتی جنگ میں برسرپیکار رہی۔"

Berg Buzan لندن کے External Affairs کی ۳رنومبر ۱۹۹۱ (Vol-67) کی اشاعت میں اپنے مضمون اکیسویں صدی میں عالمی سلامتی کے نئے رجحان (New Pattern of Global Security in the 21st Century) میں اسلام کے اسی تصور کو زیادہ جارحانہ انداز میں یوں ابھارتا ہے۔

"مغرب مخالف نظریات میں صف اول کی طاقت کمیونزم کے زوال کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ کردار اسلام نے آگے بڑھ کر سنبھال لیا ہے اور اسے اسلام کے مخالف انتہائی خوش دلی سے اپنالیں گے۔ اسلام کے مغرب مخالف کارنامے ایک محکم حقیقت ہیں اور ایک بڑا سیاسی حلقہ اثر رکھتے ہیں۔"

Count de Marenche جو فرانس کی خفیہ ایجنسی کا ایک عشرے تک سربراہ رہا، اپنی کتاب Fourth World War جو ۱۹۸۶ء میں لکھی گئی اور ۱۹۹۳ء میں دوبارہ تدوین کی گئی میں اس آخری اور حتمی صلیبی جنگ سے پردہ اٹھاتا ہے جو اپنی تمام معرکہ آرائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑی جائے گی، وہ اس طرح پیشگوئی کرتا ہے:

"تیسری عالمی جنگ دراصل سرد جنگ تھی جو امریکہ نے ان ممالک کی مدد سے جیتی جو خلافت اور سلطنت عثمانیہ کے علم بردار اور وارث تھے یعنی پاکستان اور ایران۔"

Marenche للکارتا ہے:

"ہمیں دور اور نزدیک اپنی جان کی قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہمارے دشمن جو ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں قربانی کے لیے بخوشی آمادہ ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے لیے جان دینے کو تیار ہیں، ہم نہیں ہیں۔ ہمارے عقاید مادی آسائشوں کے لیے بہت زیادہ مربوط ہیں۔"

۱۹۹۳ء میں ایک بار سرکاری دورے پر برطانیہ آئے ہوئے اسرائیل کے صدر نے مسلم بنیاد پرستی کے فروغ کے خلاف برطانوی وزیراعظم جان میجر کو ورغلایا۔ انھوں نے آزاد دنیا کے

Marfat.com

لیے اسے سب سے بڑا واحد چیلنج قرار دیا۔

کلنٹن انتظامیہ نے بھی تبلیغ اسلام کے خلاف اپنے شدید تحفظات بغیر کسی پس و پیش کے یوں بیان کیے: ''ایک اسلامی ریاست جن نظریوں کو گلے لگائے ہوئے ہے ان اقدار اور حقائق سے مقابلہ نہیں کر سکتی، جنھیں آج کی امریکی اور پیشتر مغربی دنیا نے اپنا رکھا ہے۔''

Fukuyama کہتا ہے: ''حالیہ برسوں میں صرف اسلام نے بنیادی قابل لحاظ اسلامی تحریکوں کو جنم دیا ہے جو نہ صرف مغربی سیاست بلکہ جدید دور کے اہم ترین بنیادی اصول یعنی مذہبی رواداری کو مسترد کرتی ہیں۔''

اس طرح امریکہ کی قیادت میں ابھرتا ہوا ورلڈ آرڈر اسلام کے احیاء پر اس کے خلاف خود کو آمادۂ پیکار پاتا ہے اور جسے مغرب خاص طور پر امریکہ نے مختلف نام دے رکھے ہیں جیسے بنیاد پرستی، انتہا پسندی، دہشت گردی۔ اس کے نتیجے میں اسلام کے احیا کے خلاف سخت اور متشدد حکمت عملی اپنائی گئی ہے۔ اس حکمت عملی کے علاوہ اسلامی احیا کا توڑ کرنے کے لیے اسلام پر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نظریاتی حملے ۱۱ ستمبر کے دہشت گردی کے حملے سے بہت پہلے سے زور و شور سے جاری ہیں۔

اسلامی احیاء کے خلاف ساری دنیا میں بغض و عناد کے اٹھتے ہوئے طوفان پر Leon T.Harder، فارن آفیئرز کے ۱۹۹۳ء کے موسم بہار کے شمارے میں اسلام پر ہر چہار سمت سے حملہ آور ہوتے ہوئے اس کی یوں تصویر کشی کرتا ہے:

''ہندوستان نے خود کو پاکستان کے اسلامی منصوبے کے خلاف ایک آڑ بنا رکھا ہے۔ سربیا کے قوم پرستوں نے اپنی نسلی صفائی کی پالیسی کو یورپ میں اسلام کے فروغ کے خلاف ایک رکاوٹ قرار دیا ہے۔''

ہارڈر مزید کہتا ہے:

''ایک مربوط قوت ہونے کے علاوہ اسلام درحقیقت اس وقت ویانا کے دروازوں یا اسپین کے ساحلوں پر دوبارہ پہنچنے کے قریب ہے جس کے لیے وہ متحارب مسلم بنیاد پرستوں کا ان کی مخالف طاقتوں کے خلاف دفاع کر رہا ہے۔ سابق یوگوسلاویہ میں،

Marfat.com

بوسنیا اور کوسوو کی مغرب زدہ اور سیکولر مسلم آبادی کو سربیّن قوم پرستوں کی طرف سے ملک بدری کا خطرہ ہے۔"

آپ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بوسنیا کے مغرب زدہ مسلمان اپنے عیسائی ساتھیوں کے قریب تر آنے اور ان کے ساتھ گرم جوش تعلقات رکھنے کے لیے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ شراب نوشی کرتے اور باہم رقص کرتے ہیں بلکہ اسلام کی صریح ہدایت کے خلاف سور کا گوشت بھی کھاتے اور اپنی لڑکیوں کی عیسائیوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود انہی سربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں کو ظلم و بربریت کا ایسا نشانہ بنایا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

عیسائی اور یہودی بنیاد پرستوں سے اسلام کو جو خطرات ہیں ان کا ذکر ہارڈر اس طرح کرتا ہے:

مغربی کنارے پر بنیاد پرست یہودیوں کی تحریک Gush Emmeemeem عظیم تر اسرائیل کی مہم میں ۱۹۶۷ء سے سرگرم ہے، ساتھ ہی فلسطین کی قومی تحریک کو جس میں بہت سارے سیکولر مسلمان اور عیسائی شامل ہیں، دبانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ فرانس اور جرمنی کے نسل پرست اور نازی گروپ مسلم تارکین وطن کو نکالنے کی پرتشدد کوشش کر رہے ہیں۔" اس کے علاوہ اسلام مخالف ہندو بنیاد پرستوں کی تحریک ہندوتوا اپنی قوت کا مظاہرہ، بابری مسجد کے انہدام اور اس کی جگہ رام مندر کی تعمیر میں کر رہی ہے۔ ہندوستان میں ہزاروں مسجدیں ان کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ ہندوتو کی تحریک یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے علیحدہ عائلی قوانین ختم کر دیے جائیں، ان کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندو کلچر کے دھارے میں ہی ضم کر دیا جائے۔

اس طرح تمام اطراف سے ساری دنیا میں اسلام محاصرے میں ہے۔ یہ مسلمانوں اور اسلام سے تنافرت و حقارت کا وہ ٹائم بم ہے جو آہستہ آہستہ مدتوں سے سلگ رہا ہے اور اب اسامہ اس کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ عراق اور افغانستان میں یہ بم امریکہ کی شدید ترین فوجی قوت سے پھٹ پڑا ہے۔ یہ پوری مسلم دنیا کے خلاف امریکہ کی فوجی مہم کا محض نقطۂ آغاز ہے اور اس کی کسی اور نے نہیں، ہنری کسنجر نے پیشگی اطلاع دی ہے۔

حال ہی میں امریکہ کی ہندوستان کے ساتھ نیوکلیر معاملات میں شراکت، اس کے باوجود کہ

Marfat.com

ہندوستان نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے ہیں اور یہ کہ خود امریکی قوانین غیر فوجی مقاصد کے لیے نیوکلیئر ٹیکنالوجی، مواد اور مشینوں کی منتقلی کی اجازت نہیں دیتے، نہ ہی ہندوستان کو منتقل کیے جانے والے تیزی سے کام کرنے والے نیوکلیر فیڈرز کو بین الاقوامی معائنے سے مشروط کیا ہے اور ایک اندازے کے مطابق ہندوستان اس سے سالانہ پچاس اضافی ایٹمی اسلحے بنا سکتا ہے، یہ منصوبہ بندی محض چین کو قابو میں رکھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ انقلابی اسلام کے خلاف ہے۔ ہندوستانی مبصرین خاص طور پر امریکہ میں مقیم اساتذہ امریکہ اور ہندوستان کے درمیان ایٹمی تعاون پر زور دیتے رہے ہیں تا کہ مسلم ممالک میں جس انقلابی اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے، اسے روکا جا سکے۔ اسے اسرائیل اور ہندوستان کے باہمی تعاون سے دھندلایا جائے۔ یوں امریکہ اور ہندوستان کے درمیان ہونے والے نیوکلیر عہد و پیماں خالصتاً اسلام کے خلاف کیے گئے ہیں، چین کے خلاف نہیں۔

۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ کے صیہونی ابلاغ عامہ نے اسلام اور اس کے نظریے کے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈا چلا رکھا ہے۔ اس معاملے میں، اس نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنے انتہائی معتمد دوست ''سعودی عرب'' کو بھی نہیں بخشا ہے جس نے اپنی سرزمین پر ۵۰۰۰ امریکی فوجی جوانوں کی میزبانی کی۔ ۱۴ اکتوبر کو پاکستان میں متعین سعودی سفیر نے ایک پریس بریفنگ میں کہا کہ صیہونی میڈیا کی سعودی سلطنت پر تنقید انتہائی ہتک آمیز اور قابل مذمت ہے۔ سفیر نے مزید کہا کہ میڈیا کے اس شدید حملے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ''ہم پر اپنے نظریے'' کو تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جائے۔ اس طرح اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ کا نام نہاد عالمی دہشت گردی کے خلاف حملہ دراصل اسلام اور اسلامی نظریے کے خلاف ایک حملہ ہے۔

لندن کے The Impact International نے اپنی اکتوبر ۲۰۰۱ کی اشاعت میں بالکل صحیح کہا ہے کہ ''ایک کم تر قوت مگر مربوط جنگ اسلام، اسلامی اقدار اور اسلام کے تقدس کے خلاف جاری ہے۔'' Impact کہتا ہے کہ ''یہ کوئی خفیہ یا غیر مبہم بات نہیں ہے کہ امریکہ اسلام سے آزاد ایک مسلم دنیا دیکھنا چاہتا ہے۔'' اسلامی شریعہ کی اصطلاح کو ایک نفرت انگیز تصور سمجھا جاتا ہے کیونکہ الزاماً یہ عالمی اصولوں کی نفی کرتا ہے۔ توہینِ رسالت ؐ کے قانون اور مرتد قادیانیوں کو

Marfat.com

غیر مسلم قرار دینے پر مغرب کی نام نہاد سیکولر اور آزاد قوتیں مسلسل حملہ آور رہی ہیں۔ انھوں نے خود اپنے یہاں حضرت مسیحؑ اور ان کی تعلیمات کے خلاف انتہائی گستاخانہ اور بازاری رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے خیال میں توہین رسالتؐ بھی ایک بنیادی حق ہے۔''

۱۱ ستمبر کے حملے کے ایک دن بعد، Howard Fineman نے MSNBC کیبل نیٹ ورک پر کہا ''یہ کوئی بے چہرہ، پراسرار دشمن نہیں ہیں جن کا ہمیں مقابلہ ہے۔ یہ انتہا پسند بنیاد پرست اسلامی دہشت گرد ہیں اور اب سوال یہ ہے کہ کس حد تک ہمارا ملک اور ہمارا دفاعی مرکز اعلانِ جنگ کے لیے تیار ہے، محض چند لوگوں کے خلاف نہیں بلکہ اس پورے طرزِ حیات کے خلاف جو امریکہ کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔'' سینیٹر John Mc Cain ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ کہتا ہے: ''یہ محض جرم نہیں ہے یہ جنگی عمل ہے جس نے ہماری عظیم قوم کے غصہ کو ضبط کیا ہوا ہے لیکن جو دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے اپنے مقصد پر متحد ہے۔ امریکی قوم اب یہ جان گئی ہے کہ ہم حالت جنگ میں ہیں اور وہ اپنی بقا کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے مستعد ہے۔ میں اپنے دشمنوں سے کہتا ہوں: ہم آرہے ہیں، خدا تم پر رحم کر سکتا ہے ہم نہیں کریں گے۔'' یہ اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں تو اور کیا ہے۔

اس طرح تلوار کا لہرانا محض ایک فرد ''اسامہ'' کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلام کے پورے طرزِ حیات کے خلاف ہے، جو امریکیوں کے ذہن کے مطابق ''امریکہ کو تباہ کرنے کے درپے ہے'' سینیٹر John McCain پھر کر غراتا ہے: ''ہم آرہے ہیں، خدا تم پر ترس کھا سکتا ہے ہم ترس نہیں کھائیں گے۔''

اس جنگجو اور خطرناک ''ہمارے دشمن'' سے مراد پوری اسلامی دنیا ہے۔ سینیٹر McCain کا یہ غم و غصہ سربیا کے کمانڈر انچیف ملاڈک (Mladic) کے غیظ و غضب سے ملتا جلتا ہے جو اس نے Serbinica کے مسلمان قیدیوں کے سامنے ظاہر کیا تھا ''یہ صرف میں ہوں جو تمھیں بچا سکتا ہے تمہارا خدا نہیں۔''

سینیٹر McCain کی یہ غضبناکی Mladic کے اس دعوے کی کہ ''وہ خدا سے زیادہ طاقتور ہے'' کی یاد دہانی کرائی ہے بلکہ حضرت موسیٰؑ سے فرعون کا کیا ہوا یہ سوال بھی یاد آتا ہے ''کہاں

Marfat.com

ہے تمہارا خدا؟'' میں اسے دیکھنا چاہوں گا اور پھر اپنے وزراء سے کہا کہ وہ ایک اتنی بڑی سیڑھی بنائیں جس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکے۔

سینیٹر Joseph Lieberman نے پرجوش جہادی قوتوں پر الزام لگایا ہے کہ یہ ایک مذہبی آ ئنی دیوار کھڑی کر کے مسلم دنیا کو باقی دنیا سے کاٹنا چاہتے ہیں اور صدر بش پر زور دیا ہے کہ وہ مسلم دنیا کے ساتھ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کریں اور (جہادی) شدت پسندوں کو مذہبی دیوار کھڑی کرنے سے روکیں۔ یہ امریکہ پسند اور سہولت کا اسلام نافذ کرنے کی براہِ راست کوشش ہے۔

قدامت پسند جریدے National Review میں ایک کالم نگار اس سے کہیں زیادہ شدت اور جارحانہ انداز میں اسلام پر حملہ آور ہوا ہے۔ یہ اسلام کی تباہی (The Destruction of Islam) کے لیے بحث کرتے ہوئے Ann Coulter میں لکھتا ہے: ''تمہیں ان کے ممالک پر حملہ کرنا چاہیے، ان کے رہنماؤں کو قتل کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو عیسائی بنالینا چاہیے۔''

اٹلی کے وزیراعظم Silvio Berlusconi نے زور دے کر کہا ہے کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور اپنے یورپی ساتھیوں سے کہا ہے کہ ۱۴۰۰ سال پرانی اس پسماندہ تہذیب پر فتح حاصل کرلیں۔ ۱۱ ستمبر سے اسلام کے خلاف غم وغصہ اور جذباتیت کا اظہار بہت زیادہ جارحانہ اور متواتر ہوگیا ہے۔ امریکن اسلامک ریلیشنز کی کونسل نے ۲۰۰۳ء کی سالانہ رپورٹ میں یہ ریکارڈ کیا ہے کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد پچھلے برسوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جرائم میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں مسلمانوں کو پریشان کرنے اور تفریق پیدا کرنے کے تقریباً ۲۰۰۳ واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔

واشنگٹن میں تعینات Dawn کے نمائندے نے ۱۷ جولائی ۲۰۰۴ء کے اپنے مراسلے میں رپورٹ کیا ہے کہ امریکہ میں بہت سارے مسلمان FBI کی پوچھ گچھ کے خوف اور ممکنہ طور پر دہشت گرد سمجھے جانے کے ڈر سے مسجدوں میں جانے سے احتراز کرنے لگے ہیں۔ FBI کی مہم جو مسلم قیادت اور عام مسلمانوں کے انٹرویو کے بہانے بڑی مہارت سے چلائی جارہی ہے، دہشت گردی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے ہے اور اس نے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلا دیا ہے اور ان کی زندگی کو مشکل تر بنادیا ہے۔ مسلمانوں کو بشمول امریکی

Marfat.com

باشندے خاص طور پر وہ لوگ جو نئے امریکی شہری بنے ہیں، نشانہ بنانا اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اس مہم سے علیحدہ رکھنا اسلام کے خلاف امریکی منافرت کی صاف صاف غمازی کرتا ہے، حالانکہ مسلمان ممالک کی اکثریت دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہی ہے۔

ایک دوسری رپورٹ کے مطابق (Dawn، ۱۸ جولائی) نے ائمہ اور خطباء کو ولی عہد عبداللہ نے سخت تنبیہ کی ہے کہ دہشت گردی کے خلاف حکومت کی پالیسی سے انحراف نہ کریں۔ ان ائمہ نے اس تنبیہ کو سختی سے مسترد کر دیا اور اس بات پر قائم رہے کہ دہشت گردی کے نام پر جو جنگ لڑی جا رہی ہے وہ اسلام کے خلاف ہے۔ مسجد جعفر الطیار کے امام نے صاف صاف کہا کہ اسلام پر حملہ آور ہونا ایک بین الاقوامی رجحان بن گیا ہے اور جہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں اسلام کو ملوث کر دیا جاتا ہے۔

نسلی مساوات کے برطانوی کمیشن (U.K.Commission of Racial Equality) کے چیئرمین Trevor Phillips نے کہا ''مسلمان نئے سیاہ فام ہیں جس طرح ماضی میں جزائر غرب الہند کے برطانوی سیاہ فام باشندے نسلی امتیاز کا شکار تھے، آج برطانیہ کے مسلمان اس کا نشانہ ہیں۔'' وزارتِ داخلہ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے ضمن میں ''روکو اور تلاشی کرو'' کے واقعات خاصے بڑھ گئے ہیں۔ بی بی سی سے نشر کی جانے والی ایک خفیہ فلم میں BNP کے لیڈر Nick Griffin کو مسلمانوں اور ان کے قرآن کو سخت برا بھلا کہتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ دوسری اقلیتوں کو فخریہ مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔

پادری Franklin Graham نے کہا ہے کہ ''اسلام ایک برا اور خراب مذہب ہے۔''

(Dawn، ۲۶ فروری ۲۰۰۲ء)

نیوز ویک انٹرنیشنل اپنی ۱۱ فروری کی اشاعت میں رقم طراز ہے: ''۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد، قرآن اور وہ مذہب جس کی یہ تبلیغ کرتا ہے آزمائش میں ہیں۔ کیا اسلام فطری طور پر ایک غیر روادار مذہب ہے؟''

امریکہ کے مشہور کالم نگاروں میں سے ایک نے فرمایا ہے: ''قرآن جرم کی بنیاد ہے۔''

Marfat.com

پوپ جان پال نے ۲۲ جنوری ۲۰۰۲ء کو ایک کثیر الاجتماعی مندوبین کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ جو کچھ ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں وہ ایک بڑھتا ہوا صلیبی تصادم ہے جس میں مغربی تہذیب کا اسلام کے پیروکاروں سے مقابلہ ہے۔ پوپ نے جو کچھ کہا وہ Huntington کے نظریے ''تہذیبوں کا ٹکراؤ'' (Clash of Civilizations) کی تصدیق ہے۔

امریکی جریدے National Review کے ایڈیٹر Rich Lowery نے اپنی ایک پچھلی تحریر (مارچ ۲۰۰۲ء) میں کہا کہ ''جن لوگوں سے اس کی گفتگو ہوئی ان کی اکثریت مکہ پر ایٹم بم برسانے کے لیے بہت جذباتی تھی۔ جب نیشنل ریویو کے ایک دوسرے قلم کار نے کہا کہ مکہ کی تباہی ایک ارب مسلمانوں کے غم و غصے کا مستقل سبب بن جائے گی تو Lowery نے کہا کہ ''یہ ایک متشددانہ بات ہوگی لیکن اس کے علاوہ میرے ذہن میں کوئی اور بات نہیں آتی''۔

دو سو سال کی صلیبی جنگ کے دوران صرف یروشلم نشانہ تھا جبکہ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ کی رائے عامہ کا ایک بڑا حصہ مکہ کو بھی ایٹم بم کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ یوں، دہشت گردی کے خلاف یہ نام نہاد جنگ ماضی کی صلیبی جنگوں سے کہیں زیادہ تباہ کن اور مہلک ثابت ہوگی۔ مسلمانوں کے قبلہ اور یہاں ان کی مقدس ترین عبادت گاہ مکہ مکرمہ پر ایٹمی حملہ خود مذہب اسلام پر ایٹمی حملہ متصور ہوگا۔

۱۱ ستمبر کے بعد درجنوں مضامین اور بیانات کی اشاعت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ مغرب کی مسلمانوں کے خلاف منافرت گستاخانہ انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔

وہ انٹرنیٹ سائیٹس جو مغرب سے جنم لیتی ہیں ہر وقت قرآن کا مذاق اڑاتی رہتی ہیں۔ منافرت کا بڑھتا ہوا طوفانِ غیظ و غضب پورے اسلام کے خلاف ہے، کسی مخصوص مکتبہ فکر یا اسلام کے کسی خاص فرقے کے خلاف نہیں اور جس کے تباہ کن اثرات ان صلیبی جنگوں سے کہیں زیادہ ہوں گے جو عیسائی طاقتیں ''اسلام کی بدی'' کو مٹانے کے لیے لڑتی رہیں۔ یہ اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ کے سوا اور کیا ہے؟

نیو یارک ٹائمز کے ۳۶۵ دن کی اشاعت کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ۲۰۰۲ء میں ۲۴ مضامین دائیں بازو کے مذاہب پر لکھے گئے جبکہ بائیں بازو پر صرف ۲ مضامین شائع ہوئے۔ واشنگٹن پوسٹ میں ان کی تعداد بالترتیب ۱۰۴ اور صفر ہے۔ دائیں بازو کی مذہبی جماعتیں جن میں

Marfat.com

اکثر عیسائی ہیں اسلام کے خلاف انتہائی معاندانہ اور نفرت انگیز رویہ رکھتی ہیں جبکہ بائیں بازو والے کسی حد تک معتدل اور مصالحت پر مبنی انداز رکھتے ہیں۔ دائیں بازو والے عیسائیوں میں Billo Reilly نے نہ صرف یہ کہ عراق کی جنگ کی حمایت کی بلکہ عراق، ایران اور لیبیا کے شہریوں پر بمباری کے گن گا تا رہا، اس کا ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے: ''عراق کی تنصیبات پر بمباری کر کے انہیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا جائے اور اس کے پاور پلانٹس کو تباہ کر دیا جائے تاکہ اس کے شہری ریت پھانکیں۔''

اس جریدے کے ایڈیٹر نے جس میں Ann Coulter کا مضمون چھپا تھا سارے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی وکالت کی تھی، مسلمانوں کے احساسات کی تالیف قلب کے لیے معذرت پیش کی تو اپنی بات پر اڑی رہی اور ایڈیٹر کے معافی مانگنے پر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ بعد میں اسے Cross Fire hard talk, today. Good morning America. اور دوسرے میڈیا پروگراموں میں مدعو کر کے انعامات سے نوازا گیا۔ NewYork Observer، News day اور سب سے بڑھ کر NewYork Times نے اس کے مضامین چھاپ کر اس کی عزت افزائی کی۔

یہ معلوم ہوا ہے کہ Evangelical Churches میں سے ایک نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا منصوبہ بنا بھی رکھا ہے۔ صرف مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کو نہیں بلکہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو بھی بشمول سعودی عرب۔

نیویارک ٹائمز نے اپنی ۸ مئی ۲۰۰۳ کی اشاعت میں رپورٹ کیا۔ آج اپنی ملاقات میں عیسائی پیشواؤں نے پچھلے سال کے نقصان دہ اور غیر مفید، اسلام مخالف تبصرے کی مذمت کی لیکن ان رہنماؤں نے تبدیلی مذہب کے بارے میں اپنے عہد پر دوبارہ زور دیا اور پروٹسٹنٹ گروہ کے گرجاؤں کے عالمی کمیشن کو برا بھلا کہا جس نے مسلمانوں سے بے ضرر سا مکالمہ کیا جس سے نظریاتی اور سیاسی اختلافات کم ہوئے تھے۔ یہ ملاقات ایسے وقت ہوئی جب عیسائی پیشوا اس معاملے پر شدید طور پر منقسم تھے اور ہنوز ہیں کہ ان کی منزل مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی ہونی چاہیے یا انہیں (عیسائیت میں) تبدیل کرنے کی۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے کہ

Marfat.com

بعض بڑے عیسائی جیسے پادری Franklin Graham پادری Jerry Farwell اور Southern Baptist Converation کے سابق چیئرمین پادری Jerry Vines سرعام اسلام اور اس کے پیغمبرؐ کو فطرتاً برا اور متشدد کہتے رہے ہیں۔ پادری Billy Graham کے بیٹے اور ایک عالمی مشنری کے سربراہ پادری Rev Graham نے گزشتہ سال کہا کہ: ''اسلام ایک برا اور خراب مذہب ہے۔'' پادری Vines نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ایک مافوق الفطرت وجود'' قرار دیا۔ (معاذ اللہ)

جب PATRIOT کے ماتحت خفیہ ایجنسیوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ لائبریریوں میں دیکھیں کہ کون لوگ کس طرح کی کتابیں پڑھتے ہیں لیکن یقیناً انھیں ان جریدوں اور کتابوں کی جانچ پڑتال یا ان پر تنقیدی نظر ڈالنے کا کوئی قانونی اختیار نہیں تھا جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تضحیک آمیز مواد تھا مگر وہ بڑی مسرت اور خوش دلی سے ان کا مطالعہ کرتے تھے۔

اسلام کا طرزِ حیات اور اس کی فکر کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے اس پر اس باب میں آگے چل کر روشنی ڈالی جائے گی لیکن پیغمبرؐ اسلام کے خلاف اٹھنے والی مذموم اور ناپاک لہر کا جواب خود مغرب کے ان عظیم دانشوروں کے ہدیۂ ستائش اور اظہارِ عقیدت میں ملتا ہے جو انھوں نے حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا۔

Thomas Carlyle نے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ''سچائی کے پیکر محمدؐ ایک ایسی شخصیت تھے جس نے دنیا کو (اپنے وجود سے) منور کیا اور وہ انھیں ایک ہیرو پیغمبرؐ تصور کرتا ہے۔'' جب برنارڈ شا (Bernard Shaw) کو ایک ایسی ہستی کی تلاش ہوئی جو موجودہ دور کے بحران سے دنیا کو نجات دلائے تو اسے حضورؐ کے علاوہ کوئی ہستی نظر نہ آئی۔ میکائل ہارٹ (Michael Hart) یہ کہے بغیر نہ رہ سکا ''تاریخ میں محمدؐ وہ واحد فرد تھے جو مذہبی اور سیکولر دونوں سطح پر انتہائی کامیاب تھے۔ یہ حقائق اور مذہب کا غیر متوازی، عدیم المثال امتزاج تھا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیت بنایا ہے۔''

ایسا نہیں ہے کہ اسلام کے خلاف غم و غصہ صرف ان عیسائی پادریوں یا چند عیسائی انتہا پسندوں تک محدود ہے اور اس کا امریکہ کی قومی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اپنے آئین کے

Marfat.com

مطابق ایک سیکولر مملکت ہے۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ عیسائی پیشوا اپنے شدید اسلام مخالف غم و غصے اور رویے میں وہائٹ ہاؤس اور صدر بش کے کس قدر قریب ہیں۔ صدر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ "دوبارہ جنم لینے والے عیسائی" ہیں اور انھیں دائیں بازو کے عیسائیوں کی حمایت حاصل ہے جو ان کے حلقہ انتخاب کی زبردست قوت ہیں۔

Julian Borger نے گارجین نیوز سروس میں چھپنے والی اپنی تحریر (Dawn، ۴ جولائی ۲۰۰۴ء) میں صدر بش کے اس عہد و اقرار کا پردہ چاک کیا ہے جو انھوں نے عیسائی پادریوں کے عقاید اور مشن کے ساتھ کر رکھا ہے۔ Julian کہتا ہے: "صدر بش کی ذات میں یہ عیسائی پادری اپنا ہی ایک آدمی دیکھتے ہیں، وہ انھی کی زبان بولتا ہے۔ ان کے عقیدے کا تحفظ اور نجات کا تصور صدر بش کے اس ذاتی فیصلے میں منعکس ہے جب انھوں نے ۲۰ سال قبل شراب نوشی ترک کی اور مذہباً انھوں نے دوبارہ جنم لیا۔ صدر ریگن کے سیکولر وہائٹ ہاؤس کے برعکس بش کے وہائٹ ہاؤس کا دن عبادت اور بائبل کی تلاوت سے شروع ہوتا ہے۔ ایک معروف پادری جناب Bernsen بش کو ایک وفادار مذہبی عیسائی سمجھتے ہیں، جب وہ یہ کہتے ہیں "مجھے یہ یقین ہے کہ جارج بش نے اپنے اردگرد دائیں بازو کے خاصے لوگ جمع کر رکھے ہیں، میرے خیال میں وہ ایک مذہبی آدمی ہیں۔"

بڑے بڑے پروٹسٹنٹ گرجا گھر تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں ۲۰۰۰ عبادت گزاروں کی گنجائش ہے اور کل ملا کر ان کی تعداد ۳ ملین بنتی ہے۔ یہ بڑے گرجا گھر امریکہ کے مذہبی اور سیاسی نقشے کی تشہیر کر رہے ہیں۔ سیکولرازم کے رجحان کی مخالفت کر رہے ہیں۔

صدر بش کے انتخابی منصوبہ ساز Karl Rove نے عیسائی پادریوں کے ووٹ کو اپنے منصوبے کا مرکزی نقطہ بنایا تھا۔

تمام عیسائی پادریوں میں، پادری فرینکلن گراہم (Franklin Graham) کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ انھیں گڈ فرائیڈے کے مجمع سے خطاب کرنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ امریکہ کے مسلمانوں نے اس دعوت خطاب کے خلاف مستقل احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے پادری گراہم کے اسلام مخالف رویے اور متشدد بیانات پر مہر تصدیق سمجھی جائے گی۔ اس سے قبل یہی

Marfat.com

پادری گراہم (یا ان کے والد) تھے جنھوں نے صدر بش کی حلف برداری کی تقریب کو ایک مذہبی رسم بنانے کا شرف حاصل کیا تھا۔ محض ایک ہی موقع نہیں تھا جب صدر بش نے متشدد اسلام مخالف پادریوں کو اپنے ساتھ ملایا تھا اور امن کی سرپرستی کی تھی۔ بعد میں بش انتظامیہ نے اسلام کے شدید ترین مخالف شخص Daniel Pipes کا تقرر کیا جو اسلام اور مسلمانوں کی مذمت کرنے میں بدنام رہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے صدر بش کو مسجدوں کی کڑی نگرانی کرنے کا مشورہ دیا جو اس کے خیال میں دہشت گردی کی پرورش گاہ ہیں۔

انٹر پریس نیوز سروس میں شائع ہونے والی تحریر میں Jim Lobe کہتا ہے (Dawn، ۹ اپریل) ''Pipes نے حال میں یہ کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی منزل آخر اسلام کو جدید بنانا ہے۔ Pipes صدر بش کی طرف سے انسٹیٹیوٹ آف پیس (US Institute of Peace) کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں اپنے تقرر کے بعد رقوم کا مطالبہ کرتا رہا ہے تاکہ Islamic Progress Institute کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کا مقصد اسلام کو ایک جدید، معتدل اور امریکہ کا حمایتی مذہب بنانا ہو۔ وہ مزید زور دیتا ہے کہ ''امریکہ میں اسلام کو امریکی اسلام ہونا چاہیے، بصورتِ دیگر یہ امریکی سوسائٹی میں اپنی جگہ نہیں پا سکتا۔'' یہ ہے امریکہ کی مذہبی آزادی اور رواداری۔

Pipes اپنی کتاب ''Militant Islam Reaches Amrica'' میں سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اسلام مغرب کے لیے ایک خطرہ ہے۔ نہیں، وہ جواب دیتا ہے، ایسا نہیں ہے، مگر اسی سانس میں یہ بھی کہتا ہے کہ ''متحارب اسلام اپنے بہت سارے طور طریقوں سے ایسا ہے مگر اس حد تک کہ تقابلی طور پر دنیا میں مغرب کو اس سے کوئی اور خطرہ نہیں۔ متحارب اسلام سے اس کی مراد اسلامی شریعت کے نفاذ سے ہے جو کئی لحاظ سے جدید فکر وعمل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ متحارب اسلام ایک ایسے طرزِ زندگی کو محکم کرتا ہے جو مغربی اثرات، رواج، فلسفے، سیاسی اداروں اور اقدار کو مسترد کرتا ہے۔ اس طرح Pipes متحارب اسلام سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ وہ اسلام ہے جو تشدد اور دہشت گردی کو فروغ دیتا ہے بلکہ یہ وہ اسلام ہے جو اپنے ماننے والوں کو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ متحارب اسلام ایک قاتل ہے اور وہ

Marfat.com

یہ جاننا چاہتا ہے کہ مغرب اس کو بزور دبا کر رکھے۔ دوسرے معنی میں، اگر مسلمان اپنی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالیں تو وہ جدید طرز حیات کے لیے ایک چیلنج ہے اور مغربی تہذیب کے لیے ایک خطرہ، اس لیے تمام اسلامی ریاستیں بدمعاش ریاستیں ہیں اور ان سے اسی طرح نمٹنا چاہیے۔ Pipes مشرقِ وسطیٰ کمیٹی (Middle East Committee) کا ڈائریکٹر ہے اور بہت سارے اخبارات اور جرائد کا کالم نگار بھی ہے۔ اس نے اسٹیٹ اور ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ میں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ بیرونی وظائف کے صدر کے مقرر کردہ Fulbright Board کا وائس چیئرمین ہے۔ اس نے چار صدارتی مہموں میں بھی کام کیا ہے۔ اس طرح وہ امریکہ کی پالیسی سازی میں خاصا اثر رکھتا ہے۔

حال ہی میں (۳ نومبر ۲۰۰۳ء) لیفٹیننٹ جنرل Boykin جسے پینٹا گون میں ایک اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے، کے بارے میں یہ خبر آئی ہے کہ اس نے اللہ کے بارے میں تحقیر آمیز بات کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خدا نہیں ہے بلکہ وہ محض ایک بت ہے جبکہ عیسائیوں کا خدا اصل خدا ہے اور وہ مسلمانوں کے خدا سے بڑا ہے، اس کے باوجود وہ پینٹا گون میں اپنے عہدے پر بدستور کام کر رہا ہے۔

Sidney Blumenthal نے واشنگٹن سے اپنی ایک تحریر میں جس کی تشہیر Guardian and Service (Dawn، ۲۱ مئی ۲۰۰۴ء) سے ہوئی، یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ دفاع اور خفیہ اطلاعات کے محکمے کے نائب وزیر General Boykin عیسائیت کے احیاء کی تبلیغ میں پابندی سے شرکت کرتا رہا ہے جس میں یہ کہا جا رہا ہے کہ امریکہ ایک مقدس جنگ، عیسائی قوم کی حیثیت سے شیطان کے خلاف لڑ رہا ہے۔ وزیر دفاع رمزفیلڈ نے جنرل کی ان خرافات کا یہ کہہ کر دفاع کیا ہے کہ ''وہ ایک شہری کی حیثیت سے اپنا حق استعمال کر رہا ہے۔ ہم ایک آزاد قوم ہیں۔'' صدر بش نے ان بکواس سے یوں قطع نظر کیا ہے کہ یہ ان کا یا ان کی انتظامیہ کا نقطۂ نظر نہیں ہے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ پبلک ڈپلومیسی کے بش کے مقررہ کمیشن کے مطابق ۹ مسلمان ممالک میں صرف ۲ فی صد لوگ یقین کرتے ہیں کہ امریکہ عرب اسلام کی اقدار کی توقیر کرتا ہے۔ Boykin کا نہ تو تبادلہ ہوا نہ اسے پینٹا گون سے ہٹایا گیا، کیونکہ وہ ایک بڑے خفیہ مشن

Marfat.com

پر مامور ہے جس کا مقصد ابوغریب جیل کو گوانتانامو بنانا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے میجر جنرل Geoffrey Miller سے ملاقات کی جو گوانتانامو کے ایکسرے (X-Ray) کیمپ کا انچارج تھا اور اس سے کہا کہ وہ عراق جائے اور وہاں کے قیدیوں پر بھی اس ایکسرے سسٹم کے طریقے کا نفاذ کرے۔ Boykin کے بارے میں یہ خبر آئی ہے کہ پچھلے سال (۲۰۰۳ء) میں اس نے پادریوں کے ایک جلسے میں کہا کہ اندرونی طور پر وہ انتہائی حیرت زدہ ہے کہ جنگجوؤں سے اس کی جنگ نیکی اور بدی کے درمیان ہے۔ اصل خدا اور جھوٹے خدا کے درمیان ہے۔ ''میں جانتا ہوں کہ میرا خدا اصلی خدا ہے اور ان کا باطل'' اور یہ کتنی انوکھی بات ہے کہ اصلی خدا کے پجاریوں میں کچھ لوگ ابوغریب جیل میں ظلم و بربریت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ ایمہرسٹ (Amherst) کی University of Massachuselts میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ایمریٹس انور سعید نے Dawn کی ۲۳ (؟) ۲۰۰۴ کی اشاعت میں اپنی ایک تحریر میں روشنی ڈالی ہے کہ امریکہ کے حکومتی اداروں میں کس طرح عیسائی پادریوں کا عمل دخل بڑھ رہا ہے۔

خطرناک بات یہ ہے کہ جنرل Boykin ایک اکیلا یا مستثنیٰ شخص نہیں ہے بلکہ ان طاقتور امریکیوں پر اثر و رسوخ رکھتا ہے جو امریکہ کے مستقبل کی صورت گری کر رہے ہیں۔ اس طرح کے عیسائی مذہبی اور بنیاد پرست لوگ اپنی فیصلہ کن طاقت کا اثر نہ صرف امریکی انتظامیہ پر رکھتے ہیں بلکہ امریکی کانگریس پر بھی جہاں امریکی سینٹ کے ۴۰ سے زیادہ اور ایوانِ نمائندگان کے تقریباً ۷۰ ارکان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ان مذہبی انتہا پسندوں اور اسلام مخالف تنظیموں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ ختم ہونے والی دشنام طرازی کی تازہ ترین مثال میرین کارپس کمانڈر Gen. James Mathis کا وہ غم و غصہ ہے جو اس نے انتہائی استہزائی انداز میں یوں نکالا ہے ''حقیقت میں لڑنا ایک اچھا کھیل ہے، لوگوں کو مارنا خوب مشغلہ ہے۔'' مقصد افغانستان اور عراق کے لوگ ہیں، اس نے امریکہ کے مسلمانوں کو سخت برہم کیا، لیکن لاحاصل۔

اگار جین نیوز سروس کی ستمبر ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں مسلمانوں کے خلاف منافرت کے بارے میں اپنی ایک تحریر میں عراق میں اقوام متحدہ مشن کے ترجمان Salim Lone نے روشنی ڈالی ہے

Marfat.com

کہ کس طرح اسلام کو ایک مذہب کے طور پر بدنام کیا جارہا ہے اور اسے دہشت گردی کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ Lone نے وضاحت کی ہے کہ امریکی نشریات کا مرکزی نیٹ ورک مسلمانوں کے خلاف شدید کارروائی کی تبلیغ کرتا ہے، دہشت گردی کو ختم کرنے کے پردے میں۔ اب اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ مغرب میں جب بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہو، منتخب مساجد کو بم سے اڑا دیا جائے۔ حال ہی میں ایک مصنف Oriana Fallace نے کہا ہے کہ مسلمان انتہا پسندوں اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے باوجود پوپ Benedict نے اسے شرف باریابی بخشا۔ Tory Star جہادی اسلام کو ۱۹۳۰ء کی دہائی میں نازی خطرے کے مماثل سمجھتا ہے۔ بش اور بلیئر عیسائیوں کی ثقافتی اقدار کو مسلمان جنگجوؤں کی بربریت کے مقابلے میں ممتاز کہتے آئے ہیں۔ Seumas Milne نے گارجین نیوز سروس کی ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں برطانوی وزیر داخلہ کے اس بیان پر روشنی ڈالی ہے جو اس نے واشنگٹن میں اور جس میں اس نے اا ستمبر کے کمیشن کی رپورٹ سے کہیں آگے بڑھ کر اسلام کے خلاف مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اسوۂ رسولؐ اور اسلامی شریعت کے عالمی نفاذ کو کبھی آگے بڑھنے نہیں دے گا۔

عیسائیوں کا دنیا کے ختم ہوجانے کا تصور و یقین یہ ہے کہ حضرتِ عیسیٰ کا ورو قیامت کے نزدیک ہوگا اور یہ کہ وہ اس وقت تک دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے جب تک یہودی ارض بائبل پر پھر قابض اور حکمران نہ ہوجائیں، یعنی دریائے عرفات اور دریائے نیل کے درمیان کے علاقوں پر۔ بنیاد پرست عیسائی اپنے مذہبی عقیدے کے طور پر ارض بائبل پر یہودیوں کے قبضے کی آرزو رکھتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ محکم طور پر یہودیوں کے قبضے کے ساتھ ہیں نہ صرف فلسطین، مغربی کنارے اور غزہ پر بلکہ عظیم تر اسرائیل کے منصوبے پر جس میں مصر کے بعض علاقے، شام، اُردن، عراق اور مدینہ منورہ شامل رہے ہیں جو آخرکار مسلمانوں کو ان ممالک سے نکالنے یا انھیں غلام بنانے اور مدینہ منورہ میں اسلام کی دوسری سب سے مقدس عبادت گاہ کی بے حرمتی پر منتج ہوگا۔

امریکہ کے مرد و خواتین کی ایک بڑی تعداد جو فیصلہ کن اختیارات کے مالک ہیں حضرت مسیحؑ کے ورود اور اس کے بعد رونما ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس بڑے امریکی گروہ میں صدر بش بھی

Marfat.com

شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، نائب صدر ڈک چینی ان کے چیف آف سٹاف Lewis Libby، اٹارنی جنرل Johan Ashcroft، ایوانِ نمائندگان کے قائد اکثریت Thomas Delay، دفاع کے ڈپٹی سیکریٹری Paul Wolfowitz ان کے نائب Douglas Feith اور قومی سلامتی کونسل کے Eliot Abramas وہ چند وزراء ہیں جو عیسائی مذہبی بنیاد پرستوں کے اس طاقتور گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یورپی یونین میں دس نئے شرکاء کی شمولیت پر پوپ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا ''یہ بلاک اکیسویں صدی کے چیلنج کا تب ہی مقابلہ کرسکتا ہے جب یہ اپنی عیسائی بنیادوں کا دفاع کرے۔ عیسائیت کے بغیر یوری یونین کی شناخت ناقابل فہم ہے۔'' اس طرح پوپ نے خفیہ طور پر حضرت مسیحؑ کے دوبارہ ظاہر ہونے پر عیسائی عقاید کے تسلط کا عندیہ دے دیا ہے ...... لیکن اس سے پہلے یہودیوں کا ارض بائبل پر دوبارہ قبضہ ...... وہ سرزمین جو دریائے فرات اور دریائے نیل کے درمیان واقع ہے اور جس میں صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ عراق، شام، اُردن اور مصر شامل ہیں۔ پوپ نے ساتھ ساتھ صلیبی جنگ اور عیسائیت کے دوبارہ پھیلنے کی بھی بات کرڈالی ہے، یوں اس نے صدیوں پرانی اس آگ کو بھڑکانے کی بھی کوشش کی ہے جو عیسائیت اور اسلام کے درمیان شعلہ فشاں تھی، جس کے بارے میں Huntington نے پیش گوئی کی ہے کہ یہ موجودہ صدی میں کہیں زیادہ پُرتشدد ہوگی۔

نیوز ویک اپنی ۳ مئی ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ فرانس کے صدر شراک ایک طرف تو اس قدر سخت سیکولر ہیں کہ اسکول کی مسلمان طالبات کو حجاب کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے کہ یہ ایک خاص مذہب کی علامت ہے، لیکن دوسری طرف یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت پر اس بنا پر مخالفت کرتے ہیں کہ اس سے یورپی مذہب متاثر ہوگا۔ جریدہ مزید کہتا ہے کہ یورپ کو خدشہ ہے کہ ترکی کی شمولیت یورپ کی عیسائی شناخت کو ہمیشہ کے لیے ختم کردے گی۔ یورپین کی بڑھتی ہوئی تعداد یہ کہتی ہے کہ ترکی کی اس تنظیم میں شامل ہونے سے یورپ کی ثقافتی اور سیاسی تصویر بدل جائے گی۔

۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ میں اسلام کے خلاف تعصب اور منافرت زیادہ شدید ہوگئے ہیں۔ امریکن اسلامک ریلیشنز کی کونسل (The Council of American Islamic Relations)

Marfat.com

نے اپنی ۲۰۰۳ء کی سالانہ رپورٹ میں یہ کہا ہے کہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جرائم پچھلے برسوں کے مقابلے میں بڑھ گئے ہیں۔ سال ۲۰۰۳ء میں مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے اور ان کے ساتھ تفریق کرنے کے ۲۰۰۳ واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔

۱۷ فروری ۲۰۰۵ء کے لگ بھگ نیو جرسی میں مسلم تنظیم کی طرف سے بلائی گئی ناشتے کی ایک نشست میں جس میں بعض قانون سازوں اور مسلم یونین کے چیرمین نے شرکت کی، کہا گیا کہ ''۱۱ ستمبر کے حملے کے تین سال بعد بھی مسلمان اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ امریکہ کا مسلم معاشرہ اس سے قبل خود کو اتنا غیر محفوظ اور خوف زدہ نہیں محسوس کرتا تھا جس کا سبب وہ تفریق اور عدم برداشت ہے جو نسلی اور مذہبی امتیاز کی بنیاد پر ان سے پوچھ گچھ، ان کی حراست اور ان کے فلاحی اداروں کی بندش کے طور پر مسلمانوں سے روا رکھی جا رہی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان تمام حملوں کا جواب ایک مسلسل جہاد اور اللہ کی نصرت پر کامل یقین سے دیا جاسکتا ہے، نہ کہ روشن خیال اعتدال پسندی سے جو ہتھیار ڈالنے کا ایک دوسرا نام ہے۔

صدر بش اپنے مذہبی رجحان اور مذہب کے ساتھ اپنے عہد و اقرار کو بالکل ڈھکا چھپا نہیں رکھتے جب وہ برملا اور فخریہ کہتے ہیں کہ ''خدا نے مجھے کہا ہے کہ ''القاعدہ'' پر حملہ کروں، وہ میں نے کیا، پھر خدا نے مجھے ''عراق'' پر حملہ کرنے کی ہدایت کی جس پر اس نے عمل کیا اور اب میں ''مشرقِ وسطیٰ'' کے مسئلے کو حل کرنے کا عزم کیے ہوئے ہوں۔''

اگر صدر بش نے القاعدہ اور صدام کے خلاف خدا کے حکم کے مطابق عمل کیا تو پھر یہ کیوں ہوا کہ ساڑھے تین سال سے زیادہ مدت کی تلاش بسیار کے باوجود وہ اسامہ اور ملا عمر کو پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور پھر یہ کیوں ہوا کہ عراق میں تباہ کن ہتھیاروں کی موجودگی کے بارے میں ان کی تمام تر پیشگوئی اور پیشین گوئی، عراقی حریت پسندوں کی امریکی افواج کا خیر مقدم، صدام کا القاعدہ سے تعلق..... سب کچھ صریح جھوٹ ثابت ہوا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی سالانہ رپورٹ میں نہ صرف امریکہ بلکہ ان کے حلیفوں کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بارے میں یہ کہتے ہوئے ان کی کہانیاں مروڑی ہیں کہ ''یہ بصیرت کا دیوالیہ پن اور اصولوں سے انحراف ہے'' اور اس نے امریکہ اور دوسرے ممالک کو انسانی حقوق کی پامالی کے اسباب فراہم کیے ہیں۔

Marfat.com

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صدر بش عراق میں ایک کے بعد دوسری ناکامی کے سبب اخلاقی طور پر بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں اور کیا کہیں۔ صدر بش اپنی ایک حالیہ عالمی طور پر ٹیلی کاسٹ کی ہوئی تقریر میں ''ابو غریب'' جیل کا تلفظ کرتے ہوئے بری طرح الجھ گئے۔ پہلے انھوں نے اس لفظ کو ''ابوگرائب'' کہا پھر اسے ''ابوگرون'' اور آخر میں ''ابوگراہ'' کہہ دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں اور بری طرح گھبراہٹ کا شکار ہیں۔ ملک کی رائے عامہ میں بڑھتی ہوئی نامقبولیت نے صدر بش کو حواس باختہ کردیا ہے اور وہ عراق پر حملے کا نیا جواز تلاش کرنے میں بری طرح پریشان ہیں اور یہ جواز انھوں نے اکتوبر ۲۰۰۵ء میں واشنگٹن میں National Endowment Democracy سے خطاب کرتے ہوئے یوں تلاش کیا کہ مسلم جہادیوں کی زبردست کوشش ہے کہ '' وہ اسپین سے انڈونیشیا تک انتہا پسند اسلامی بادشاہت قائم کریں۔'' اس سے غالباً ان کا مقصد یورپ اور ہندوستان کو مسلم جہادیوں سے خوف زدہ کرنا اور ان کے خلاف تنفر پیدا کرنا ہے اور یورپ و ہندوستان کو امریکی قیادت میں مسلمان جہادیوں کے خلاف پوری دنیا میں جنگ کے لیے متحد کرنا ہے۔ حالانکہ کسی مسلم جہادی نے نہ ہی اسامہ نے اسپین یا کسی بھی غیر مسلم ملک پر دعویٰ کیا ہے۔ بہرکیف، اس حقیقت پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے کہ مسلم امہ ضرور یہ چاہے گی کہ وہ اسلام کے جھنڈے تلے ساری دنیا میں متحد ہو جائے۔ اگر یورپی یونین ایک عیسائی کلب بن سکتی ہے اور اس سبب سے ترکی کو یونین میں شامل نہیں کرسکتی کہ کہیں اس کے یورپی عیسائی کلچر پر ضرب نہ آجائے اور جب خود امریکہ پورے جنوبی امریکہ کو عظیم امریکی یونین کا عقبی صحن سمجھتا ہے تو کوئی قیامت برپا نہیں ہو جائے گی اگر دنیا کے سارے مسلمان اسلام کے پرچم تلے اکٹھا ہو جائیں۔

نومبر یا دسمبر ۲۰۰۳ء میں عراق میں قرآنِ کریم کے ایک نسخے کو جو ایک عورت اپنے ہینڈ بیگ میں رکھے ہوئے تھی اور جسے وہ ایک کتے سے سونگھے جانے پر آمادہ نہیں تھی، اس سے ایک امریکی فوجی نے چھین کر زمین پر پھینک دیا۔

گوانٹانامو میں قرآنِ پاک کی بے حرمتی کا دل خراش واقعہ جس پر پوری مسلم دنیا نے شدید احتجاج کیا، نہ تو کوئی ایک علیحدہ واقعہ ہے اور نہ ہی امریکی طرزِ زندگی کی غلط روی کی ایک مثال بلکہ یہ

Marfat.com

اس مہم کا حصہ ہے جو اسلام کی تضحیک کے لیے قرآنِ پاک کی بے حرمتی کی صورت میں چلائی جارہی ہے۔ خصوصی طور پر ۱۱ ستمبر کے بعد ایک امریکی مسلم خاتون نے Amazon & Co کو قرآنِ پاک کے ایک نسخے کا آرڈر دیا جو اسے مل گیا مگر قرآنِ پاک کے صفحات کے درمیان چھپے ہوئے ایک رقعے کے ساتھ جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو سخت دھمکی دی گئی تھی۔ اس کے بعد بھی جیسا کہ نیوز ویک نے رپورٹ کیا ہے گوانٹانامو جیل میں جہاں مسلمان مقید ہیں، قرآنِ پاک کی بے حرمتی کی گئی۔

اسی ہفتہ وار نے اپنی ۳۰ مئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں قرآنِ پاک کی بے حرمتی کے واقعات کو بیان کیا جس کا پینٹاگون نے انکار کیا تھا اور اس الزام پر اپنی پوزیشن بدلتا رہا تھا۔ لیکن ان اسباب کو جن کو ہفتہ وار نے بعد میں چھپانے کی کوشش کی، امریکی انتظامیہ کے جرم کو کہیں زیادہ واضح اور قابل یقین بنادیا ہے۔ اس ہفتہ وار کا چیرمین اور ایڈیٹر انچیف رچرڈ۔ ایم۔ سمتھ (Richard M.Smith) کہتا ہے کہ: ''تجربہ کار اور جہاں دیدہ رپورٹر Michael Isi Koff نے حکومت کے ایک باوثوق اور معتبر ذریعے کو اپنی رپورٹ کی بنیاد بنایا تھا۔ ہم نے ایک فوجی ترجمان سے تبصرہ چاہا (اس نے انکار کردیا) اور سارے واقعات ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر کے سامنے پیش کردیے، جس نے واقعے کے ایک حصے سے اختلاف کیا۔ (جسے ہم نے تبدیل کردیا) اور اس نے قرآنِ پاک کی بے حرمتی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اگر وہ الزام پر اعتراض کرتے تو مجھے یقین ہے کہ ہم شروع ہی میں اس پر نظرِ ثانی کرلیتے لیکن غلطی سے ہم نے افسر کی خاموشی کو اس کا اقرار سمجھا۔''

ہفتہ وار Quran Questions کے عنوان سے ایک دوسرے مضمون میں لکھتا ہے: ''ریڈ کراس کی انٹرنیشنل کمیٹی نے گوانٹانامو میں ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۳ء میں قرآن کی بے حرمتی کے بارے میں خفیہ رپورٹیں پینٹاگون کو پیش کی تھیں۔ Simon Schorono اور ICRC کے ترجمان نے کہا کہ اس نے ریڈ کراس کو کئی ایسے واقعات بتائے جو اس کے نزدیک مصدقہ تھے۔ آئی سی آرسی (ICRC) نے تین ایسے مخصوص واقعات کی نشان دہی کی جس میں فوجی پہرہ داروں نے قرآن کی توہین کی تھی۔ ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان Di Rita نے ان الزامات پر کوئی تبصرہ اس کے سوا نہ کیا کہ Gitmo کمانڈرز ICRC کی رپورٹوں پر پابندی سے غور کرتے رہتے ہیں جن میں یہ رپورٹیں بھی شامل ہیں لیکن اس کا انھوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا...... جبکہ ان الزامات کے متعلق

Marfat.com

ایک رہا کیے ہوئے برطانوی قیدی نے ایک مقدمے میں یہ دعویٰ کیا کہ فوجی پہرہ دار قرآن کے اوراق کو ٹوائلٹ میں پھینک دیتے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی انتظامیہ کے اہل کاروں کی، قرآن کے ساتھ بے حرمتی، ایک پوری طرح سوچا سمجھا منصوبہ ہے، اسلام کے خلاف جنگ کا۔

جنوری ۲۰۰۴ء کا واقعہ ہے کہ امریکی فوجی بغداد کی ایک مسجد میں جوتا پہنے ہوئے گھس گئے، نمازیوں کو زدوکوب کیا اور مسجد کے کمپیوٹرز اور چندے کا ڈبہ اٹھا کر لے گئے۔

امریکی فوجی عراق میں لوگوں کے گھروں میں ایسے اوقات میں گھس جاتے تھے جب گھروں کی خواتین پوری طرح ستر پوش نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ان خواتین کی تلاش لیتے، ان کو چھیڑتے اور ان کے شب خوابی کے لباس کے اندر جھانکتے۔

Foreign Affairs کے مارچ / اپریل ۲۰۰۲ء کے شمارے میں Graham E.Fuller نے اپنے مضمون سیاسی اسلام (Political Islam) میں امریکہ کے اسلام کے ماننے والوں کو الگ تھلگ کرنے کے بارے میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے:

''سادہ سی حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اسلام کی واضح طور پر یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی رُو سے قرآن اور حدیث کو ایک مسلم معاشرے کی تعمیر میں کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہی مضبوط ترین نظریہ چلا آرہا ہے۔ مسلمان آج کے عالمی طرزِ زندگی کو اپنے اور اپنے مفاد کے خلاف ڈرامائی طور پر بنایا گیا ایک ناہموار طریقۂ زندگی سمجھتے ہیں۔ جس کا مقصد طاقت کے بل بوتے پر دوسروں پر حکمرانی کرنا ہے۔ انھیں شدت سے یہ احساس ہے کہ سیاسی دنیا میں انھیں ضعیف و کمزور سمجھا جاتا ہے۔ مسلم حکمران واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے اپنے محافظوں کے خلاف زبان کھولنے سے ڈرتے ہیں۔ مسلم عوام اپنی ریاستوں میں پالیسی سازی میں اپنا کوئی کردار نہیں دیکھتے۔ وہ غلط رو حکمرانوں کو تبدیل نہیں کر سکتے اور ان کے خلاف اظہارِ رائے پر انھیں (عوام کو) سزا دی جاتی ہے، کبھی کبھی انتہائی ظالمانہ انداز میں۔ یہ ہے مشرقِ وسطیٰ کا ''استحکام'' جس پر امریکہ مطمئن اور مسرور نظر آتا ہے۔ ان حالات میں اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ مایوس و محروم لوگ دہشت گردی کے خلاف موجودہ جنگ کو عملاً اسلام کے خلاف جنگ

Marfat.com

سمجھتے ہیں۔ مسلمان ممالک ہی اصلی ہدف ہیں۔ ہر جگہ مسلمان ہی تفتیش اور پولیس کی نگاہوں کا نشانہ بنتے ہیں اور امریکی طاقت تمام خطے میں اسی پالیسی پر عمل پیرا ہے، مسلمانوں کی گہری تشویش کی پروا کیے بغیر بدی کا چکر چل رہا ہے۔ بے اطمینانی نے حکومت کے خلاف ردِّعمل پیدا کیا ہے جس کو دبانے کے لیے حکومت جبر سے کام لیتی ہے جس کے نتیجے میں دہشت گردی جنم لیتی ہے جس کے خلاف امریکہ کی فوجی مداخلت بے چینی اور بے اطمینانی کو مزید بڑھاتی ہے۔ سیموئل ہنٹنگٹن کا ''تہذیبوں کے ٹکراؤ کا نظریہ'' مسلمانوں پر واضح ہو چکا ہے۔ اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کی تحریک مغرب کی ثقافتی یلغار کے خلاف لوگوں کا خود کو مضبوط کرنے کا ارادہ و جدوجہد اور ایک شناخت کے طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔ اسلام اور اسلام کے پیروکاروں میں موجودہ جغرافیائی اور سیاسی جدوجہد میں خود کو متحد کرنے کا جذبہ زور پکڑ رہا ہے۔ لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تشویش کا سدباب کرے نہ کہ انھیں محض ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں الجھائے رکھے۔''

ہفتہ وار ٹائم نے اپنی ۲۲ دسمبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ مقبوضہ عراق میں کیا ہو رہا ہے۔ جریدے کے مطابق شراب نوشی اور عصمت فروشی جس پر صدام کے دور میں سخت پابندی تھی وہ قابض فوجوں کی سرپرستی میں دوبارہ پھل پھول رہی ہے۔ مضمون میں کہا گیا ہے کہ صدام کی حکومت میں شراب کی چند دوکانوں کے سوا جہاں شراب نوشی کی اجازت تھی، یہ سختی سے ممنوع تھی۔ عصمت فروشی پر اتنی سخت قانونی گرفت تھی کہ ایک طوائف کا اقبال جرم پر سر قلم کر دیا گیا تھا۔ کرنل کے عہدے کے ایک اعلیٰ عراقی پولیس افسر کا بیان ہے کہ جب پولیس نے طوائفوں کی ایک بڑی تعداد کو گرفتار کیا تو قابض فوجی پولیس نے انھیں رہا کرا دیا۔ عراقی عوام فحاشی کی اتنی عادی ہو گئی ہے کہ سینما ہال میں جب بھی کوئی غیر فحش منظر سامنے آتا ہے تو وہ شور مچانے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے ذریعے کے مطابق افغانستان میں طالبان کے نکالے جانے کے بعد افغان حکومت نے ہندوستانی فلمی گانے اور عریاں فلموں کی اس قدر سرپرستی کی کہ لوگوں میں غم و غصے کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور ٹی وی حکام کو یہ پروگرام بند کرنا پڑا، جس پر افغان حکومت کے متعلقہ وزیر کو

Marfat.com

سخت رنج ہوا۔ کویت میں بھی امریکہ کے عملاً قبضے کے بعد نائٹ کلب اور کسینوز چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ دسمبر ۲۰۰۳ء کے ہفتہ وار ٹائم نے مزید رپورٹ کیا ہے کہ عراق کے لوگ پیچ و تاب کھاتے رہتے ہیں کہ امریکی قابض فوج نے شراب نوشی اور عصمت فروشی کی ہمت افزائی کر کے معاشرے کو گندہ کر دیا ہے۔

امریکی دباؤ میں تعلیمی نظام کو، ابتداً مشرقِ وسطیٰ سے، غیر اسلامی بنانے کا آغاز ہو چکا ہے اور نصاب کی کتابوں سے جہاد، قتال، شہادت، عیسائیت، یہودیت، وغیرہ کے تمام حوالے نکالے جا رہے ہیں تاکہ طلباء ان حوالوں سے متاثر ہو کر اسلام کے لیے ہتھیار نہ اٹھالیں۔ اے ایف پی کی ۲۲ جنوری ۲۰۰۴ء کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''ایک حکومتی اجلاس میں فرانس کے Mr. Villepin نے کابینہ کے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ حجاب کے خلاف قانون بنیادی طور پر سرکاری اسکولوں میں مسلمان لڑکیوں کے حجاب کے استعمال کو روکنا ہے۔'' پاکستان ٹیلی ویژن کی ۲۹ جنوری ۲۰۰۴ء کی ایک خبر کے مطابق سعودی عرب کے سولہ سفارت کاروں کو امریکہ سے نکل جانے کو کہا گیا کیونکہ وہ اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔

ایک معتبر ذریعے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب پر امریکی دباؤ ہے کہ وہ شہر مکہ کو شیعوں کے لیے کھول دے قرآن پاک میں اللہ کے احکامات کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے۔

اسلام کے قلعہ سعودی عرب میں وزارتِ تعلیم اس کام میں مصروف ہے کہ مدرسے کے نصاب سے ایسے تمام مواد نکال دیئے جائیں جو مسلم نوجوانوں میں جہاد، قتال اور شہادت کے جذبات ابھارنے کا باعث بنتے ہوں۔ اس کے جواب میں کم از کم ۱۵۰ ججوں، دانشوروں، مذہبی رہنماؤں، یونی ورسٹی کے اساتذہ وغیرہ نے حکومت کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا۔ اسی طرح کی کوششیں امریکہ کے دباؤ پر کویت اور اردن میں بھی کی جا رہی ہے۔ وہاں بھی ملک کے دانشوروں اور مذہبی رہنماؤں نے اس کی سخت مخالفت کی ہے۔ پاکستان میں مدرسے اور دینی درسگاہیں حکومت کے کنٹرول میں لائی جا رہی ہیں اور اس سلسلے میں مدرسہ آرڈی ننس منظور ہو چکا ہے۔

یوں نصابی کتابوں سے جہاد، قتال اور شہادت کے حوالوں کو امریکی دباؤ میں آ کر ختم کر کے اسلام مخالف کارروائیاں کی جا رہی ہیں جو قرآن کی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی ہے کیونکہ جہاد

Marfat.com

مسلمانوں کے لیے ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ’’سچا مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ شہادت کی تمنا کرے اور جس دن مسلمانوں نے جہاد کو ترک کر دیا، وہ دن ان کی ذلت و رسوائی کا دن ہوگا۔‘‘

مارچ ۲۰۰۴ء میں امریکی وزیر خارجہ نے ’’خارجہ تعلقات کی کمیٹی‘‘ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی مذہبی درسگاہیں دہشت گردی کی آماج گاہ بن گئی ہیں اور امریکہ اس مسئلے سے نپٹنے کے لیے مشرف اور دوسرے مسلم سربراہانِ مملکت سے رابطے میں ہے۔

ایک دوسرے موقع پر بش کی سلامتی کی مشیر کونڈ ولیزا رائس (اب وزیر خارجہ) اس بیان کے ساتھ سامنے آئی کہ مسلمان ممالک بشمول پاکستان کے نظام تعلیم کو درست کرنے کے لیے ان ممالک کے سربراہوں سے صلاح و مشورے ہو رہے ہیں۔ ایک اور موقع پر انھوں نے مزید آگے بڑھ کر کھل کر یہ بات کی کہ پاکستان کے نظامِ تعلیم کو امریکہ کی ہدایت کے مطابق از سرِ نو مرتب کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں امریکہ کے معروف تھنک ٹینک RAND Corp نے اپنی ایک رپورٹ میں امریکی انتظامیہ پر زور دیا ہے کہ بنیاد پرست مسلمان جو مغربی تہذیب کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اپنی ان اقدار کو عزیز رکھتے ہیں جو مغربی تہذیب سے متصادم ہیں وہ مغرب کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

کونڈ ولیزا رائس کا یہ بیان کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم ان کی ہدایت پر از سرِ نو مرتب کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کی خود مختاری کا کھلم کھلا مذاق اڑاتا ہے۔ اسی طرح RAND Corp کی امریکی انتظامیہ کو یہ سفارشات کہ وہ مسلمان جو اپنے تصورات اور اپنی اقدار پر جمے ہوئے ہیں اور جو مغربی تہذیب سے متصادم ہیں انھیں مغرب کا دشمن سمجھا جائے گویا یہ عمل مسلمانوں کے مذہب اور ان کی تہذیب کو اپنے تابع کرنے کی ایک کوشش ہے۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ مسلم حکمرانوں کے تعاون سے مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے اور انھیں مکمل طور پر اپنی اقدار اور اپنے مفاد کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ جیسا کہ لندن کے Impact نے بالکل صحیح نشاندہی کی ہے کہ ’’امریکہ اسلام کے بغیر ایک مسلم دنیا چاہتا ہے۔‘‘

لیکن پردہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ امریکہ نے بالکل آخر وقت میں یہ کوشش کی کہ ’’اسلامی

Marfat.com

جمہوریہ افغانستان'' سے لفظ ''اسلامی'' حذف کردیا جائے لیکن لوئی جرگہ (Grand Assem-bly) نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کردیا کہ یہ ایک کافرانہ عمل ہوگا۔

اپنی دسمبر ۲۰۰۳ء کی ایک اشاعت میں Dawn نے رپورٹ کیا ہے کہ صرف ایک ہفتہ قبل برطانیہ کی وزارتِ خارجہ نے پہلی بار اپنی پالیسی کے مقاصد کی ایک فہرست شایع کی ہے جس میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کو سرفہرست رکھا گیا ہے اور اس سے زیادہ اہم یہ کہ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ آیندہ دس برسوں میں تضادات کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور یہ کہ بیسویں صدی کی مارکیٹ اکانومی اور مارکسزم کے درمیان نظریاتی جنگ کی جگہ یورپ میں مذہبی جنگ فروغ پائے گی۔ وزارتِ خارجہ نے مذہبی جنگ کے نظریے کی توضیح کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تصورات کے ممکنہ تضادم جس سے اکیسویں صدی کے اوائل میں برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کو سابقہ پڑے گا، وہ مذہب اور تہذیب کی بنیاد پر ہوں گے۔ اس رپورٹ میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ ''مذہبی عقاید بین الاقوامی تعلقات میں ایک ترغیبی قوت کے طور پر دوبارہ سامنے آرہے ہیں اور کبھی کبھی یہ سیاسی مقاصد کا لبادہ بھی اوڑھ لیتے ہیں۔ مذہب ایک ترغیبی قوت کے طور پر مغربی ممالک اور بعض مسلمان ممالک یا گروہوں کے درمیان تعلقات پر اثر انداز ہوگا۔''

اس طرح گویا حکومت برطانیہ نے ہنٹنگٹن (Huntington) کے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) کے نظریے کو اس کے تمام تر دوررس نتائج کے ساتھ اپنالیا ہے۔ یہ بات یاد دلائی جاسکتی ہے کہ Huntington نے اپنے ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نظریے میں پیشین گوئی کی ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے درمیان صدیوں پرانی کشمکش مستقبل میں اور زیادہ متشدد ہوجائے گی۔ فروری کے نیویارک ٹائمز نے اے ایف پی کی رپورٹ شائع کی ہے کہ صدر بش کس طرح خفیہ طور پر مسلم ریاستوں اور معاشرے کو سیکولر بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس سوال پر کہ کیا ان کو اس پر تشویش ہے کہ کہیں عراق کے پڑوسی جمہوریت کی بنیادیں نہ کھوکھلی کردیں، صدر بش نے کہا ''مجھے ہرگز ایسی توقع نہیں، بلکہ آپ پڑوسیوں میں ترکی کو دیکھیں کہ وہ ایک آزاد اور سیکولر سوسائٹی کو نقصان پہنچانے کے خلاف خاصا مضبوط ہے۔ ساتھ ساتھ وہ اسلام کا احترام بھی کرتا ہے۔ دوسرا ملک پاکستان ہے جو ایک آزاد سوسائٹی اور متحرک پارلیمنٹ کی طرف

Marfat.com

ارتقائی مراحل طے کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ اسلام کو عزت کا مقام بھی دیتا ہے۔'' بین السطور پڑھا جائے تو صدر بش کی یہ خواہش ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پاکستان میں بھی ترکی جیسی آزاد اور سیکولر سوسائٹی کا عروج چاہتے ہیں جبکہ دونوں ممالک میں اسلام کا انفرادی عقیدے کی حیثیت سے احترام ہونا چاہیے۔ پاکستان کس طرح ترکی کو ماڈل بناتے ہوئے ایک ''آزاد سیکولر سوسائٹی'' میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ ترکی کے برعکس دستوری طور پر اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وجود ہی اس بنیاد پر قائم ہے کہ یہاں ''مسلمان اپنی زندگی قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مطابق بسر کرسکیں۔'' صدر بش یہ مشورہ ہندوستان کو کیوں نہیں دیتے جہاں کل تک اکثریتی حکومتی پارٹی ہندوتو کے نظریے پر کاربند تھی اور وہ یہ مشورہ اسرائیل کو کیوں نہیں دیتے جو ایک یہودی ریاست ہے کہ وہ ایک آزاد اور سیکولر معاشرہ قائم کرے جہاں یہودی اور غیر یہودی برابر کے حقوق رکھتے ہوں۔ صدر بش شاید اس حقیقت کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ ترکی سیکولرزم سے دور ہوتا جا رہا ہے اور ایک اسلامی ریاست کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مارچ ۲۰۰۴ء میں امریکی وزیر خارجہ کولن پاول (اب سابق) پاکستان میں اپنے سرکاری دورے پر یہ فرما گئے کہ پاکستان ایک جدید، اعتدال پسند ''مسلم ریاست'' ہے، غالباً انھوں نے اس طرح یہ پیغام دیا کہ ریاست پاکستان اپنے اسلامی تشخص کو ترک کردے۔

شام اور الجیریا میں امریکہ کے سابق سفیر کرسٹوفر راس (Christopher Ross) نے کرسٹل ہال میں جھانکتے ہوئے ۱۹۹۳ء ایک کانفرنس (National Interest Summit 2000.) میں یہ پیش گوئی فرمائی: ''میں افسوس کے ساتھ یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ اگلے عشرے میں خطے میں اسلامی انقلاب کی ایک لہر ابھرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، چاہے یہ کامیاب ہو یا ناکام۔'' میرے خیال میں، اس امکان کو ہمیں اپنے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ علاقے کی حکومتوں میں اس جذبے کا فقدان ہے جو تبدیلی کے لیے بصیرت اور حوصلہ رکھتی ہوں۔ جمہوری قوتیں بصیرت اور جذبہ تو رکھتی ہے لیکن حمایت نہیں۔ اسلام کے ماننے والے جذبہ، بصیرت اور حمایت تینوں رکھتے ہیں۔ اگر صورتِ حال کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو خطے کی بے اعتبار حکومتیں دخل انداز ہوں گی اور مخالفت کو دبائیں گی، جمہوری قوتیں ناکامی سے دوچار ہوں گی اور اسلام پسند آنے

Marfat.com

والی تبدیلی کے نمائندہ بن جائیں گے۔'' مارٹین کرامر (Martin Kramer) اس پیشگوئی سے اختلاف کرتے ہوئے، یہ کہتے ہوئے بہت خوشی محسوس کرتے ہیں کہ'' اسلامی انقلاب کی لہر کی کیا بات، آج تک ان میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آسکی ہے۔''

Kramer وضاحت کرتے ہیں، '' اس پیشگوئی کے برعکس ناکارہ حکومتیں اسلام پسندوں کو آگے لانے کی بجائے انھیں سیاسی منظرنامے سے ہی نکال باہر کریں گی۔'' یہ حالات کا انتہائی سادا جائزہ ہے۔ احیائے اسلام کی لہر پوری اسلامی دنیا میں تیزی سے ابھر رہی ہے۔ سعودی عرب جو امریکہ کا کلیدی ساتھی ہے اور جہاں حکومت وقت کے خلاف نہ ایک لفظ کہا جاسکتا ہے نہ لکھا جاسکتا ہے، حکومت کی امریکہ نواز اور اسلام مخالف پالیسی کے خلاف گولیاں چلتی رہتی ہیں، دھماکے ہوتے رہتے ہیں جس کے سبب مساجد کے ۷۰۰ ائمہ وخطباء کو معطل کیا جاچکا ہے۔ کویت اور اُردن جیسے ممالک جو امریکہ کے طفیلی ہیں وہاں بھی امریکہ کی اسلام دشمنی پالیسی کے خلاف جذبہ جہاد جاگ رہا ہے۔ مصر کی'' الازہر یونی ورسٹی'' جو ہمیشہ حکومت کی پالیسی کی زبردست حامی رہی ہے اس نے بھی عراق پر حملے کے سبب امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا ہے۔ پاکستان میں پہلی بار اسلام پسندوں نے قومی اسمبلی کے گزشتہ انتخاب میں ۶۸ نشستیں حاصل کیں۔ افغانستان نے جو عملی طور پر امریکہ کے تسلط میں ہے ایک ایسا دستور وضع کیا ہے (امریکہ کی بیزاری کے باوجود) جس کے مطابق '' اسلام'' ریاست کا مقدس مذہب ہے اور کوئی قانون قرآنِ پاک اور سنت کے احکام سے متصادم نہیں بنایا جاسکتا۔ عراق میں، گوریلا جنگ کی کمان اسلام پسندوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ یہ ساری سرگرمیاں اسلامی انقلاب کی ابھرتی ہوئی لہر کا اظہار نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟

مشرقِ وسطیٰ پر ایک ماہر اور Operation Iraqi Freedom and After کے مصنف دلیپ ہیرو Dilip Hiro نے کہا ہے کہ تقریباً ۸۰ فیصد شیعہ، ۵۰ فیصد سنی اور ۱۰ سے ۱۵ فیصد کرد ایک'' اسلامی جمہوریہ'' کے حامی ہیں۔ امریکہ کے نئے روایت پسند اسے جانتے ہیں اور امریکہ کی تقرر کردہ عراقی گورننگ کونسل کے ارکان بھی اس حقیقت سے واقف ہیں، یہی سبب ہے کہ عراق اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں انتخاب کرانے کے مسئلے پر سخت اعصابی تناؤ کا شکار ہے۔

امریکہ، مصر، شام اور ایران جیسے ممالک کے اس مسلسل مطالبے سے قطعی بے خبر لگتا ہے کہ

Marfat.com

اسرائیل کو ایٹمی ہتھیاروں کے معائنے کے لیے کھول دیا جائے۔ یہاں تک کہ صدر پاکستان جنرل مشرف جو اس بات پر خصوصی فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ امریکہ کی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں وہ اس کے قریب ترین ساتھی ہیں اور جنھیں صدر بش اپنا معتمد ترین اور حوصلہ مند ساتھی کہتے ہیں، یہ احتجاج کرنے سے رک نہ سکے کہ پاکستان کو تو دنیا کی نظروں میں لایا گیا لیکن ان یورپی ممالک سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی جو چپ چپاتے دنیا میں ایٹمی پھیلاؤ کرتے رہے ہیں۔ عالمی ایٹمی توانائی ایجنسی (IAEA) کے سربراہ نے بھی ایٹمی ٹیکنالوجی اور اس کے سامان کی بلیک مارکیٹ میں فروخت کی تصدیق کی ہے، اس کے باوجود آج تک ان ممالک کے خلاف کوئی انکوائری نہیں کی گئی جو ایٹمی ٹیکنالوجی کی خفیہ خرید وفروخت کی سرگرمی میں ملوث رہے ہیں...... اگر عالمی ایجنسی اچانک طور پر اسرائیل میں معائنہ کرائے تو نہ صرف یہ کہ بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے وہاں ملیں گے بلکہ مزید تفتیش پر یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اسرائیل کو ایٹمی ٹیکنالوجی کس نے منتقل کی۔ ایک طرف تو ایران اور شمالی کوریا کے ایٹمی اسلحے کے ممکنہ پروگرام پر امریکہ میں اس قدر شور وغوغا ہے، دوسری طرف امریکہ اسرائیل کے ایٹمی اسلحے کے پروگرام کی طرفداری اور حمایت کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اسرائیل کو اپنے اِس پروگرام کو آگے بڑھانے میں امریکہ کی خفیہ مدد حاصل ہے، بلکہ جدید ترین ایٹمی سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ میں امریکہ اسرائیل کا حمایتی اور مددگار ہے۔ ایٹمی اسلحے کی ٹیکنالوجی سے اسلامی دنیا کو محروم رکھنا اور خفیہ طور پر اس ٹیکنالوجی میں اسرائیل کو مضبوط بنانا، دراصل اسلامی دنیا کو امریکہ کے زیرِ نگیں رکھنا اور اسے اسرائیل کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا امریکہ کا مطمحِ نظر ہے۔

رپورٹر نے اپنی ۱۳ جنوری ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں رپورٹ کیا ہے کہ امریکہ یہ منصوبہ بنا رہا ہے کہ عراق کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے جن میں کرد، شیعہ اور سنیوں کی الگ الگ حکومتیں ہوں۔ عراق کو اس طرح تقسیم کرنے کا مقصد مشرقِ وسطیٰ پر اسرائیل کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ جیسا کہ سعودی عرب کے سفیر نے کہا ہے کہ عراق کی تقسیم دراصل اسرائیل کی ایک کثیر المیعاد پالیسی کا حصول ہے، جس کے پیشِ نظر عرب کو چھوٹی چھوٹی لسانی اور مذہبی انتظامی مملکتوں میں بانٹ دیا جائے گا تاکہ وہ یہودی ریاست کے لیے کبھی خطرہ نہ بن سکیں۔ واشنگٹن نے کہا ہے کہ عراق کے

Marfat.com

لوگ اگر جنوب میں کردوں کو کچھ خود مختاری دے دیں تو ہم اس کی مزاحمت نہیں کریں گے۔ یہ عراق کے پڑوسیوں شام، ایران اور ترکی کے لیے خطرے کی ایک گھنٹی ہے۔ اس قسم کی تحریک کا مطلب پورے مشرقِ وسطیٰ کو زیرِ نگیں کرنا ہے۔

سیموئیل ہنٹنگٹن (Samuel Huntington) نے اپنی کتاب تہذیب کے ٹکراؤ اور دنیا کے نئے نظام کی تعمیرِ جدید'' (Clash of Civilization and Remaking of New World Order.) میں صدیوں پرانے عیسائیت کے دنوں دھڑوں روایت پرست اور جدت پسند اور اسلام کے متنازع تعلقات پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے تعلقات ہمیشہ طوفان خیز رہے ہیں۔ اس کے خیال میں بیسویں صدی میں آزاد جمہوریت اور کمیونزم کا جھگڑا عیسائیت اور اسلام کے درمیان جاری شدید تنازع کے مقابلے میں تاریخ کا ایک عارضی اور مصنوعی واقعہ ہے۔ اُن دنوں بھی جب وہ اپنی بقائے باہمی پر کاربند تھے، یہ دو مذاہب رقابت اور کئی طرح کے جھگڑوں میں ملوث تھے۔

John Esposito تبصرہ کرتا ہے کہ ''ان کے تاریخی محرکات نے اکثر ان دونوں فرقوں کو طاقت، زمین اور تشخص کے لیے سخت جنگ و جدل میں ملوث کر دیا ہے۔'' ہنٹنگٹن مزید کہتا ہے: ''ان دو مذاہب کا عروج وزوال تسلسل سے جوش و جذبے، تعطل اور منفی حوصلے کے ساتھ ان کی تقدیر رہا ہے۔'' ساتویں صدی کے اوائل سے آٹھویں صدی کے وسط تک، عرب اسلامی فتوحات کے سیلاب نے جنوبی افریقہ، مشرقِ وسطیٰ، فارس اور جنوبی ہندوستان میں مسلم حکومتیں قائم کیں۔ تقریباً دو صدیوں تک اسلام اور عیسائیت کے اختلافات ایک مقام پر ٹھہرے رہے۔ پھر گیارھویں صدی کے آخر میں عیسائیت نے مشرقِ وسطیٰ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سسلی (Sicily) پر قبضہ کیا اور ٹولیڈو (Toledo) کو فتح کیا۔ ۱۰۹۵ (Sicily) میں عیسائی دنیا نے صلیبی جنگ کا آغاز کیا اور تقریباً ڈیڑھ صدی تک عیسائی حکمرانی قائم کرنے کی جدوجہد میں اپنی سرزمین مقدس اور مشرقِ قریب میں معمولی کامیابی ہوئی لیکن اس تگ و دو میں ۱۲۹۱ء میں انھوں نے وہ علاقہ گنوا دیا جوان کا مضبوط گڑھ تھا۔ جبکہ عثمانی ترک پہلی بار نمودار ہوئے۔ سب سے پہلے انھوں نے بازنطینیوں کو کمزور کیا، پھر بلقان کے ایک بڑے حصے پر اور شمالی افریقہ پر فتح حاصل کی۔

Marfat.com

۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ (Constantnople) پر قبضہ کیا اور ۱۵۲۹ء میں ویانا (Vianna) کا محاصرہ کیا۔ Barnard lewi's کہتا ہے: ''اسپین میں عرب بربر کی پہلی آمد سے ویانا کا ترکیوں کے محاصرے تک یورپ کو اسلام کی طرف سے مستقل خطرہ تھا۔'' ھنٹنگٹن کہتا ہے:

''اسلام وہ واحد تہذیب ہے جس نے یورپ کی بقا کو مشکوک بنادیا اور ایسا کم ازکم دوبار ہوا۔''

پندرھویں صدی تک پانسہ پلٹنے لگا، عیسائیوں نے آہستہ آہستہ لیبریا (Lberia) کو واپس لے لیا اور ۱۴۹۲ء میں غرناطہ تک پہنچ کر اپنا مشن مکمل کرلیا۔ اسی عرصے میں یورپ والوں نے بحری جہاز رانی میں مہارت حاصل کر کے پرتگیزیوں اور دوسری اقوام یورپ کو اس لائق بنادیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے قلب میں حصار بند کرتے ہوئے بحر ہند آئے اور اس سے آگے تک پہنچ گئے۔ اسی کے ساتھ روسیوں نے دوسو سال قدیم ترک حکومت کا خاتمہ کردیا۔ عثمانیوں نے ۱۶۸۳ء میں ویانا کو محصور کرنے کی ایک آخری کوشش کی۔ ان کی ناکامی ان کی طویل پسپائی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، جس کے سبب بلقان میں قدامت پسند اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عثمانی حکومت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اسی وقت Hapsburg کی سلطنت نے وسعت اختیار کرلی اور ڈرامائی طور پر روس بحیرۂ اسود میں داخل ہوگیا۔ یوں ایک صدی کے اندر ترکی یورپ کا مردِ بیمار بن گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر حاوی نوآبادیاتی طاقتیں یعنی برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے آخری وار کرکے تمام بچی ہوئی عثمانی سرزمین پر براہِ راست اور بالواسطہ حکومت قائم کرلی، سوائے جمہوریہ ترکی کے علاقے کے۔ ۱۹۲۰ء تک صرف چار مسلمان ممالک ترکی، سعودی عرب، ایران اور افغانستان غیر اسلامی طرزِ حکومت کے طور پر اپنی آزادی برقرار رکھ سکے۔

اسلامی طاقت اور عیسائی دنیا کی کشمکش کی بنیاد ان کے نظریاتی اختلافات ہیں۔ مسلمانوں کا تصورِ اسلام یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا طرزِ حیات ہے جو مذہب اور سیاست کے درمیان کوئی دیوار نہیں حائل کرتا جبکہ مغربی عیسائیت کا تصور یہ ہے کہ خدا اور کلیسا دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان عملی مخالفت میں اتار چڑھاؤ آتا رہا ہے مگر یہ ختم کبھی نہیں ہوئی۔ نومبر ۱۹۹۴ء کے ایک سروے میں جب یہ پوچھا گیا کہ کیا اسلام کے احیائے نو سے مشرقِ وسطیٰ میں امریکی مفاد کو خطرہ ہے تو ۶۱ فی صد یعنی ۳۵۰۰۰ امریکیوں جو خارجہ پالیسی میں

Marfat.com

دلچسپی رکھتے ہیں کا جواب اثبات میں تھا جبکہ صرف ۲۰ فیصد نے نفی میں جواب دیا۔ ایک سال قبل جب ایک اٹکل پچو سروے میں یہ پوچھا گیا کہ امریکہ کو سب سے زیادہ خطرہ کن ممالک سے ہے تو جواب میں ایران، چین اور عراق کا نام لیا گیا۔ جب یہ پوچھا گیا کہ بنیادی خطرہ کون سا ہے تو ۷۰ فیصد لوگوں کا جواب ایٹمی پھیلاؤ تھا۔

یورپی اقوام نے اس بات میں کوئی شبہ نہیں چھوڑا ہے کہ وہ ترکی جیسے مسلمان ملک کو اس کے سیکولرزم، مکمل وابستگی اور نیٹو (NATO) کے رکن ہونے کے باوجود یورپی یونین میں شامل کرنا نہیں چاہتیں اور اس بات کو بھی انھوں نے خفیہ نہیں رکھا ہے کہ وہ یورپی براعظم میں ایک اور مسلم ریاست بوسنیا کی شمولیت کی سخت مخالف ہیں۔ روس مسلمان بنیاد پرستوں کے خلاف تاجکستان میں اور مسلم قومیتوں کے خلاف چیچنیا میں برسرپیکار ہے۔ ترکی کے صدر اوزال نے ۱۹۹۲ء میں کہا کہ یورپ نے ترکی کو یورپی یونین میں شامل نہ کرنے کا جواز پیدا کرلیا ہے۔ اوزال (Ozal) نے کہا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ ''ہم مسلمان ہیں اور وہ عیسائی۔'' یورپی افسران نے کوئی راز رکھے بغیر یہ بات برملا کہی ہے کہ ''یورپی یونین ایک عیسائی کلب ہے'' اور یہ کہ ترکی کا یونین میں شامل نہ ہونے کے دوسرے اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ ہے کہ وہ ''بہت ہی مسلمان'' ہے۔ نیوز ویک کی ۳ مئی ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں Mathews نے بھی اپنے ایک مضمون میں فرانس کے صدر شراک کی ترکی کی یورپی یونین میں مخالفت کرتے ہوئے ان کی یہ بات نقل کی ہے کہ اس طرح یورپ کے مذہب میں آمیزش ہو جائے گی۔ یورپ کو خدشہ ہے کہ ترکی کی شمولیت، یورپ کے عیسائی تشخص کے تصور کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔ Mathews کہتا ہے کہ ترکی کی شمولیت کے سوال پر زیادہ سے زیادہ یورپی اراکین کو تشویش ہے کہ اس طرح یورپ کی ثقافتی اور سیاسی حیثیت کی نئی تعریف کرنی پڑے گی۔ دسمبر ۲۰۰۲ء میں یورپی یونین کی سربراہ کانفرنس میں ترکی کو یونین میں شمولیت کے لیے گفت وشنید کرنے کی اجازت دے دی گئی، مگر اس پر یہ بات واضح کردی گئی کہ یہ بات چیت ۱۵ سال تک بھی جاری رہ سکتی ہے اور اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ ۱۵ سال کے اختتام پر اسے یونین میں شامل کرلیا جائے گا۔ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں یورپی یونین کی کانفرنس میں آسٹریا نے یہ تجویز پیش کی کہ ترکی کو ایک محدود رکنیت دے دی جائے مگر یہ تجویز مسترد کردی گئی اور

Marfat.com

ترکی کو مکمل رکنیت کے لیے گفت وشنید کرنے کی اجازت دی گئی۔ گارجین نیوز سروس Madeleine Bunting کے مطابق ۸۰ فیصد آسٹرین، ۷۰ فی صد فرانسیسی اور ۴ء۷ فیصد جرمن یورپی یونین میں ترکی کی رکنیت کے مخالف ہیں۔ اسی مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ یورپ نے دنیا میں اپنی کم ہوتی ہوئی سماجی اور اقتصادی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اپنے گرد گھیرا ڈال دیا ہے اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ اپنے تنگ نظر تاریخی عیسائی تشخص کو اپنا لے۔ اسی طرح ترکی کی رکنیت کے معاملے نے ایک مذہبی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ یہ برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا (Jack Straw) تھے جنھوں نے کانفرنس کو خبردار کیا کہ اگر ترکی کی رکنیت سے انکار کیا گیا تو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک ناقابل عبور فاصلہ پیدا ہو جائے گا۔

نجی طور پر یورپ کے لوگوں کے ذہن میں وہ ڈراؤنا خواب ہے جو مغربی یورپ میں صلیبی یلغار اور ویانا کی سرحد پر ترکوں کی آمد کی خوفناک یادوں سے وابستہ ہے۔ کمال اتاترک کا سیکولر ورثہ اور ترکی کا طرز معاشرت تقریباً تین چوتھائی صدی سے روز افزوں تنقید کی زد میں ہے۔ بیرونی دنیا میں ترکوں کا تجربہ ان کے اسلامی جذبے کو ابھارنے کا بڑا محرک اور سبب بنا ہے۔ جرمنی سے واپسی پر ترکوں نے اس نفرت کے خلاف ردعمل ظاہر کیا جو ان کے ساتھ اس ملک میں روا رکھی گئی تھی۔ نتیجے میں وہ اپنی جانی پہچانی ان اقدار کی طرف لوٹے جنھیں اسلام کہتے ہیں۔

امریکہ کی علمبرداری میں مغرب مندرجہ ذیل الزامات کے سبب اسلام پر حملہ آور ہے:

(۱) جمہوریت اور آزادی کا فقدان

(۲) عورتوں پر جبر

(۳) اسلام میں اختیارات کی تقسیم اور برداشت کا فقدان

(۴) غیر مسلموں کے ساتھ تفریق

(۵) جہاد جسے دہشت گردی کی شکل قرار دیا گیا ہے اور جہادیوں بشمول شہداء کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔

یہ الزامات درج ذیل اسباب کی بنیاد پر پائیدار نہیں ہیں۔

اسلام پر یہ سارے الزامات زیادہ تر اقدار کے حوالے سے ہیں، وہ اقدار جو کائناتی نہیں

Marfat.com

ہیں اور خود مغرب میں مختلف مکاتب فکر سامنے آئے ہیں جنھوں نے ان اقدار کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں ...... اقدار کا مغربی تصور، جیسے آزادی، جمہوریت، انسانی حقوق، برداشت، معاشرے میں عورت کا مقام، اپنے حق کے لیے ہتھیار اٹھانا، وغیرہ وغیرہ، ایک یا دوسری شکل میں اس مفروضے پر ہے کہ کائنات حادثاتی طور پر ایک بڑے دھماکے (Big Bang) کے نتیجے میں وجود میں آئی اور یہ کہ انسان جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارنے میں آزاد ہے۔ اسے صرف ملکی قوانین کے سامنے جواب دہ ہونا ہے، اس طرح اس حقیقت کی نفی ہوتی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کا ایک خالق ہے، جو اللہ ہے اور وہ علیم وخبیر بھی ہے۔ اور انسان کو اپنے اس رب کے سامنے جھکنا چاہیے جو ساری تخلیقات کا خالق ہے اور اس لیے اس کو اس راستے پر چلنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسانیت کو دکھایا ہے۔ اتنا ہی غلط دوسرا مفروضہ ہے کہ آخرت کوئی شے نہیں ہے اور یہ کہ انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اسے دنیا میں کیے ہوئے اپنے اعمال کے لیے اپنے خالق کے سامنے جواب دینا ہوگا اور تیسرا غلط ترین مفروضہ یہ ہے کہ جدید انسان نے اپنے بارے میں اور اس کائنات کے بارے میں اتنا کچھ علم حاصل کرلیا ہے کہ اب اسے کسی خدائی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے اور وہ خود اپنے عمل کے لیے اپنی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے۔

ٹیکنالوجی کا ایک عجوبہ بحری جہاز Titanic بہت شور وغل اور کھیل تماشے کے ساتھ اپنے ساحل سے اس دعوے کے ساتھ روانہ ہوا کہ یہ جہاز کسی بھی طوفان یا حادثے میں یہ ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتا۔ جہاز کے کپتان نے بڑے گھمنڈ سے کہا کہ ''وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ جہاز کسی مشکل میں پھنس سکتا ہے'' اس کی دیوار پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا کہ ''خدا بھی اس جہاز کو ڈبو نہیں سکتا۔'' لیکن قدرت کا تماشا دیکھیں کہ جہاز اپنے پہلے ہی سفر میں ڈوب گیا۔ ٹیکنالوجی کتنی ہی مکمل کیوں نہ ہو اللہ کی مرضی کے آگے نہیں ٹھہر سکتی۔

اگر ایک خالق موجود ہے اور اگر یہ وہی ہے جس نے تمام موجودات کو اپنی مرضی اور منصوبے کے مطابق تخلیق کیا ہے تو پھر کائنات میں اصل حاکمیت اسی کی ہے اور انسان کو اسی کی مرضی اور منصوبے کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ اس سے یہ بات بھی آشکارا ہوتی ہے کہ صرف وہی بات درست اور پسندیدہ ہے جو اللہ کی مرضی اور منصوبے کے مطابق ہو اور وہ سب کچھ جو اس

Marfat.com

کے مطابق نہیں ہے غلط اور ناپسندیدہ ہے۔

ایک سیدھی ہے، اُسی کے در کی راہ
اور سب راہیں کج و کاواک ہیں

اکتوبر ۲۰۰۲ء کے ماہنامہ لبرٹی کے ایک مضمون میں R.W.Brandford نے انسان کے معاملات میں اللہ کی مرضی کا صحیح ادراک کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''امریکیوں نے پچھلی صدی میں آہستہ آہستہ اپنے روایتی اعلیٰ ترین مذہبی یقین کو ترک کردیا۔ دوسرے دنیاوی غیر مرئی خدا کے مقابلے میں جو معجزے دکھا سکتا ہے اور ان کی زندگیوں میں عمل دخل رکھتا ہے، اچھے اور برے دونوں انداز سے۔ انھوں نے اس خدا کی جگہ جو کہ ہمہ وقت موجود ہے، ایک دنیاوی خدا کو دے دی ہے، ان کا نیا خدا ریاست ہے۔'' اس لیے ہم پر یہ لازم ہے کہ مظاہر فطرت پر غور کریں، جو ہمیں کسی حد تک اللہ کے تخلیقی منصوبے اور آخرت کا شعور بخش سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ کس طرح محض دنیاوی اسباب انسان کی صحیح راستے پر رہنمائی کے لیے کافی اور یقینی ہیں۔ اقدار و اطوار ایک نظریاتی تصور اور ایک مخصوص معاشرتی حوالے ہی سے جانچے جا سکتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم اسلام کے معاشرتی اور نظریاتی اصولوں کو صحیح طور پر سمجھیں، کوئی شخص بھی آزادی، جمہوریت، انسانی حقوق، برداشت، معاشرے میں عورت کا مقام، کب ہتھیار اٹھایا جائے، دنیا کی بہتر زندگی، تہذیب و تمدن وغیرہ کے بارے میں اسلامی تصور کو سمجھ ہی نہیں سکتا ہے، جب تک وہ اسلام کے سماجی اور نظریاتی اصولوں کا شعور نہ رکھتا ہو۔

☆......☆......☆

Marfat.com

مذہب کی طرف واپسی ......اسلام کا عروجِ نو

سرزمین عرب سے پر پرواز کھولنے والا طائر اسلام فلسطین، عراق، لبنان، ترکی، بوسنیا اور چیچنیا میں سیکولرزم کی راکھ سے ابھرتے ہوئے اپنے عروجِ نو کے لیے بلندیوں کی سمت پھر محوِ پرواز ہے۔ سیکولرزم جو ابھی بھی بہت سے مسلمان ملکوں میں بسیرا کیے ہوئے ہے، تیزی سے پسپائی اختیار کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز (NewYork II-Printing) نے سیکولرزم کے نظریے کی انتہائی اختصار سے یہ وضاحت کی ہے کہ یقیناً یہ زندگی اور اخلاقیات کا ایک نظریہ ہے جس کی بنیاد خصوصی طور پر سماجی روابط اور مشاہدات پر رکھی گئی ہے لیکن اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس میں الوہیت اور آخرت کا کوئی حوالہ نہیں ہے جو اس کے لیے ایک مذہبی فریضے کی جگہ لے سکتا، اس طرح اخلاقی کردار محض ایک ذاتی مصلحت بن گیا اور مغرب کے دوہرے معیار اور موجودہ صورت حال کو ایک قانونی سند مل گئی۔

سیکولرزم جس کی بنیاد دنیاوی زندگی کے عارضی اور وقتی تجربے پر رکھی گئی ہے اس الوہی حقیقت اور سچائی کا بدل نہیں ہو سکتا جس کی تعلیم قرآنِ پاک میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ گبن (Gibbon) کہتا ہے: ''بحر اوقیانوس سے دریائے گنگا تک ......قرآن کو ایک بنیادی قانون کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، محض مذہبی حوالے سے نہیں بلکہ دیوانی اور فوجداری قوانین کے طور پر، وہ قوانین جو انسان کے کردار و عمل اور اس کی جائیداد کو اپنے دائرۂ عمل میں لاتے ہیں اور جو اللہ کی مرضی کے مطابق طے کیے جاتے ہیں۔''

لہٰذا، یہ زیادہ حیران کن نہیں ہے کہ دنیا کے مسلمان اکیسویں صدی اور اس سے آگے اپنی زندگی گزارنے کے لیے اسلام کے عروجِ نو کے لیے بلند پروازی کی خواہش رکھتے ہوں اور اس کے لیے کوشاں ہوں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ریاست اور مذہب کو جدا جدا نہیں کیا جا سکتا اور اسے قرآنِ پاک میں بڑی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے:

Marfat.com

''جب بھی اہل ایمان کو زمین پر حکومت ملتی ہے، وہ نماز اور زکوٰۃ قائم کرتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں۔'' (سورۃ الحج، آیت ۴۱)

ایک اسلامی ریاست حاکیت کی امین ہونے کے ناطے دنیوی اور دینی دونوں فرائض کا حکم دیتی ہے.....اس لیے سیکولرزم اسلام کے لیے قطعی اجنبی ہے۔

اسی طرح دُنیا کے تمام معاملات کا قران کی ہدایت کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ (سورۃ المائدہ، آیات ۵۲،۵۱) اس سے یہ مزید ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست اللہ کے احکامات نافذ کرنے کا محض ایک ذریعہ ہوتی ہے۔

سیموئیل ہنٹنگٹن نے اپنی تاریخی تصنیف تہذیب کا ٹکراؤ (The Clash of Civilization) میں سیکولرزم کے خاتمے اور مذہب کی واپسی کو یوں بیان کیا ہے:

تمام دنیا میں سماجی تبدیلی اور معاشرتی جدیدیت نے لوگوں کی انتہائی قدیم مقامی شناخت کو ختم کردیا ہے۔ انھوں نے قومی ریاست کو ایک تشخص کے ذریعہ کے طور پر کمزور کردیا ہے۔ دنیا کے اکثر حصوں میں اس خلا کو مذہب نے پر کیا ہے، اکثر ایک تحریک کی صورت میں جس پر بنیاد پرستی کا لیبل لگادیا گیا ہے......اکثر ممالک اور علاقوں میں جو لوگ بنیاد پرستی کی تحریک میں سرگرم ہیں وہ جوان، کالج کے تعلیم یافتہ، مڈل کلاس کے ہنرمند، پیشہ ور ماہرین اور کاروباری لوگ ہیں۔''

(Foreign Affairs, Summer 1999.)

George Weigel نے تبصرہ کیا ہے کہ ''سیکولرزم کی نفی آخر بیسویں صدی میں سماجی زندگی کی سب سے نمایاں حقیقت رہی ہے۔''

اس نکتے کو Mark Juergensmyers نے اپنی تصنیف مذہبی قومیت میں زیادہ زور دے کر اٹھایا ہے۔ وہ کہتا ہے: سرد جنگ کے اختتام کے بعد ابھرنے والی دنیا میں ''مذہبی قومیت نے سیکولر قومیت کو مضبوط نظریاتی نظام کے طور پر بڑی کامیاب شکست دی ہے۔''

ایک عام تصور یہ ہے کہ سیکولرزم چاہے وہ ایک آزاد یا ایک کمیونسٹ طریقہ اختیار کرے بذات خود ایک خالی خولی غیر تسلی بخش سماجی ادارہ ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے اختتام پر سیکولر قومی ریاست محض مغربی ثقافت کا ایک پراسرار سامراجی نظام رہا ہے۔''

Marfat.com

" Book Review by Fukuyama, The Journal of Democracy Washington DC, October, 1993."

کوئی ملک بوسنیا کے مسلمانوں سے زیادہ آزاد خیال اور سیکولر نہیں ہوسکتا، جنھوں نے قرآنی احکامات کے خلاف عیسائیوں سے اپنی لڑکیوں کی شادی کی، اس کے باوجود سرب قوم نے نہ صرف مسلمانوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں کو بلکہ وہ بچے جو آپس کی ان شادیوں سے پیدا ہوئے تھے، انھیں ''حرامزادے'' گردانا۔ بوسنیا کے سابق وزیر اعظم سیلادج (Sladjie) نے یہ بات کئی بار کہی کہ یہ لوگ بدترین قسم کے ظلم کا اس لیے شکار ہوئے کہ یہ مسلمان تھے۔ یہ قابل توجہ ہے کہ بوسنیا کے مسلمان سرب عیسائیوں کی طرح ایک ہی نسل Slav Serbs سے تعلق رکھتے ہیں۔ ترکی کے مرحوم صدر ترغت اوزال (Turgat Ozal) کا یہ بیان بھی ریکارڈ پر ہے کہ ترکی کو ECC میں اس لیے داخلہ نہیں ملا کہ اس کے لوگ مسلمان ہیں۔ کوئی اور مسلمان ملک ترکی اور بوسنیا سے زیادہ معتبر سیکولر نہیں ہوسکتا۔

Francis Fukuyama بھی جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جمہوریت نے انسانی تمدن اور طرزِ حکومت میں بلند ترین مقام حاصل کرلیا اور خود تاریخ بھی اس کے ساتھ اپنی تکمیل کو پہنچی ہے، اب بہتر انداز میں سوچنے لگا ہے اور یہ دیکھنے لگا ہے کہ جمہوریت کی عالمی اپیل اس عیسائی نظریے سے وابستہ ہے کہ خدا کے نزدیک سارے انسان برابر ہیں۔ جو اس کے خیال میں مستحکم جمہوریت اور عیسائی معاشرے کے درمیان گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اس سے کچھ پہلے Fukuyama نے جاپانی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے برتر سمجھا تھا، جس کی وجہ کنفیوشنزم (Confuciansim) کے اثرات کا جاپانی جمہوریت میں سرایت کرنا تھا۔

اس طرح Fukuyama سیکولرزم کی چمکتی دمکتی بلندی سے نیچے آ گرا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ جمہوریت ایک تہذیب کے طور پر مغرب میں عیسائیت سے مانگی ہوئی روشنی سے فروزاں ہے اور جاپان میں کنفیوشنزم کی روشنی سے۔ لندن اکانومسٹ اپنے ۲۲ دسمبر ۱۹۹۰ء کے شمارے میں اس نکتے کی اور زیادہ وضاحت کرتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ ''اپنے پڑوسی سے بھی اتنی محبت کرو جتنی تم خود سے کرتے ہو۔'' اسی نے جمہوری نظریے کو بنیاد

Marfat.com

راہم کی ہے۔

۳ دسمبر۱۹۹۲ء کے ڈائیلاگ میں ''مذہب، سیاست اور جمہوریت'' کے عنوان سے لکھتے ہوئے A.James Reichely نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ''امریکہ کی سیاست میں مذہب نے ہمیشہ ایک مضبوط اور عمیق کردار ادا کیا ہے'' اور یہ کہ مذہبی عقیدہ اقدار، سماجی رویے اور اخلاقی تصورات کا بڑا ذریعہ رہا ہے اور یہی امریکی جمہوریت کی اساس ہیں۔ اس نے مزید کہا ہے کہ ''تھامس جیفرسن اور بنجمن فرینکلن یہ مانتے تھے کہ ری پبلکن حکومت اخلاقی بنیاد پر قائم ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت مذہب سے لگاؤ رکھتی ہے۔'' Reichely نے اپنی گفتگو اس جملے پر ختم کی کہ:

> ''خبر گیری اور شراکت کے اخلاقی اصولوں کے بغیر ماضی میں جمہوریت'' کتے کے شکار کتے'' کے نظریے کی طرف مائل نظر آتی تھی جس کے نتیجے میں جابرانہ ردِّعمل سامنے آتا تھا۔''

معاشی میدان میں، جدید سرمایہ دارانہ نظام جدید تہذیب کا سنگ میل ہے جس کا سہرا جرمن سوشل سائنٹسٹ Max Weber کے سر بندھتا ہے جس سے یورپ اور امریکہ میں مسیحی عیسائیت کو فروغ ملا جو خود تنظیمی، سخت محنت، حصول اور کفایت کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ یہ خوبیاں ایک ایسا اخلاقی ماحول پیدا کرتی ہیں جس میں سرمایہ داری اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس آج کی سرمایہ داری ان خوبیوں سے عاری ہے اور اس کا نصب العین یہ ہے کہ راتوں رات امیر بن جایا جائے، کسی بھی جائز یا ناجائز طریقے سے۔ کمیشن اور رشوت کے ذریعے بڑے بڑے معاہدے حاصل کر کے، بین الاقوامی تجارتی ادارے تمام سیاسی لیڈر شپ کو آلودہ کر رہے ہیں، نہ صرف پسماندہ اور غریب ممالک میں بلکہ اقتصادی طور پر ترقی یافتہ اور امیر ممالک میں بھی جیسے جاپان، شمالی کوریا، اسپین، اٹلی، بلجیم وغیرہ۔

معیشت کی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں پسماندہ ممالک میں ترقی یافتہ ممالک کی اشیاء اور خدمات کے لیے بڑی مارکیٹ مہیا ہوگئی ہے جبکہ پسماندہ ممالک کی اشیاء اور خدمات کی کھپت کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں کوئی تقابلی مارکیٹ نہیں مہیا کی گئی۔ ترقی یافتہ ممالک نے WTO کی سماجی اور ماحولیاتی شقوں کے نفاذ پر زور دیتے ہوئے حقیقتاً پسماندہ ممالک سے برآمد کے آگے

Marfat.com

روک لگا دی ہے۔

اس کے برعکس، اسلام کے معاشی نظریے کی بنیاد انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کو خ
کرنا ہے۔

قرآنِ پاک کا فرمان ہے کہ انسان کا حصہ اتنا ہی ہے جتنے کے لیے وہ محنت کرتا ہے
(سورۃ النجم، آیت ۳۹) وہ اہل ایمان کو یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ اسی پر بھروسہ کریں کیوں کہ وہ ا
کی ملکیت ہیں۔ ''اور وہ کسی طور پر ان چیزوں پر حرص نہ کریں جو اس نے ان کے مقابلے می
دوسروں کو زیادہ فیاضی سے عطا کی ہیں ...... بلکہ اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہیں۔ (النساء: ۳۲
یہ آیات اسلام کے نظریۂ معیشت کا مرکزی نقطہ ہیں، مزید یہ کہ؛ قرآنِ پاک معاشی طاقت ک
حصول اور اس کے استعمال کو اس طرح منظم کرتا ہے:

> ''اے اہل ایمان! اپنے مال کو باطل طریقے سے آپس میں خود ہی نہ کھالیا کرو بلکہ باہم تجارتی لین دین کے ذریعہ اسے صرف کرو۔'' (النساء، آیت: ۲۹)

> ''اہل ایمان، ایک دوسرے کے ساتھ مشاورت کے ذریعے اپنے معاملات چلاتے ہیں۔'' (القرآن، سورۂ الشوریٰ، آیت ۳۸)

قرآن مزید کہتا ہے:

> ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے صاحبانِ امر کی، پھر اگر (کسی معاملے میں) تمھارے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔'' (النساء: آیت ۵۹)

احکامِ الٰہی میں کس خوب صورتی سے آزادی اور اقتدار کو یکجا کیا گیا ہے۔

اس لیے مثالی جمہوریت وہ ہے جس کی جڑیں مذہب سے ملتی ہوں اور یہ مذہب سے تح
اور اپنی غذا حاصل کرتی ہو۔ لہٰذا، حقیقی جمہوری معاشرے اور کلچر کے قیام کے لیے سیکولرزم پر لا
ہے کہ وہ مذہب کو راستہ دے دے۔

انسانی تاریخ کا بہتر حصہ تب لکھا گیا، جب انسان ایسے معاشی مفاد اور بندش سے آگے
گیا۔ تاریخی دریافتیں، ایجادات اور جدتیں تمام میدانوں میں انسان کے ذہن کے مادے

Marfat.com

سبقت اور فتح کا ڈنکا بجاتی ہیں۔ جب کہ انسانی جسم پر انسان کی روح فتح حاصل کرتی ہے۔

سیکولرزم نے اپنے بسیروں میں بیسویں صدی کے نصف اوّل تک حکومت کی جب دانشوروں کا ایک طبقہ اشرافیہ ان مفروضوں پر شاداں تھا کہ معاشی اور ثقافتی جدت طرازی انسانی وجود کو مذہبی اہمیت سے پاک کردے گی۔ جدیدیت کے ہم نوا سیکولر حضرات اپنے اس یقین کی روشنی میں آرام فرماتے تھے کہ سائنس، عقلیت اور عملیت روایتی قصوں، توہمات، رسوم اور غیر عقلیت کی، جو مذہب کی اصل روح ہیں'' قبر کھود رہی ہے۔ سیکولر حضرات نے سمجھ رکھا تھا کہ نیا ابھرنے والا معاشرہ عقلیت پسند، روادار، عملیت اور ترقی پسند انسان دوست سیکولر معاشرہ ہوگا۔ دوسری طرف، مذہبی لوگ خبردار کر رہے تھے کہ مذہبی عقاید اور مذہبی اداروں کے غائب ہونے کے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے کیوں کہ مذہب ہی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رہنمائی کرتا ہے جس کی غیر موجودگی میں انسانی وجود پر انتشار، محرومی اور غیر مہذب اطوارِ زیست غالب آجائیں گے۔ T.S.Eliot نے کہا ہے کہ'' اگر تم خدا کو نہیں مانو گے تو تمھیں ہٹلر اور اسٹالن کے آگے جھکنا ہوگا۔''

معیشت اور جدید معاشرت کا دائرہ عمل چوں کہ عالمگیر ہے اس لیے اس نے مذہب کے احیاء کو بھی عالمگیریت مہیا کردی ہے۔ جیسا کہ Gilles Kepal نے کہا کہ:

'' احیائے مذہب کا نفوذ براعظم میں ہوگیا ہے۔'' Kepal نے تجزیہ کیا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط میں سیکولرزم کا رجحان مخالف سمت میں چل پڑا۔ مذہب کی ایک نئی سوچ نے جنم لیا جو سیکولر ابتدا کے ساتھ کسی مصالحت کے لیے تیار نہیں تھی اس نے معاشرے کی تنظیم کے لیے ایک مقدس بنیاد فراہم کردیا۔ اس سوچ نے جدیدیت سے دوری کی تحریک پیدا کردی اور اس طرح جدیدیت ناکام ہوگئی۔ Kepal نے اس دھچکے اور ناکامی کی وجہ خدا سے علیحدگی کو قرار دیا ہے۔ مقصد اسلام کو جدید بنانا نہیں تھا بلکہ جدیدیت کو اسلامی بنانا تھا۔

سابق کمیونسٹ ریاستوں میں مذہب کا حوالہ اور اس کی ہمہ جہت موجودگی ڈرامائی طور پر سامنے آئی ہے۔ کمیونسٹ نظریے کے انہدام سے البانیہ سے ویت نام تک کے ممالک میں مذہبی جوش و خروش تیزی سے ابھرا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں ۲۵ سال سے کم عمر روسیوں میں ۳۰ فیصد نے کہا کہ وہ دہریت سے خدا کے یقین کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ ماسکو میں گرجا گھروں کی تعداد ۱۹۸۸ء

Marfat.com

میں ۵۰، کے مقابلے میں ۱۹۹۳ء میں ۲۵۰ ہوگئی۔ سیلاوی (Slavic) جمہوریتوں میں روایت پرستی کے دوبارہ وجود میں آنے کے سبب وسطی ایشیا میں اسلامی احیاء تیز ہوگیا۔ ۱۹۸۹ء میں وسطی ایشیا میں ایک مدرسہ اور ۱۶۰ مسجدیں تھیں جبکہ اوائل ۱۹۹۳ میں تقریباً ۱۰،۰۰۰ مسجدیں اور ۱۰ مدرسے قائم ہوچکے تھے۔

انتہائی ترقی پذیر اور خوشحال سنگاپور کے قائد Lec Kuwan Yew نے کہا ہے کہ "اس بات کی وضاحت کی زبردست جستجو پائی جاتی ہے کہ انسان کا مقصد حیات کیا ہے۔ ہم کیوں اس دنیا میں موجود ہیں۔" لوگ محض توجیہہ پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کی آبیاری اور اس کے لیے حقیقی طور پر عمل نہیں کرسکتے جب تک وہ ذاتی مفاد کی تعریف نہ بیان کرسکیں۔ تیز رفتار معاشرتی تبدیلی اور متعین شناخت کے دور میں ذاتی مفاد کی نئے سرے سے تعریف کی نئی شناخت کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ جب لوگوں کے سامنے اپنی شناخت کو دوبارہ واضح کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو انھیں اس سوال سے سابقہ پڑتا ہے کہ وہ کس کی ملکیت ہیں اور یہ مذہب ہے جو انھیں مطمئن اور تسلی بخش جواب فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ حسن ترابی نے کہا ہے: "تمام مذاہب انسان کو، ایک شناخت اور زندگی میں رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔" Bernard Lewis کہتا ہے" یہاں مسلم دنیا ہنگامی حالات میں اپنی بنیادی شناخت اور مذہبی حلقوں میں اپنے اخلاص کا احساس دلانے کے لیے مستقل میلان رکھتی ہے...... یعنی وہ شناخت جس کی تعریف اسلام نے کی ہے، نہ کہ وہ جو کسی لسانی یا علاقائی حوالے سے ہو۔" اسی طرح Kepal شناخت کی دریافت میں مرکزیت پر زور دیتا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں اپنی شناخت کی تشکیلِ نو جو شناخت کے معنی ہی بھول گئی ہو اور اس طرح بیگانگی اور دو عملی کا شکار ہو، یہ (مسلمانوں کے لیے) ضروری ہے کہ وہ اپنی اسلامی شناخت کو نچلی سطح سے استوار کریں۔ تمام دنیا میں مذہب کا دوبارہ عروج سیکولرزم، اخلاقی نظریہ اضافیت، ذاتی عیش کوشی اور نظم و ترتیب، کام، تعاونِ باہمی اور انسانی استحکام کے خلاف عمل کا ردِ عمل ہے۔ مذہبی گروہ معاشرتی ضرورتوں کو جن پر نوکر شاہی توجہ نہیں دیتی پورا کرتے ہیں جیسے طبی سہولتیں اور ہسپتال کی خدمات، کنڈر گارٹن اور اسکول، معمر اور ضعیف لوگوں کی خبر گیری، ناگہانی آفات میں فوری امداد، معاشی بدحالی کے دور میں معاشرے کی فلاح و بہبود اور امداد۔ سوئل

Marfat.com

سوسائٹی میں نظم وضبط کے ٹوٹ جانے سے ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے مذہبی جماعتیں پر کرتی ہیں۔ اکثر بنیاد پرست کہلانے والی۔

William McNeill تبصرہ کرتا ہے کہ کسی اور سبب سے زیادہ "اسلام کے ساتھ وابستگی اعادہ چاہے وہ کسی مخصوص فرقہ بندی کے ذریعہ ہو، حقیقتاً مقامی سیاست اور اقدار پر امریکہ اور یورپ کے اثرات سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔" دوسرے معنوں میں غیر مغربی معاشروں میں مغرب مخالف مذاہب کا عروج نو ایک مضبوط اظہار ہے۔"

جدیدیت اور جدت پسندی سے انکار نہیں ہے بلکہ یہ مغرب اور سیکولر طریقہ کار سے انکار ہے جس نے مغرب کو اخلاقی طور پر انحطاط کا شکار بنا دیا ہے۔ یہ مغربی ثقافت سے آزاد ہونے کا ایک اعلان ہے...... ایک فخریہ اعلان کہ "ہم جدیدیت پسند ضرور ہیں، مگر ہم وہ نہیں ہیں جو تم ہو۔"

اسلامی چیلنج، مسلم دنیا میں اسلام کی ثقافت اور سیاست کا دوبارہ ابھرنا ہے اور ساتھ ساتھ مغربی قدروں اور اداروں کا انکار ہے۔ مسلمانوں کے اس تعلق کو مسلم ممالک میں سماجی ترقی اور آبادی کے فروغ نے مضبوط کیا ہے۔ مسلمان ممالک میں آبادی کا فروغ، خاص طور پر ۱۵ سے ۲۴ سال کی افرادی قوت میں اضافے نے، بنیاد پرستی، دہشت گردی، بغاوت اور نقل مکانی کے لیے جوان مہیا کیے ہیں۔ سنگاپور کے کلچر کی یلغار اپنے ساتھ نظم، تہذیب، خاندانی ذمہ داری، مشقت، اجتماعیت، خودنمائی سے گریز، سستی، انفرادیت، کمتر تعلیم، اقتدار کی بے توقیری اور تند مزاجی لائی ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو، مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنی شناخت، مقصد، استحکام، استحقاق، ترقی اور امید کے دائرۂ عمل کو سامنے رکھ کر اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ ان کے لیے اسلام ان کی امید اور ان کے تمام مسائل کا حل ہے۔ اسلام کا عروجِ نو اپنے حدود اور اپنی بصیرت میں اسلامی تہذیب کی مغربی تہذیب کے ساتھ نباہ کی تازہ ترین کوشش ہے، مغربی نظریے میں نہیں بلکہ اسلامی نظریے میں ایک حل تلاش کرنے کی کوشش۔ یہ جدیدیت کو قبول کرنے، مغربی کلچر کو رد کرنے اور جدید دنیا میں اسلام کو ایک طرزِ حیات کے طور پر اپنانے کا عہد تازہ ہے۔

عروجِ نو، اصلاحِ نو سے کلیدی حیثیت میں مختلف ہے۔ موخر الذکر کا اثر و رسوخ زیادہ تر شمالی یورپ میں ہے، جبکہ اسپین، اٹلی اور مشرقی یورپ میں اس کا نفوذ بہت کم ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس، اسلام کا عروجِ نو ہر مسلم معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے شروع ہونے والی اسلامی علامات، یقین، عادات، تنظیمیں، پالیسیاں اور ادارے ساری مسلم دنیا میں زور پکڑ رہے ہیں اور مسلمان ان کے ساتھ تجدید عہد کر رہے ہیں۔ مراکش سے انڈونیشیا تک اور نائیجیریا سے کازغستان تک پھیلے ہوئے ایک ارب مسلمان، ان کے دانشور اور سیاسی زعماء چاہے اس کی حمایت کریں یا نہ کریں، اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے اور ایک یا دوسری شکل میں اسے اپنانے سے گریز نہیں کر سکتے۔ ساری دنیا میں اسلام کے ماننے والوں نے اسلامی اسکول قائم کرنے یا ریاستی اسکولوں میں اسلام کے اثرات کے نفوذ کے لیے کم یا زیادہ خصوصی توجہ دی ہے۔ یہ بات اسلامی اداروں کے لیے ایک اعزاز ہے کہ اپنے تمام تر محدود ذرائع کے باوجود محض اسلام کے ساتھ اپنی بھرپور وابستگی کے طفیل انھوں نے حقیقتاً ایک اسلامی معاشرہ قائم کر لیا ہے جو نہ صرف یہ کہ تیزی سے گرتی ہوئی ناپائیدار سیکولر سول سوسائٹی کے برابر ہے، بلکہ اس سے کہیں آگے ہے اور اپنے دائرۂ عمل میں وسعت پذیر ہے۔

۱۹۹۰ء کے ابتدائی عشرے میں اسلامی اداروں نے مصر میں ایک وسیع نیٹ ورک کا جال بچھا دیا جو صحت، مفادِ عامہ، تعلیم اور دوسری خدمات میں اس کمی کو پورا کر رہا ہے جو حکومت نے ان شعبوں میں غریب مصریوں کو مہیا کی ہیں۔ قاہرہ میں ۱۹۹۰ء کے زلزلے میں، یہ ادارے چند گھنٹوں میں لوگوں کی مدد کو نکل پڑے اور متاثرین کو غذا اور کمبل مہیا کیے جبکہ حکومت اپنی امدادی سرگرمیوں میں بہت پیچھے تھی۔ اُردن میں، اخوان المسلمین نے ایک اسلامی جمہوریت کے سماجی اور ثقافتی میدانوں میں ایک بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کا کام تیزی سے شروع کیا اور ۱۹۹۰ء کے ابتدائی عشرے میں ۴ ملین آبادی کے چھوٹے سے ملک میں ایک بڑا ہسپتال، بیس کلینک، چالیس اسلامی اسکول اور ۱۲۰ قرآنی تعلیم کے مراکز کام کرنے لگے۔ پڑوس میں، مغربی کنارے اور غزہ میں، اسلامی ادارے قائم ہو گئے اور اسٹوڈینٹس یونین، یوتھ آرگنائزیشن اور مذہبی، سماجی اور تعلیمی تنظیمیں قائم کیں، جن میں کنڈرگارٹن سے لے کر اسلامی یونی ورسٹی، کلینکس، یتیم خانے، ریٹائرمنٹ ہاؤس اور اسلامی ججوں اور منصفین کے ادارے بنائے گئے۔

۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں میں اسلامی ادارے پورے انڈونیشیا میں پھیل گئے۔

Marfat.com

۱۹۸۰ء کے ابتدائی عشرے تک عظیم ترین محمدیہ کے ٦ ملین ارکان تھے جس نے ایک سیکولر ریاست میں فلاح و بہبود کی ایک مذہبی ریاست قائم کرلی اور اسکول، کلینک، ہسپتال اور مقامی تنظیموں کے ایک وسیع نیٹ ورک کے ذریعہ تمام طبقوں کی بیش بہا خدمات کا ایک بڑا مرکز مہیا کیا۔ جماعت اسلامی پاکستان نے بھی فلاح و بہبود کے اداروں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا ہے جو صحت، تعلیم، ریسرچ، ریلیف اور آباد کاری کے شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ اس نے ان پاکستانیوں کی دوبارہ آباد کاری میں بیش بہا خدمات انجام دیں جو سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد بے گھر ہوگئے تھے۔ اس نے سندھ میں سیلاب کے متاثرین کو بڑے پیمانے پر امداد مہیا کی۔ جس وقت جمہوری تحریکیں جنوبی امریکہ اور لاطینی امریکہ میں زور پکڑ رہی تھیں اور حکومتیں قائم کر رہی تھیں، اسی وقت مشرقی ایشیا کے ملحقہ علاقوں اور مرکزی یورپ کے مسلم ممالک میں اسلامی تحریکیں طاقت حاصل کر رہی تھیں۔ عیسائی معاشرے میں جابرانہ طرزِ حکومت کے خلاف اسلامی تحریک ایک قابل عمل جمہوری بدل پیش کر رہی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں شہنشاہ حسین نے اسلامی جمہوریت اور ایک جدید اسلام کو قبول کرلیا۔ ۱۹۷۰ء کے اخیر عشرے میں سیکولرزم کے اصول جو اس ملک کی تخلیقی بنیاد تھے، دستور سے خارج کردیئے گئے اور ۱۹۹۰ء کے عشرے کے آخر تک کمال اتاترک کی سیکولرزم کو جو اس ملک کی شناخت تھی، پہلی بار سخت چیلنج کا سامنا ہوا۔

تخلیق کا خدائی منصوبہ:

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد مذہب اسلام گھومتا ہے لیکن اس سے اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کی اہمیت بھی کم نہیں ہوتی۔

عرب کے مشرکین بھی اللہ کی ذات پر یقین رکھتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ یہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے:

> ''ان کی یہ بات حیرت ناک ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد کیا ہم نئے سرے سے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں۔'' (سورۃ الرعد: آیت ۵)

اس بے یقینی کا اللہ نے اس طرح جواب دیا ہے:

Marfat.com

"کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو دوبارہ جوڑ نہیں سکتے۔ نہیں، ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کے پور پور کو بھی بالکل درست حالت میں دوبارہ بنا دیں۔" (سورۃ القیامہ، آیات: ۳۔۴)

لیکن جدید دور کا انسان عرب کے مشرکین سے مختلف نہیں ہے۔ عموماً وہ کسی نظامِ حقیقت پر یقین نہیں رکھتا، جو اسے کسی سائنسی تحقیق یا مشاہداتی تصدیق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ عملاً اللہ اور آخرت کو اپنی سوچ اور اپنے عمل سے خارج کر دینے کے نتیجے میں، جدید انسان اپنی دنیاوی کامیابی اور خوشی ہی پر دارومدار کرتا ہے کہ یہی ابتدا بھی ہے، یہی انتہا بھی اور سائنس اور تجربات کے سمندر پر اس کے طویل سفر نے اسے ایک مخمصے میں ڈال دیا ہے کہ وہ کس طرح معلوم کرے کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ C.E.M.Joad کہتا ہے کہ "کوئی بھی دور اطوار اور اقدار سے اس قدر مکمل طور پر بنجر نہیں تھا جس طرح آج کا جدید دور ہے۔"

شاید جدید انسان کو شک اور مخمصے سے نکالنے کے لیے ہی قرآن کہتا ہے:

"تم دیکھ سکتے ہو کہ یہ وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے اور اپنے عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سورج اور چاند کو اپنے قوانین کا تابع کیا ہوا ہے کہ وہ ایک مقررہ دائرے میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ وہ تمام معاملات کو ایک ضابطے کے ساتھ چلا رہا ہے، تمام تفصیلات کی نشان دہی کرتے ہوئے، تاکہ تم کو اپنے رب سے ملاقات کا پختہ یقین ہو جائے۔" (الرعد، آیت: ۲)

جب ۱۴۰۰ سال قبل، ساتویں صدی عیسوی میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ یہ کشش ثقل کا قانون تھا جو صدیوں بعد دریافت ہوا جس نے اپنے مدار میں اربوں ستاروں اور سیاروں کو جکڑا ہوا ہے (جن میں سے کئی سورج سے لاکھوں گنا وزنی ہیں) اور انھیں ایک دوسرے سے ٹکرانے سے روک رکھا ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب بہت سارے مذاہب کے پیرو سورج اور چاند کی خدا کی حیثیت میں پرستش کرتے تھے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ سورج اور چاند اللہ کے بنائے ہوئے ضابطوں کے پابند ہیں اور ایک مقررہ وقت کے بعد یہ سمیٹ لیے جائیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جب مردے

Marfat.com

دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ اس طرح یہ آیت تخلیق، موت اور دوبارہ زندگی کے خدائی منصوبے کی ہلکی سی جھلک دکھاتی ہے۔

اس وقت کائنات کے بارے میں نظریہ یہ تھا کہ زمین ایک ہموار سطح ہے، جس پر ستاروں کا ایک سائبان ہے اور کائنات زمین کے مرکز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہی بطلیموس کا نظریہ تھا۔ بطلیموس ایک دوسری صدی عیسوی میں مصر کا مشہور ریاضی دان، ماہر فلکیات اور جغرافیہ دان تھا۔

کائنات کا موجودہ سائنسی ماڈل، سورج کے حوالے سے زمین اور سیاروں کی گردش کے مطالعے اور بعد میں افق کے پار ستاروں کی ڈوبتی ہوئی روشنی کے مشاہدے، ریڈیو اسٹرونومی کے فروغ، تابکاری لہروں (Quasars) (۱۹۶۴ء) مائیکرو ویو (۱۹۶۵ء) اور نیوٹرونی ستارے (Pulsars) کی ایجاد (۱۹۶۷ء) سے سامنے آیا ہے۔

Big Bang (زور دار دھماکہ) کا نظریہ اس مفروضے پر قائم ہے کہ ابتدائی مادہ ایک بہت بڑی مقدار میں ایک دھماکے سے پھٹ گیا اور خلا میں دور و نزدیک بکھر گیا، جس عمل سے یہ کائنات وجود میں آئی۔ اس نظریے کی ۱۹۲۰ء کے عشرے میں تشہیر ہوئی اور یہ کائنات کے وجود میں آنے کے عمل کو محض ایک مفروضے کے طور پر وضاحت کرنے کی کوشش ہے۔ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کرتا کہ اس نے کس طرح اور کس حد تک کائنات کو وجود میں لانے کا کردار ادا کیا ہے۔ کیا اس دھماکے میں کسی ذہانت اور عقل کی بھی کارفرمائی ہے۔ یہ نظریہ یہ باور کراتا ہے کہ دھماکے سے پہلے مادّے کا یہ کوہِ گراں اور خلا پہلے ہی اپنا وجود رکھتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون، کس طرح مادّے کے اس انبار اور خلا کو وجود میں لایا۔

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ ستارے اور سیارے جو ایک دھماکے کے نتیجے میں منتشر کر دیئے گئے، کس طرح ایک انتہائی مربوط نظام اور منصوبے کے ذریعہ کام کر رہے تھے؟ کسی ذہانت یا عقل کے بغیر مادّے کے پھٹنے سے ایک نظام وجود میں نہیں آ سکتا۔ انتشار اور نظم ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہ نظریہ زمین اور آسمانوں کے بروئے کار ہونے میں کسی بامعنی اور مفید مقصد کی وضاحت میں بھی ناکام ہے کہ کس طرح سورج سے نکلنے والی روشنی اور حدت، زمین کی اپنے محور پر مدار کے گرد ایک مخصوص زاویے سے اور سورج سے ایک خاص فاصلہ رکھتے ہوئے گردش اور کس طرح فضا

Marfat.com

اور اس سے بلند مختلف لہریں، سورج کی سخت حدت اور نقصان دہ شعاعوں کو چھانتے ہوئے زمین پر بسنے والی مخلوقات کی بقا اور افزائش کے لیے مفید ثابت ہوئی ہیں۔

عظیم دھماکے کا نظریہ کسی حد تک، ایک مخصوص اور واضح انداز میں، خدا کے تخلیقی منصوبے کے دائرے میں آتا ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں بتایا گیا ہے، جس کے مطابق آسمانوں اور زمین کو (ایک تخلیقی اکائی کے طور پر) اکٹھا کیا گیا، اس سے قبل کہ جب اللہ نے انھیں دولخت کر دیا۔ (الانبیاء، آیت ۳۰) عظیم دھماکے کا نظریہ اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں کرتا کہ مخلوقات کس طرح پیدا کی گئیں، جبکہ قرآن کہتا ہے کہ انھیں پانی سے پیدا کیا گیا۔ (الانبیاء، آیت ۳۰) حیاتیات کی سائنس کی تازہ ترین دریافت نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلیے کا ذی حیات حصہ جو تمام جانداروں کا سب سے اہم حصہ ہے، ۸۰ سے ۸۵ فیصد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

جہاں Big Bang کا نظریہ کائنات میں توازن، ترتیب، نظم، حسنِ تشکیل کی وضاحت میں جو افزائش کے لیے ضروری محرک ہیں، خاص طور پر انسان کی نمو اور افزائش کے لیے، مکمل طور پر ناکام رہا ہے۔ قرآن اس خلا کو پر کرنے کے لیے اللہ کی مرضی اور منصوبے کی حقیقت کو سامنے لایا ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے مادّے کو منتشر کیا ہے۔ (الانبیاء، آیت ۳۰) اور یہ کہ یہ محض ایک حادثہ یا اندھا امکان نہیں ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو علیحدہ علیحدہ کیا اور کائنات کو وجود میں لایا۔

۱۹۲۰ء کے عشرے میں عظیم دھماکے کے نظریے کے سامنے آنے سے پہلے، سترھویں صدی میں نیوٹن کے نظریے نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں مدد دی کہ یہ خدا ہی ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی اور اس کے بعد اس نے نظم، حرکت، حسنِ تشکیل کے اپنے قوانین بنائے، کائنات نے ان قوانین کی محض پیروی کی۔ (یہ سب کچھ کرنے کے بعد) وہ ایک طرف ہو گیا اور کائنات کی کارگزاریوں کو اپنے بنائے ہوئے قوانین کے دُور سے دیکھ رہا ہے۔ دوسری طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ اللہ نے کائنات کی صرف تخلیق نہیں کی بلکہ مستقل طور پر اس کے معاملات چلا رہا ہے۔ (الرعد، آیت ۲)

ساتویں صدی عیسوی میں جب قرآن نے کائنات کی اصلیت سے پردہ اٹھایا تو اس سے قبل یونان، مصر اور ہندوستان کے دیو مالائی عقاید کے علاوہ کائنات کے بارے میں واضح اور مستقل نظریے کا وجود نہیں تھا۔ اس لیے، کائنات کے نظام کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ا

Marfat.com

کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ کائنات کو تخلیق کیا بلکہ اپنی مرضی اور منصوبے کے تحت اسے چلا بھی رہا ہے۔

قرآن پاک کہتا ہے: آسمانوں میں، جسے اللہ نے تخلیق کیا ہے، کوئی خامی یا خلا نہیں ہے۔ (سورۃ ق، آیت ٦) نظم، حرکت اور حسن تشکیل کے قوانین جو آسمانوں میں کام کر رہے ہیں، وہ کسی عیب یا خامی کے بغیر ریاضی کے اعلیٰ ترین معیار پر ہیں۔ ریڈیو آسٹرونومی کے ماہرین نے ایک کہکشاں دریافت کی ہے جسے انھوں نے ذریعہ (Source) کا نام دیا ہے اور روشنی کی رفتار سے چلنے والی ان شعاعوں کو بھی دریافت کیا ہے جنھوں نے زمین تک پہنچنے میں چار ارب سال لگائے ہیں۔

جاپانی سائنسدانوں نے کچھ دوسری شعاعیں دریافت کی ہیں جنھوں نے زمین تک پہنچنے میں ۱۵ ارب نوری سال لگائے۔ کس طرح یہ شعاعیں زمین تک پہنچنے میں اتنا طویل فلکیاتی راستہ طے کر سکتی ہیں جب تک قدرت کے وہی بے عیب قوانین ان سیاروں سے زمین تک کام نہ کر رہے ہوں۔ کیا یہ قوانین اس تسلسل اور ہمواری سے آسمانوں سے زمین تک بغیر خدائی حکمت اور طاقت کے کام کر سکتے ہیں؟

کس طرح یہ شعاعیں اربوں نوری سال کا فلکیاتی فاصلہ بغیر کسی انحراف، قطع و برید اور نقصان کے طے کر سکتی ہیں جب تک تخلیق کا ایک ہی قانون بغیر کسی خامی کے اوپر ستاروں تک اور نیچے زمین تک یکساں کام نہ کر رہا ہو؟ اللہ جس نے اتنے سارے بڑے بڑے اجسام فلکی، ہر عیب سے پاک، تخلیق کیے اور انھیں ایک نظم میں رکھا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے اور کائنات کی دوبارہ تخلیق کرے؟

جب کہ قانونِ قدرت پر عبور حاصل کر کے انسان نے بہت ساری چیزیں اپنے آرام و آسائش کی بنالی ہیں یہ قوانین اس کی اس معاملے میں رہنمائی نہیں کرتے کہ اخلاق کیا ہے، غیر اخلاقی کیا ہے، خوبیاں کیا ہیں، برائیاں کیا ہیں، اور کس طرح انسان اور انسان کے درمیان ایک مثالی رشتہ قائم ہو سکتا ہے؟ C.E.M.Joad نے قانون عطا کرنے والے کی اس بخشش کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس نے اخلاقی قوانین وضع کیے ہیں اور کائنات کی تنظیم کی ہے۔ Joad نے مزید کہا ہے کہ ساری تخلیقات، انسان، کائنات اور اخلاقیات اپنا وجود اور اپنا مقصد حیات ایک خالق کی

Marfat.com

طرف سے حاصل کرتے ہیں اور وہ خالق ایک ہی ہے...... قادر اور علیم وخبیر۔

موت کے بعد زندگی کا عقیدہ:

آخرت کا یقین اور اپنے دنیاوی عمل کے لیے اللہ کے آگے جواب دہی اسلامی فکر اور طرزِ حیات کا سب سے اہم اور اعلیٰ وصف ہے۔

عرب کے بے دین لوگ اللہ کا تو یقین رکھتے تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے، لیکن انتہائی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے آخرت کا انکار کرتے تھے، یعنی یہ کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور دنیا میں جو کچھ انھوں نے کیا اس کا اللہ کے سامنے جواب دینا ہوگا، جیسا کہ قرآن پاک کہتا ہے:

''اور جب ان کے سامنے ہماری آیات کھول کھول کر بیان کی جائیں تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ وہ کہتے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہ سچ ہے تو ہمارے آباؤاجداد کو واپس لے آؤ۔'' (الجاثیہ، آیت ۲۵)

مزید یہ کہ:

''اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد کیا وہ واقعی دوبارہ پیدا کیے جائیں گے اور اٹھا لیے جائیں گے؟'' (السجدہ، آیت ۱۰)

اور اس کے علاوہ؛

''اور وہ یہ کہتے ہیں، اس دنیا میں ہماری زندگی کے علاوہ اور کیا ہے؟ ہم مرجائیں گے اور ہم زندہ رہتے ہیں، ہاں وقت ہمیں تباہ کر سکتا ہے۔'' (الجاثیہ، آیت ۲۴)

بے دین لوگوں کے زندگی اور موت کے بارے میں عقاید اور آخرت سے انکار کا اللہ یوں جواب دیتا ہے:

''کہہ دیجیے کہ یہ اللہ ہی ہے جو تمھیں زندگی دیتا ہے اور پھر تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمھیں فیصلے کے دن دوبارہ اکٹھا کرے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔'' (الجاثیہ، آیت ۲۶)

آخرت کے خلاف بے دین لوگوں کے دلائل کی گونج آج کے بے دین حضرات کے دلائل

Marfat.com

میں سنی جاتی ہے جو ایسی کسی حقیقت کو نہیں مانتے جسے کسی سائنسی مشاہدے یا تجربے سے ثابت نہ کیا جا سکے۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب سے زمین پر انسان کا وجود ہے ایسا کوئی ایک واقعہ بھی رونما نہیں ہوا ہے کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوا ہو اور نہ ہی کسی ایسے واقعے کا ریکارڈ ملتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ پیدا ہو گیا ہو اور اس نے بتایا ہو کہ موت کے بعد اس پر کیا گزری، میڈیکل سائنس بھی اس کی نفی کرتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے زندہ ہو جانے کا کوئی امکان ہے۔

بہر حال، یہ بات مکمل طور پر درست نہیں کہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ درج نہیں، جب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔ قرآن میں اصحاب کہف کی مثال موجود ہے جو ایک طویل مدت کی نیند کے بعد جاگ اٹھے تھے اور بعض ذرائع کے مطابق یہ مدت ۳۰۹ سال تھی۔ (الکہف، آیت ۲۵)

گبن (Gibbon) اپنی تصنیف سلطنت روم کا زوال (Decline and Fall of Roman Empire) کے باب ۳۳ میں ایک انتہائی معتبر حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ روم کے بادشاہ ڈیشس (Decius) کے دور میں (251-AD-248) جو عیسائیوں پر ظلم کرنے پر بہت بدنام ہے۔ عیسائی Ephesus سے فرار ہو کر ایک پہاڑ کے غار میں چھپ گئے اور صدیوں وہاں سوئے رہنے کے بعد بادشاہ Theo-dosius (408-450 AD) کے دور میں پیدا ہوئے۔

قرآن پاک کہتا ہے کہ اس واقعے کی تشہیر اس لیے کی گئی کہ ”لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ فیصلے کے دن کے بارے میں کسی کو کوئی شک نہ رہے۔“ (الکہف، آیت ۲۱) زندگی کے بعد موت اور یوم آخرت کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

جدید دور کے لادینوں کے دلائل میں عرب کے بے دین (مشرکین) لوگوں کی صدائے بازگشت بڑی واضح ہے اور دونوں ایک ہی الجھن میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے بے دین لوگوں کے دلائل کا جواب یوں دیا ہے: ”فیصلے کے دن وہ سبھوں کو اکٹھا کرے گا۔“ اس نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ انھیں اس دنیا میں اکٹھا کرے گا۔

Marfat.com

دنیا میں رائج جسمانی قوانین کا یقینی طور پر فیصلے کے دن پر اطلاق نہیں ہوگا، جو اس وقت واقع ہوگا جب آسمان وزمین دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔

انسان کی زندگی اور موت کیا ہے؟ صرف حیاتیاتی زندگی جو موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن روحانی زندگی نہیں، جو موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

اللہ نے انسان کی تخلیق کے بارے میں کہا ہے: ''لیکن ہم نے اسے ایک تناسب میں بنایا اور اپنی روح میں سے کچھ اس میں پھونک دیا۔'' (السجدہ، آیت ۹)

روح میں سے کچھ کو موت ختم نہیں کرسکتی کیونکہ اسے اللہ نے انسان کے جسم میں پھونک دیا ہے اور جو اس کے جسم کے ساتھ رہتی ہے اور جیسے ہی انسان مرجاتا ہے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور اس کے ساتھ دفن ہونے کے لیے دستیاب نہیں ہوتی۔ کیا ہوتا ہے اس روح کے ساتھ؟ قرآنِ پاک اس پر روشنی ڈالتا ہے:

> ''ملک الموت تمھاری روح قبض کرنے کے لیے ذمہ دار بنایا گیا ہے، وہ تمھاری روح کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے تاکہ وہ اسے تمھارے رب کے حضور پیش کرے۔''

(السجدہ، آیت ۱۱)

یہ انسان کی روح ہے جو اس کے ضمیر کی مخبر ہے اور جسے فرشتۂ موت اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور قیامت کے دن یہ روح دوبارہ انسان کے جسم میں ڈال دی جائے گی، اللہ کے حضور پیش ہونے سے قبل، جہاں انسان کو دنیا میں کیے ہوئے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

سائنس نے اس کو ثابت کردیا ہے کہ اس دنیا میں انسان کے کیے ہوئے تمام کام اور اس کی کی ہوئی باتیں فضا میں بکھری رہتی ہیں اور انھیں دوبارہ واپس لایا جاسکتا ہے اور سنایا جاسکتا ہے۔ پھر ''جس نے بھی ایک ذرے کے برابر نیکی کی ہو، اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی اس کا اسے بدلہ ملے گا۔'' (الزلزال، آیت ۷۔۸)

آخرت اور اللہ کے سامنے جواب دہی کے یقین سے محروم انسان دنیاوی جذبات اور خواہشات میں مکمل طور پر گھر جاتا ہے اور اس کا سارا عمل اپنے وجود، دنیاوی نفع ونقصان اور لوگوں کے مفاد کے تابع ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

آج کے دانشورانہ اور فلسفیانہ ماحول میں وہ اخلاقی کارگزاریاں جو فطری طور پر اچھی ہیں اور وہ غیر اخلاقی حرکتیں جو فطری طور پر خراب ہیں، اپنے نتائج سے قطع نظر...... مکمل طور پر لاتعلق اور بے اثر دکھائی دیتی ہیں۔

ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے جو نتائج کی پروانہیں کرتے اور جو آخرت کا اور اللہ کے آگے جواب دہی کا یقین نہیں رکھتے، اللہ کی خفگی کا اس طرح اظہار کیا گیا ہے:

"اب مزہ چکھو کہ تم نے اللہ سے ملاقات کے آج کے دن کو بھلا دیا تھا اور ہم بھی تمھیں بھلا دیں گے، اپنے بڑے اعمال کی سزا کا نہ ختم ہونیوالا مزہ چکھو۔"

(السجدہ، آیت ۱۴)

قیامت کے دن کا مقصد ومنتہا یوں بیان کیا گیا ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا، ان کے لیے باغات ہیں اور جنھوں نے فسق کیا ان کے لیے نارِ جہنم۔" (السجدہ، آیات ۱۹-۲۰)

انسان کے اچھے اور برے اعمال کی جزا کو قیامت تک کیوں موقوف رکھا گیا ہے، جب کہ اس وقت تک برے لوگ پھلتے پھولتے رہیں گے اور نیک لوگ مصائب سہتے رہیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ برے اور اچھے اعمال کے نتائج انسان کی موت کے کہیں بعد تک قائم رہتے ہیں، اس لیے اچھے اور برے اعمال کے نتائج کا جائزہ اسی وقت لیا جا سکتا ہے جب تک یہ اپنا دائرہ مکمل نہ کرلیں جو بعض حالات میں اسی وقت ممکن ہے جب یہ دنیا ختم ہو جائے۔

قیامت کے ساتھ ساتھ یہ دنیا بھی تہہ کر دی جائے گی اور ایک نئی دنیا وجود میں آ جائے گی۔

قرآن اعلان کرتا ہے:

"قیامت کے دن آسمان اس طرح لپیٹ دیئے جائیں گے، جس طرح کتابوں کے لیے کاغذ لپیٹے جاتے ہیں، جس طرح ہم نے پہلی تخلیق کی تھی، اسی طرح ہم نئی تخلیق بھی کریں گے، ایک وعدہ جو ہم نے کیا ہے اور جو ہم بالیقین پورا کریں گے۔"

(سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۴)

آسمان کے لپیٹ دیئے جانے کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

Marfat.com

''جب آسمان پھٹ جائے گا، جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے......'' (الانفطار، آیت ۱)

قیامت کے دن کو ٹھیک طرح سمجھنے کے لیے اس بات کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ قیامت اس ایک نئی وجود میں لائی گئی دنیا میں برپا ہوگی جس کے قوانین آج کی دنیا کے قوانین سے بالکل مختلف ہوں گے۔ لہٰذا فیصلے کے دن اور اس کے بعد کی روداد کا تصور بہت سارے لوگوں کے ذہن میں سما نہیں سکتا، اگر اسے موجودہ دنیا کے قوانین کے حوالے سے سمجھا جائے۔

یہ کہ فیصلے کے دن تمام کی تمام کائنات لپیٹ دی جائے گی، محض ایک واہمہ یا اندھا مذہبی عقیدہ نہیں ہے۔ تھرموڈائنامکس کے تیسرے قانون (3rd Law of Thermodynamics) اور حرارت کی مساوی تقسیم کے نظریے نے قرآن کے دعوے کی مزید توثیق کر دی ہے۔

اسلام اور عقلیت:

ابھرتے ہوئے ایک مکتبہ فکر کا اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن وسنت کی وقت کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق نئے طور سے تعبیر کی جائے تا کہ جدید ذہن کے عقل وشعور کو مطمئن کیا جا سکے۔

پودوں اور سیاروں کے برعکس جو اپنی کوئی آزاد خواہش نہیں رکھتے بلکہ انھیں ایک مقررہ راستے پر چلنا ہوتا ہے، انسان کی زندگی اور کارکردگی زیادہ تر اس کی اپنی خواہش کے تابع ہوتی ہیں اور اکثر حالات میں ان کے بارے میں کوئی پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔

جو لوگ عقلیت کے حق میں دلائل دیتے ہیں، وہ انسان اس کے خیالات، عقاید اور رجحان کے مطالعے میں سائنس اور عقلیت کی محدودیت کو اہمیت نہیں دیتے یا نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اسلام اس یقین کے ساتھ بندھا ہوا ہے کہ اللہ موجود ہے، وہ ایک اور صرف ایک ہے اور تسلسل سے تمام موجودات کو اپنے منصوبے اور مرضی کے مطابق قائم رکھے ہوئے ہے اور انھیں ایک ضابطے کے تحت چلا رہا ہے۔ انسانیت کی رہنمائی اور نجات کے لیے وہ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں کو بھیجتا رہا ہے۔ انسان کو ان پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہیے، کیوں کہ دنیا میں کیے ہوئے اپنے عمل کا یومِ آخرت کے موقع پر اللہ کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

اللہ کا وجود، نبوت اور خدائی احکامات اسلام کی بنیادیں ہیں اور بنیادی طور پر ان کا تعلق ایمان،

Marfat.com

عقیدہ اور روحانی بصیرت سے ہے، کسی سائنسی تحقیق یا عقلی توجیہہ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ جس طرح اخلاقی اقدار سچائی، صبر، ہمت، ہمدردی، مشاورت، انصاف، حسن اور مسرت کی توجیہہ کسی سبب یا عقلی دلائل سے نہیں کی جاسکتی۔

Kant کہتا ہے: اخلاقی قدروں کا تعلق ایک بالکل دوسری حقیقت سے ہے۔ یہ خود اپنی منتہا ہیں اور خود اپنے مفاد میں مطلوب ہیں۔ C.E.M.Joad اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتا ہے جب وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ اخلاقی قدریں ایک ذہنی کیفیت سے بھی آگے کی بات ہے، جسے حسنِ اخلاق کے طور پر جانا جاتا ہے بلکہ حسن اخلاق کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہ امر اس قانون ساز کی طرف اشارہ کرتا ہے جس نے کائنات کے لیے اخلاقی قوانین وضع کیے اور انھیں ترتیب دیا۔

امام غزالی کے مطابق اس دنیا میں اسباب و اثرات میں تعلقات نہ خودکار ہیں اور نہ ناگزیر بلکہ اللہ کی مرضی سے وجود میں آتے ہیں، اسی لیے جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو وہ انھیں جلانے کی بجائے ان کے لیے گلزار بن گئی۔ عظیم صوفی حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے کہا ہے زندگی کی حقیقت کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے نظریہ تنویر ایک ذریعہ ہے جو تعقل اور وجدان کو باہم مربوط کرتا ہے۔

نیوٹن نے کشش ثقل کے قوانین کسی سائنسی تجربے سے نہیں بلکہ اپنی روحانی بصیرت اور روشنی سے وضع کیے۔ عظیم اسلامی مفکر حضرت سہروردیؒ کے مطابق اسباب یا عقلیت زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلو کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے لیے کافی نہیں۔ توانائی کے نظریے (Quantum Theory) کی تعریف اس سوال کے گرد گھومتی ہے کہ کیا دو واقعات کے درمیان تعلق محض اتفاقی ہے؟ کس حد تک اسباب دنیا میں رونما ہونے والے واقعات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور کس حد تک ان واقعات کی پیشگوئی کی جاسکتی ہے؟

دونوں (نیوٹن اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ) یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا ایک واقعہ دوسرے واقعے کا سبب ہوتا ہے یا یہ واقعات کسی بیرونی طاقت کے سبب ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ دونوں اس سے انکار کرتے ہیں کہ دنیا میں چیزوں کی حرکت و عمل محض عارضی قوانین کے سبب نہیں ہوسکتے۔ غزالی کے نزدیک خدا قادر مطلق ہے اور اس لیے کسی بھی شے کو وجود میں لاسکتا ہے۔

Marfat.com

نظریۂ توانائی کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ طبعی قوانین کی بنیاد پر کسی بھی شے کے عمل کے بارے میں کوئی پیشگوئی کی جاسکتی ہو۔

یوں عقلیت اور سائنسی علم دنیا کو ایک مثالی روشن راہ دکھانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں اور جو مختلف مقاصد اور نمونے سائنس اور عقلیت نے پیش کیے ہیں باہم متصادم اور حریفانہ ہونے کے سبب ان سے فساد، تشدد، خون ریزی، موت اور تباہی کی راہیں کھل گئی ہیں۔ لہٰذا، یہ بات بالکل عیاں ہے کہ خدا کی رہنمائی اور خوشنودی کے بغیر انسان کے لیے مسرت واطمینان کے ساتھ صحیح سمت میں چلنا ممکن نہیں۔ اور یہ راستہ خدا کے تخلیقی منصوبے کا ادراک کیے بغیر مل نہیں سکتا۔

اس کائنات کا وجود میں آنا کوئی حادثہ نہیں تھا۔ یہ کائنات یوں ہی نہیں پیدا ہوگئی ہے بلکہ یہ اللہ کی مرضی اور اس کے منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے، جس میں رحم، ہمدردی اور انصاف دوسری چیزوں پر حاوی ہیں۔

اللہ کے تخلیقی منصوبے کی جھلک قرآن کی ان آیات میں دیکھی جاسکتی ہے:

(۱) ''تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا یہ وعدہ سچا اور پختہ ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تخلیق کا عمل شروع کیا اور اسے دہرایا۔ وہ انھیں اچھا اجر دے گا جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، لیکن جن لوگوں نے کفر کیا انھیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور سخت عذاب ملے گا، کیوں کہ انھوں نے اس کا (اللہ کا) انکار کیا۔''

(سورۂ یونس، آیت ۴)

(۲) ''اور ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے حق کے ساتھ پیدا کیا اور قیامت یقینی طور پر آنے والی ہے۔'' (الحجر، آیت ۸۵)

(۳) ''اور اس نے موت اور زندگی کی تخلیق کی، تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہترین ہے۔'' (سورۃ الملک، آیت ۲)

یہ آیات ان حقائق کو آشکارا کرتی ہیں جنھیں کوئی سائنسی تحقیق یا فلسفیانہ موشگافی ظاہر نہیں کرسکتی۔

سائنسی تحقیق کی محدودیت پر تبصرہ کرتے ہوئے Ian Sample کہتا ہے: ''ہر چیز کا نظریہ

Marfat.com

ہمیشہ کے لیے ہماری گرفت سے باہر ہوسکتا ہے۔ کیمرج یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر Stephen Hawking اپنی تصنیف Brief History of Time. میں کہتا ہے کہ کسی ایسی چیز کے دریافت کرنے میں سائنسدانوں کی سوچ بدلی ہے۔ ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ ہم کبھی کائنات کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ سائنسی عزم وارادہ میں ہر چیز کا نظریہ حتمی ہوگا۔ اگر ہم کائنات میں گردش کرنے والے ہر ذرہ کا مقام اور اس کی رفتار کو جان جائیں اور فزکس کے ان قوانین کو بھی سمجھ لیں جن کے یہ تابع ہیں تو یہ مساوات کس قدر مضبوط ہوگی کیونکہ ان کو سمجھ لینا اللہ کی منشا کو سمجھ لینا ہوگا۔ اللہ نے ریاضی کی ایسی بہت ساری بھول بھلیاں پیدا کی ہیں جن کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکا۔ Paul Hawkin نے اپنی کتاب The End of Physics میں لکھا ہے کہ کس طرح ریاضی دان Kurd Gadel نے ہر شے کے نظریے (Thoery of Everything) کو مکمل طور پر مسترد کردیا ہے۔

سائنس اپنے تمام تر کرشموں کے باوجود موت کے بعد کی صورتِ حال کا ادراک نہیں کرسکی۔ قرآن کہتا ہے کہ موت زندگی کی طرح تخلیق کی گئی ہے تاکہ انسانوں کی آزمائش کی جاسکے اور یہ معلوم ہوسکے کہ ان میں بہترین کون ہے؟ (الملک، آیت ۲)

تخلیق کی حقیقت واضح کرنے کے بعد، اللہ نے انسان کی تخلیق کے مقصد پر روشنی ڈالی ہے کہ: ''وہ تمہیں آزمائے گا، جس طرح تم سے قبل بہتوں کو آزمایا ہے۔'' (آیت ۶) ''ہم نے ان کے بوجھ کو جن میں وہ دبے ہوئے تھے، ہٹا دیا۔'' (الاعراف، آیت ۱۵۷)...... ''لہٰذا مقابلے کی دوڑ میں جدوجہد کرتے رہو، تم سبھوں کی منزل اللہ ہونی چاہیے۔'' (المائدہ، آیت ۵۱)...... ''ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔'' (البلد، آیت ۴)...... ''کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے سعی کی۔'' (النجم، آیات ۳۸، ۳۹)...... ''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود (اپنے آپ) کو نہ بدلے۔'' (العنکبوت، آیت ۶۹)...... ''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا...... اور ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راہ دکھادی، چاہے، وہ شکر کرنے والا ہے یا ناشکرا۔'' (الدھر، آیات ۲۔۳)

Marfat.com

انسانی مساوات اور اس کی تکریم کے بارے میں خدائی دستور العمل بڑی وضاحت سے قرآنِ پاک کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

''یہ وہ ہے جس نے تمھیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ زمین پر اس کا وارث۔ تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں بلند درجہ عطا کیا ہے، تاکہ تمھاری آزمائش کرے، ان نعمتوں سے جو اس نے تمھیں عطا کی ہیں۔'' (الانعام، آیت ۱۶۵)

اللہ کے اعلان کے مطابق، پوری انسانیت، مذہب، نسل، ذات، رنگ، علاقے اور ملک کی تمیز کے بغیر اللہ کی نمائندہ ہے اور زمین پر اس کی وارث۔ اللہ کا یہ تخلیقی منصوبہ آدمی اور آدمی میں کوئی تفریق نہیں رکھتا، لیکن اس مساوات میں، بعض کو درجے میں بلند کیا گیا ہے اور دنیا کے کاروبار میں رنگارنگی اور تنوع پیدا کیا گیا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ کسی کی دوسرے پر حیثیت میں برتری اس کے لیے کوئی رعایت یا من مانی کرنے کا پروانہ نہیں ہے بلکہ ایک آزمائش ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی سوا مشکل ہے۔

حیثیت اور درجے میں کسی کی برتری، ذمہ داری اور اللہ کے آگے جواب دہی سے مشروط ہے اور اس طرح اللہ نے انسانی معاشرے کو متوازن رکھنے کے لیے ایک طرف مساوات و انصاف کو رکھا ہے تو دوسری طرف بہتر کارکردگی اور پیداواری صلاحیت کو۔

اسی طرح انسانی آزادی کے بارے میں اللہ کا فرمان قرآنِ پاک میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (الاعراف، آیت ۱۵۷)۔ اللہ کے فرمانِ آزادی کے مطابق انسان کو انسان کی لگائی ہوئی پابندی اور حاکمیت سے آزاد رکھا گیا ہے اور یہ انسان کے انسان کے ہاتھوں استحصال کے خلاف مضبوط ترین ضمانت ہے۔

مغربی پریس میں اسلام کی بنیاد پرستی کے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈہ مہم چلائی گئی ہے، اس بناء پر کہ مسلمان ممالک جنھوں نے اسلامی بنیاد پرستی کو اپنا لیا ہے انھوں نے غیر مسلموں کے ساتھ فساد اور تصادم کا ایک مستقل رویہ اپنایا ہوا ہے۔ ان کے بالکل برعکس جب تک اسلامی ممالک ملکوں کے درمیان اور بین الاقوامی معاملات میں قرآن و سنت کے احکامات کی پیروی

Marfat.com

کرتے رہیں گے، ایسے کسی خدشے کی کوئی وجہ نہیں۔ بین الاقوامی تعلقات سے متعلق انتہائی اہم اور واضح حکم قرآن میں یوں درج ہے:

''اللہ تمھیں (اس بات سے) نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرو جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور جنھوں نے تمھیں گھروں سے نہیں نکالا۔ اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الممتحنہ، آیت ۸)

یہ آیت بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کے لیے ایک تفصیلی خاکہ مہیا کرتی ہے۔ یہ مسلمانوں پر لازم کرتی ہے کہ ان تمام لوگوں اور ممالک کے ساتھ مروّت اور انصاف کا معاملہ رکھیں، جنھوں نے اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کیا ہو اور نہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے درپے رہے ہوں۔ اس اساس کے ہوتے ہوئے جو ممالک یا اقوام، اسلام یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے انھیں کسی خدشے کی ضرورت نہیں۔ بین الاقوامی معاملات کو چلانے کے لیے اس اسلامی حکم کی موجودگی میں، جنگ اور دشمنی کو ہوا دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

مندرجہ بالا آیت برابری، آزادی اور انصاف پر مبنی ایک عالمگیر معاشرے کے قیام پر بڑی واضح روشنی ڈالتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں درج ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ایسے معاشرے کے قیام کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح عالمگیر معاشرے کے واضح تصور کے ہوتے ہوئے کسی اختلاف یا مخالفت کی کوئی معقول وجہ ہے؟ کیا اس طرح کے تصور کو وقت گزرنے کے ساتھ ایک روایتی بات سمجھ لینا چاہیے؟ کیا یہ بات انسانیت کے مفاد میں نہیں ہوگی کہ مغرب اسلامی بنیاد پرستی کی مخالفت سے خود کو نکال لے اور اسلام کے ساتھ تعاون اور معاملہ فہمی کی طرف آجائے؟

یہ کہیں بہتر ہوتا کہ مغرب اسلام کے اسپین میں اس تاریخی کردار کو یاد کرتا جو اس نے سائنس اور دوسرے علوم کے فروغ اور تہذیب و تمدن کے شعبوں میں ادا کیا تھا اور جو اب یورپ کا ایک ورثہ ہے۔ The Cambridge History of Islam. میں اسلام کے اس کردار پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے: قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں مسلم تہذیب نے ہر شعبۂ علم، فلسفہ، طب، ریاضی، فلکیات اور علم نجوم میں حقیقتاً ایک استاد کا کام کیا ہے۔ یہاں بھی مغرب کی قدیم یونانی

Marfat.com

روایتوں کو اسلام کے مطالعے، اسلامی سائنس اور تجربے نے یورپ کو ایک ورثہ عطا کر دیا اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ بہت سارے تکنیکی الفاظ عربی زبان سے لاطینی اور مغربی یورپ کی دوسری زبانوں میں منتقل ہوئے۔

Will Durant اپنی یادگار تصنیف Story of Civilization Vol-II میں سائنس اور ٹیکنالوجی، تہذیب اور تمدن کے شعبوں میں اسلام کی رہنمائی کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے: ''پانچ صدیوں تک ۷۰۰ء سے ۱۲۰۰ء تک اسلام نے طاقت، نظام حکومت، زندگی گزارنے کے معیار، دانشوری، سائنس، طب اور فلسفے میں دنیا کی رہنمائی کی ہے۔ اسلام کے فن اور ادب کا قرونِ وسطیٰ کی عیسائیت کے مقابلے میں زیادہ حصہ رہا ہے۔

Arnold Toynbee نے اپنی کتاب Civilization on Trial میں اسلامی تہذیب کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، جس نے نسلی تفریق اور منافرت کو مکمل طور پر ختم کر دیا تھا۔ وہ کہتا ہے: ''دنیا کی مشکل سے کوئی ایسی نسل ہوگی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو اور جس کے نتیجے میں ایک اُمت وجود میں آ گئی۔'' عیسائیت عالمگیر اخوت کی اپنی تمام تر تبلیغ کے باوجود ''مختلف قومیتوں اور نسلوں کو آپس میں ملانے اور مدغم کرنے میں بہت پیچھے رہی ہے، خاص طور پر کالے اور گورے کی تفریق مٹانے میں۔''

امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن تک اپنی کتاب Seize the Moment میں کہتے ہیں: ''مادیت اور مغربی تہذیب کی اخلاقی آزاد خیالی سے مسلمانوں کا انکار ان کے لیے وجہ افتخار ہے۔'' اور Bernard Lewis ایک مسلمہ دانشور ہے جو بنیاد پرست اسلام کا سخت ناقد ہے تسلیم کرتا ہے کہ: ''اسلام نے مختلف نسلوں کے لوگوں کو بھائیوں کی طرح رواداری کے ساتھ رہنا سکھایا ہے۔ گویا کہ اسلام ایک عظیم تہذیب ہے جو مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کو بھی ایک تخلیقی اور مفید زندگی گزارنے کا جذبہ عطا کرتی ہے اور جس نے اپنی کامیابیوں سے پوری دنیا کو مالا مال کیا ہے۔''

بہت سے دوسرے غیر مسلم جو اسلام اور مسلمانوں کی طرف موافق جھکاؤ نہیں رکھتے علم شواہد اور تاریخ کے تقابلی مطالعے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معاشرے کو انسان دوست

Marfat.com

اور مہذب بنانے میں اس مذہب اور اس کے ماننے والوں کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن مغرب میں عام تصور جس کی بنیاد متعصب پروپیگنڈے پر ہے، خاص طور پر یہودیوں کی طرف سے، زیادہ تر جانبدارانہ رہا ہے۔

قرآنِ پاک یہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ ربّ ہے، سارے جہانوں کا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں، سارے جہانوں کے لیے۔ قرآن مزید اعلان کرتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں ہے ...... جب اسلام کا موجودات کے بارے میں اور مذہب کے بارے میں یہ تصور ہو تو پھر اس کی گنجائش کہاں ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا جائے یا دھوکا دیا جائے۔ پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے مقصد اور اس کے دائرۂ کار کو قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے جو ظلم اور جبر سے کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کو مسترد کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"بالکل سیدھی اور صاف صاف بات ہے کہ اللہ کی طرف سے جو عذابِ شدید نازل ہونے والا ہے، اس سے (اللہ کا نبی) خبردار کردے اور جو اہل ایمان ہیں اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان کو اچھے اجر کی خوش خبری سنادے۔" (الکہف، آیت ۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن اسی حد تک ہے کہ وہ کافروں کو اللہ کے عذابِ شدید سے خبردار کردیں ...... اور خود کسی طور پر انھیں سزا نہ دیں ...... جس طرح اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو بہتر زندگی اور آخرت میں انعام کی خوشخبری سنائیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی قرآن کی اس آیت میں مزید وضاحت کردی گئی ہے:

"(اے لوگو!) ہم نے تم پر ایک رسول بھیجا ہے، تم پر گواہ بنا کر۔"

(المزمل، آیت ۱۵)

پیغمبر اسلامؐ کو ایک گواہ بنایا گیا ہے نیک کام کرنے والوں کے لیے اور برے کام کرنے والوں کے خلاف۔ یہاں بھی، پیغمبرؐ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں سے باز پرس کریں جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریں۔

درج ذیل آیت میں اللہ نے وضاحت سے پیغمبرؐ کو کافروں کو طاقت کے ذریعہ مسلمان

Marfat.com

بنانے سے روکا ہے اور الٰہی مشن کو پورا کرنے کے لیے ان سے کہا گیا ہے کہ وہ صرف لوگوں کو
خبردار کردیں: ۱۰

''یہ لوگ جو باتیں کر رہے ہیں، ہم انھیں خوب جانتے ہیں اور آپؐ ان پر جابر تو نہیں۔ آپؐ کا کام تو یہ ہے کہ آپؐ ہر اس شخص کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیں جو ہماری تنبیہ سے ڈرتا ہے۔'' (ق، آیت ۴۵)

مندرجہ ذیل آیت میں پیغمبرؐ کے مشن کو بہت تفصیل سے بیان کردیا گیا ہے:

''پس اے پیغمبرؐ، آپؐ ان کو نصیحت کرتے رہیں کہ آپؐ ان پر نصیحت کرنے والے ہی ہیں، داروغہ نہیں۔'' (الغاشیہ، آیات: ۲۱، ۲۲)

یہاں پیغمبرؐ کو سختی سے منع کیا گیا ہے کہ وہ نصیحت و فہمائش سے آگے نہ بڑھیں...... ان کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں دخل دیں، وہ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ لوگوں پر اللہ کی مرضی مسلط کریں اور ان پر سختی سے اسلام نافذ کریں۔

ان آیات نے کافروں کو ذاتی آزادی دی ہوئی ہے، ان سارے احکامات کی پیغمبرؐ نے پیروی کی اور سختی سے ان پر عمل کیا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو معافی دے دی۔ انھیں بھی جنھوں نے آپؐ کو ستایا تھا۔ اس سے قبل بھی، جب پیغمبرؐ کو مکہ میں قحط کی خبر ملی تو آپؐ نے ان کے لیے غذا بھیجی، حالاں کہ وہ ان کے جانی دشمن تھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ وہ اپنی اس ماں سے کیسا برتاؤ کریں جس نے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے ان سے کہا کہ وہ اپنی ماں سے تمام تر محبت اور توجہ کا برتاؤ کریں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بقول، حضورؐ نے غیر مسلموں کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس سے آپ عوام کے عام مسائل سے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے۔

اسلام قطعی طور پر، گرجا گھروں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اتنا ہی مقدس سمجھتا ہے جتنا مسجد کو اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ان کی ایسی ہی حفاظت کریں، جیسی اپنی مسجدوں کی کرتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں نے مندروں اور گرجا گھروں کے لیے سخاوت کے ساتھ چندہ دیا ہے۔

Marfat.com

قاہرہ کے بہت سارے مشہور گرجا گھروں کی تعمیر مسلمانوں حکمرانوں کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی وسیع القلبی اس حقیقت سے پرکھی جاسکتی ہے کہ نجران کے عیسائیوں اور ملحقہ علاقوں کی حفاظت کا پیغمبرؐ نے خدا کی طرف سے اور اپنی طرف سے یوں وعدہ فرمایا: ان پر (عیسائیوں پر) کوئی سختی نہیں کی جائے گی، افواج کے لیے ان سے کوئی خوراک نہیں مانگی جائے گی۔ اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اس دور میں بھی غیر مسلم اسلام قبول کرنے میں سکون و اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ نیویارک ٹائمز نے رپورٹ کیا ہے (,Dawn April 10,2004) کہ روانڈا میں اسلام تیزی سے پھیلتا ہوا مذہب ہے، حالاں کہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور حکومت غیر مسلموں کی ہے۔ نیویارک ٹائمز سے اقتباس ہے: ''بہت سارے لوگ بعض پادریوں اور راہبوں کے کردار سے جو انھوں نے تقریباً ۸۰۰۰۰۰ جانوں کے قتل میں حصہ لے کر ادا کیا، بددل ہو کر اپنے منظم مذہب کو ترک کردیا ہے اور بہت سوں نے اسلام قبول کرلیا۔''

The News IHT Service کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے (,The News 21 1995) کہ ''پندرھویں صدی عیسوی سے عثمانوی ترکی پر قبضے کے بعد، شہر سراجیوو مختلف لسانی گروہوں کی پناہ گاہ اور نسلی رواداری کی ایک علامت بن گیا ہے، یہ ان قدروں کے لیے سینہ سپر تھا، جسے سربوں کی نسلی تعصب کی پالیسی نابود کرنا چاہتی ہے۔ یہ شہر اسپین سے ۱۴۹۲ء میں نکالے گئے یہودیوں کے لیے ایک جائے پناہ تھی۔

ہندوستان کی ایک اسلامی ریسرچ تنظیم دار المصنفین کو اپنی ایک ریسرچ کے دوران یہ معلوم ہوا کہ ہندوستانی اسکالرز بھی حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے...... یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ کم از کم دو مواقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تنازعے میں یہودیوں کے حق میں فیصلہ دیا۔

غیر مسلموں کے ساتھ منصفانہ اور رحم دلانہ سلوک مسلم روایت کا ایک حصہ رہا ہے۔ جب تمام یورپ میں یہودیوں پر ظلم وستم ڈھائے گئے اور انھیں وہاں سے نکال دیا گیا تو یہ اسلامی دنیا ہی تھی جس نے انھیں پناہ دی اور جہاں وہ اس قدر پھلے پھولے۔ ہندوستان کے سابق صدر ڈاکٹر

Marfat.com

راجندر پرشاد نے اپنی مشہور کتاب India Divided میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمان حکمران ہندوؤں کے ساتھ اپنے سلوک میں منصف اور کشادہ دل تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ شہنشاہ اورنگزیب جو ایک سخت اور کٹر مسلمان تھا، اس کی افواج کا کمانڈر انچیف ایک ہندو تھا۔

ہمہ گیر انسانیت کی طرف:

اسلام کا پیغامِ انسانیت، ساری انسانیت کے لیے اور ہر انسان کے لیے ہے اس سے قطع نظر کہ وہ کہاں پیدا ہوا ہے اور کس نے اسے جنم دیا، یہ پیغام مکمل مساوات اور انسانی رتبے کے احترام کو ملحوظ رکھتا ہے۔ قرآن کے مطابق پوری انسانیت ایک فردِ واحد کے ذریعہ تخلیق ہوئی ہے۔ (النساء، آیت ۱) اور اللہ کی نمائندہ اور زمین پر اس کی وارث ہے۔ (الانعام، آیت ۱۶۵)

یہ انسان کے نیک اعمال ہیں جو اللہ کے نزدیک معیاری اور پسندیدہ ہیں، رنگ، ذات، زبان وغیرہ، محض انسان کی شناخت کا ذریعہ ہیں اور تفریق کی کوئی بنیاد نہیں۔ (الحجرات، آیت ۱۳) حجۃ الوداع کے موقع پر دیا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اللہ کے احکام کے مزید تشریح و توضیح کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ کے اس پیغام کو انسان کی آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے۔

> ''لوگو! سن لو، کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فوقیت نہیں، کوئی غیر عرب، کسی عرب سے برتر نہیں، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ یہ نیک عمل ہے جو انسان کو انسان سے ممیّز کرتا ہے۔ آپس میں انصاف اور نرمی قائم کرو۔ جو خود کھاتے ہو، دوسروں کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو دوسروں کو پہناؤ۔''

تمام پیغمبروں نے انسانوں تک اللہ کا ایک ہی پیغام پہنچایا ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قادرِ مطلق ہے، حکمت والا ہے۔'' (آل عمران، آیت ٦) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے پیغمبر تھے، صرف ان کے لیے نہیں جو آپؐ پر ایمان لائے: ''اے لوگو! میں تم سبھوں کے لیے رسولؐ ہوں۔'' (الاعراف، آیت ۱۵۸)

''قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور یہ ان تمام کتابوں کی تفصیل ہے جو پہلے گزر چکی ہیں۔'' (یونس، آیت ۳۷)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نئے مذہب کی تبلیغ نہیں کی۔ ''وہ حق لے کر آئے اور اگلے پیغمبروں کے پیغامات کی تصدیق کی۔'' (الصافات، آیت:۳۷) لہٰذا، اسلام، تسلسل، تصدیق اور تکمیل ہے، ان سارے پیغامات کی جو اس سے قبل دوسرے پیغمبر لے کر آئے۔ اس طرح اسلام کے ہمہ گیر پیغامِ انسانیت کی خبریں اللہ کے ان ہمہ گیر پیغامات کی خبروں سے مضبوطی سے جڑی ہوئی ہیں جو وقتاً فوقتاً انسانیت کو پہنچائے جاتے رہے۔

ہمہ گیر انسانیت کا اسلامی پیغام اپنے الفاظ و معانی میں اس قدر اثر انگیز اور انقلابی تھا کہ: اس نے فارس اور رومن تہذیبوں میں جو اسلام کے آغاز میں دنیا پر حاوی تھیں ایک طوفان برپا کر دیا اور انسانی معاشرے کو پوری دنیا میں بشمول جزیرہ نمائے عرب بدل کر رکھ دیا۔ رومی سلطنت کے صوبوں میں ایک صوبہ شام میں تھا جو جزیرہ نمائے عرب کا ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ اس کے علاوہ بہت سارے قبائلی اتحاد اور حد بندیاں جو جزیرۂ نمائے عرب کا حصہ تھیں شام کی سرحد سے لگی ہوئی تھیں۔ سلطنت فارس بھی عرب پر ایک مضبوط اور اہم قلعے عراق کے ذریعہ عرب پر اپنا مستحکم اثر رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ ایران کے لوگ بت پرستی میں عرب والوں کے شریک تھے۔ اس وقت دنیا کا بادشاہی نظام اپنے طور طریقوں سے ایک انتہائی ظالمانہ نظام تھا جس میں معاشرے کی محدود اشرافیہ ساری مراعات پر قابض تھی اور عوام کی اکثریت ان کی طاقت تلے دبی ہوئی تھی۔ جہاں چند لوگوں کی آسائش و آرام بہت سارے لوگوں کے خون پسینے کے عوض تھا۔

ایرانی معاشرہ ظالم ترین تفریق کے درمیان کراہ رہا تھا۔ ریاست نے عوام پر شہزادوں اور روسا کی جائیدادیں خریدنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ معاشرے کے عام آدمی اور روسا کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں تھی۔ معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان ایک نہ عبور کیا جانے والا پل حائل تھا۔

سید قطب کہتے ہیں کہ ''ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدا کا خون دوڑتا ہے، فارس کے لوگ اپنے بادشاہوں کو خدا مانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان بادشاہوں کی سرشت میں کچھ مخصوص تقدس اور الوہیت ہے۔ وہ ان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تھے اور ان کی خدائی کی حمد و ثنا گاتے تھے۔''

Marfat.com

یہ کس قدر انقلابی تبدیلی ہے جو اسلام میں نظر آتی ہے جہاں حکمراں عوام میں سے ہوں اور ان کی اتباع اس وقت تک کی جائے جب تک وہ خود اللہ اور اس کے رسولؐ کی اتباع کرتے رہیں اور جب بھی حکمران اور عوام کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو معاملہ قرآن و سنت کے حوالے کر دیا جائے۔ (النساء، آیت ۵۹)

اسلام کے پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی قرآنی فیصلے کا خلیفہ بنتے ہی اعلان کر دیا یعنی لوگ ان کی اتباع اسی وقت تک کریں جب تک وہ خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے رہیں۔ انھوں نے خود کو عوام کے حقوق کا محافظ اور نگران قرار دیا۔

سید قطبؒ مزید لکھتے ہیں: ''رومن تہذیب کی بنیاد اس تعیش پر تھی کہ غلام جو آبادی کا تین چوتھائی تھے، امراء کی خدمت کے لیے ہیں۔ قانون میں بھی غلام اور آقا کے درمیان، امراء اور غرباء کے درمیان تفریق تھی۔''

رومن قوانین جو باضابطہ طور پر دیوانی قوانین کی ایک مرتب دستاویز تھی اور جو Justinian Code کے نام سے مشہور تھی، اس نے بھی غلام اور آقا، امراء اور غرباء کے درمیان تفریق رکھی ہے، حالاں کہ Justinian ایک کٹر عیسائی تھا اور جس نے بازنطینی سلطنت سے لادینیت ختم کرنے کی کوشش کی اور جس نے قسطنطنیہ کا مشہور گرجا گھر صوفیہ تعمیر کرایا۔

رومن تہذیب کی معروف دستاویز Justinian Code تہذیب کا یہ اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے:

> ''جو بھی کسی بیوہ یا کنواری دوشیزہ کی آبروریزی کرے، اس کی سزا امراء کے لیے یہ ہے کہ ان کی دولت کا نصف حصہ ضبط کر لیا جائے اور اگر کسی غریب نے یہ حرکت کی ہو تو اسے کوڑے لگائے جائیں اور ملک بدر کر دیا جائے۔''

اس سے فوری طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ روایت ذہن میں ابھر آتی ہے، جب ایک معزز خاندان کی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی تو آپؐ کے بعض قریبی صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ اس خاتون کو معاف کر دیا جائے کیوں کہ اس کا تعلق ایک بڑے گھرانے سے ہے تو آپؐ نے اس تجویز کو رد کر دیا اور یہ فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی یہ جرم کرتی تو اسے بھی یہی سزا ملتی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یاد رکھنے والا یہ قول ارشاد فرمایا کہ:

Marfat.com

''ماضی میں دنیا کے بڑے بڑے معاشرے اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ سزا و جزا کے معاملے میں اعلیٰ اور ادنیٰ، مراعات یافتہ اور غیر مراعات یافتہ طبقات کے درمیان فرق رکھتے تھے۔''

آفاقی انصاف کے اسی اصول پر اسلام کے دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سختی سے کاربند رہے، جب ایک فاتح اور مصر کے گورنر کے بیٹے کو سزا دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کی جس نے ایک قبطی عیسائی کو زدوکوب کیا تھا۔ بازنطینی سلطنت کے عوام نے جو معاشرے کے امراء کے ہاتھوں تفریق کا شکار چلے آ رہے تھے، یقیناً اسلام میں مجرموں کو سزا دینے کے اس معیار کو دیکھ کر دل کی انتہائی گہرائیوں سے اس انقلابی تبدیلی کو محسوس کیا ہوگا۔ عیسائی قبطی کو کہا گیا کہ وہ گورنر کے بیٹے کو اسی طرح مارے جس طرح اسے مارا گیا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انصاف کے معاملے میں اسلامی قوانین میں ایک معمولی غیر مسلم بھی گورنر کے بیٹے سے کمتر نہیں۔

آغازِ اسلام پر انسانی معاشرے کا وقار چند مخصوص خاندانوں تک محدود تھا۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ معاشرے کا بیکار ترین حصہ تھے اور روئے زمین پر ان کا کوئی احترام نہیں تھا۔ سید قطبؒ کہتے ہیں کہ اسلام نے زوردار آواز میں یہ اعلان کیا کہ انسان کا وقار اس کی انسانیت سے ہے۔ نسل، رنگ، دولت اور رتبے سے نہیں۔ اسی طرح انسان کے اصل حقوق اس کی انسانیت میں پائے جاتے ہیں اور جس کا ماخذ ایک ہے۔ اسلام نے لوگوں کو ایک ہمہ گیر انسانیت میں کسی نسل، رنگ، زبان، وطن، یہاں تک کہ مشترکہ مفاد کی بنیاد پر نہیں مربوط کیا بلکہ اس کے عقیدے اور اپنے مالک اور خالق کے ساتھ اس کے تعلق کی بنیاد پر۔ یہ اللہ سے اس کا تعلق ہی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کو طے کرے گا اور یہ اللہ کے ساتھ تعلق ہے جو اسے انسانیت سے سرفراز کرے گا۔ خدا لوگوں کے ایمان کی بنیاد پر ان کی قدر کرتا ہے، اس سے قطع نظر کہ وہ کس نسل و رنگ کے ہیں اور کون سی زبان بولتے ہیں۔ ایمان کی اساس پر رکھے گئے اسلام کے ہمہ گیر اتحاد کے اصول کو قرآن پاک کی اس آیت میں تفصیل سے درج کر دیا گیا ہے:

''اے پیغمبر! آپ یہ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی یا ان کے کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں۔

Marfat.com

یہی وہ پکے مسلمان ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کی مدد کی ہے۔'' (المجادلہ، آیت ۲۲)

سید قطبؒ مزید وضاحت کرتے ہیں: ''جب اسلام نے ایمان کی بنیاد پر لوگوں کو ساتھ ملا اور اسی کو اتحاد اور علیحدگی کا ایک اصول بنایا، تب بھی اس نے محض کسی مصلحت کے لیے کسی دلیل ماننے میں پس وپیش نہیں کیا۔ اس نے ان کے ساتھ کسی عدم برداشت کا مظاہرہ نہیں کیا جنھوں ایمان قبول نہیں کیا یا اس ایمان کی بنیاد پر ساتھ دینے سے گریز کیا۔ اللہ نے مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض نہیں کیا کہ وہ لوگوں کو طاقت کے ذریعہ اپنے دین میں داخل کریں بلکہ اس لیے کہ وہ ایک صحیح، منصفانہ اور ارفع نظام دنیا میں قائم کریں۔''

قرآنِ پاک اعلان کرتا ہے: ''دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت (کی راہ) گمراہی سے الگ کردی گئی ہے۔'' (البقرہ، آیت ۲۵۶)

غیر مسلم معاشروں اور ممالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد آپس کے معاہدوں پر رکھی گئی ہے اور اللہ کا مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ان معاہدوں کی دفعات پر سختی سے عمل کریں۔ قرآن کہتا ہے ''(کہ جب تم آپس میں قول وقرار کرلو، تو سمجھ لو کہ اللہ کے نزدیک یہ ایک عہد ہوگیا ہے) اللہ کا عہد پورا کرو۔'' (النحل، آیت ۹۱)

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیے قرآن پاک یہ واضح ہدایت دیتا ہے:

> ''اور اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرو جو تمھارے ساتھ دین کے معاملے میں نہیں لڑے اور جنھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

(الممتحنہ، آیت ۸)

> ''البتہ وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو، جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے اور جنھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد کی۔'' (الممتحنہ، آیت ۹)

اسی طرح، اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوست اور دشمن کے ساتھ یکساں انصاف

Marfat.com

کریں۔ حکم یوں ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔"

(المائدہ، آیت ۸)

اللہ کے نزدیک انسان کا عمل صالح اس کی بڑائی کو جانچنے کا پیمانہ اور معیار ہے اور یہ محض رسوم ادا کرنے اور بدی سے بچنے کا نام نہیں ہے۔ نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنی متاع عزیز خرچ کرے۔

"تم نیکی تک ہرگز نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم اللہ کی راہ میں ان چیزوں کو نہ خرچ کرو جو تم کو عزیز ہیں۔" (آل عمران، آیت ۹۲)

"یہ محبت، استواری، احساس باہمی اور یتیموں، حاجت مندوں مسافروں اور سائلوں کے ساتھ سخاوت کا اعلیٰ ترین تصور ہے۔ قرآن کی اس آیت مبارکہ کے مطابق، غلاموں کو آزاد کرنا، اپنے عہد کو پورا کرنا بھی نیکی کے اعمال ہیں۔" (البقرہ، آیت ۱۷۷)

نیکی کا فروغ اور اس کے ذریعہ ہمہ گیر امن اور انسانیت کا فروغ اسلام کا پیغام ہے۔ اس لیے سید قطبؒ زور دے کر کہتے ہیں:

"اسلام دوسری تہذیبوں کے ساتھ ذاتی اور نسلی حوالوں سے نہیں لڑتا کیوں کہ یہ انسانیت کے اتحاد پر اور مختلف نسل اور خیالات کے لوگوں سے قریبی تعلقات پر یقین رکھتا ہے۔ اسلام کسی بھی تہذیب کی اس وقت تک مخالفت نہیں کرتا، جب تک وہ انسانیت کی خدمت کرتی رہے۔"

وہ (سید قطبؒ) مستقبل میں اسلام کی ہمہ گیر انسانیت کی اٹھنے والی لہر کی یوں پیش گوئی کرتے ہیں:

"یہ خوش قسمتی ہے کہ انسان کی فطری خصوصیتوں جنھیں اللہ نے ودیعت کیا ہے اور کائنات کی خصوصیتوں کے درمیان ہم آہنگی ہے۔ دونوں حرکت، ایجاد، نشوونما اور

Marfat.com

ترقی کے اجزا کی آبیاری کرتے ہیں۔ یہ قدرِ مشترک ہماری تہذیب اور اس کی ممکنہ حقیقی طلب سے مربوط ہوگی۔ یہ تہذیب کسی سے بھی نہیں ٹکرائے گی جب تک وہ انسانی وجود کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور جسے یقینی طور ختم ہونا ہی چاہیے۔ یہ اللہ کے نظام پر عمل کرنے سے حاصل ہوگا، یہ مذہب اسلام ہی وہ لطیف خوشبو ہے جس کی مغرب کو اشتہا ہے۔ لیکن مغرب اس سے انکاری بھی ہے۔''

پرمسرت زندگی کا ایک ضابطہ:

جدید دور میں، مذہب کی شناخت ایک مخصوص طریقہ عبادت سے کی جاتی ہے۔ ایک جمہوری معاشرے میں ایک فرد کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر کبھی مذہب اور قانون کے درمیان کوئی ٹکراؤ ہو تو ملک کا قانون غالب آئے گا۔

مثال کے طور پر عیسائیت ''ہم جنسی'' کو ممنوع قرار دیتی ہے لیکن انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے اسے قانوناً جائز بنا دیا ہے اور وہاں آزادی کے ساتھ اسے اختیار کر لیا گیا ہے۔

دوسری طرف ایک مذہبی مکتبۂ فکر ہے جو اسلام کے نام پر اس بات کی تبلیغ کرتا ہے کہ دنیاوی زندگی کو ترک کر دینا چاہیے یا کم از کم اسے زیادہ سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے تاکہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور انعام حاصل کیا جائے۔ اس مکتبۂ فکر نے شاید قرآن کی اس آیت کا غلط مفہوم لیا ہے:

> ''ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔'' (الذاریات، آیت:۵۶)

مندرجہ بالا آیت میں لفظ عبادت کی صحیح تعریف قرآن و سنت کی تعلیمات پر مکمل طور پر چلنا ہے، نہ کہ صرف عبادت کے طریقے اور انداز کے معنی میں ہے بلکہ ان تمام دنیاوی کارگزاریوں کا احاطہ کرتا ہے جو انسان کی بقا کے لیے ضروری ہیں اور یہ کہ انسان کا تمام عمل سختی سے اور کامل طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ سلم کے احکامات کے مطابق ہو۔ جب دنیا کے یہ تمام کام اس طرح کیے جائیں تو یہی اللہ کی عبادت ہے اور تقدسِ عبادت بھی۔

قرآنِ پاک محض مذہبی رسوم کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم اس دنیا میں اپنے روز

Marfat.com

زرہ کے معمولات کس طرح چلائیں۔ قرآنِ پاک کے مندرجات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
رشادات دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے مکمل ہدایات دیتے ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ
م کس طرح دنیا کی ضرورتوں اور تقاضوں سے عہدہ برآ ہوں۔ قرآنِ پاک دنیاوی زندگی کے
رے میں بھرپور ہدایت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں ایک مسرور اور کامیاب زندگی
گزارنے کے لیے اپنی حکمت و دانش کا خزانہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ سے ۳۹ تک بکھیر دیا
ہے۔ اگر دنیاوی زندگی اسی کے مطابق گزاری جائے تو ایک پُرمسرت اور کامیاب زندگی آخرت
ں بھی نصیب ہوگی۔

یہاں اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کو خانوں میں تقسیم کرنے سے انسانی زندگی غیر
م اور بے معنی سی بن جاتی ہے جب کہ دونوں زندگیاں ساتھ مل کر پوری حیاتِ انسانی کو ایک
لسل اور وحدت عطا کرتی ہیں۔

زندگی گزارنے کے الٰہی احکام اور ضابطے حسب ذیل ہیں:

۱) لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو..... اور ان کے ساتھ ادب سے پیش آؤ۔
۳) رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔
۴) فضول خرچی نہ کرو۔
۵) اگر تمھیں (ان حق داروں سے) پہلو تہی کرنا پڑے۔ اپنے رب کی مہربانی کی بنا پر (جس
سے تم امیدوار ہو) تو انھیں نرمی سے سمجھا دو۔
۶) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اسے بالکل کھول دو۔ یعنی میانہ روی اختیار کرو۔
۷) اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے، تمھیں بھی۔
۸) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔
۹) ناحق کسی کا قتل نہ کرو، جسے (قتل کرنے کو) اللہ نے حرام کیا ہے۔
۱۰) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ہاں ایسے طریقے سے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔
۱۱) عہد کو پورا کیا کرو۔

Marfat.com

(۱۲) جب ناپ تول کیا کرو تو پیمانے کو پورا رکھو۔

(۱۳) جس بات کا تمھیں علم نہ ہو، اس کے پیچھے نہ لگو۔

(۱۴) زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو یقیناً تم زمین کو نہیں پھاڑ سکتے۔

(۱۵) اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ۔

سورۂ انعام کی آیات ۱۵۱ اور ۱۵۲ میں بھی اسی طرح کے احکامات بیان کیے گئے ہیں، اس اضافے کے ساتھ کہ ہم کسی پر اس کی سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔

''جب تم بات کرو تو انصاف کے ساتھ بات کرو، چاہے معاملہ تمھارے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو اور اللہ سے اپنا عہد پورا کرو۔''

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ان احکامات کی ابتدا اللہ کی بندگی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی اس بات پر کہ ''اللہ کی بندگی میں کسی اور کو شریک نہ کرو۔'' اور اس طرح دنیاوی زندگی کی پوری عمارت جسے اللہ نے ترتیب دیا اللہ اور صرف اللہ کی عبادت کی بنیاد پر کھڑی ہے، اور اس طرح دوسرے مذاہب کی تعلیم یا دوسرے فلسفیانہ مکاتبِ فکر سے اسلامی طرزِ زندگی بالکل مختلف ہے۔ ابتدائی اور کلیدی حکم یہی ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے، کسی اور کی نہیں۔ یوں اللہ کے احکامات کے آگے کسی اور طاقت یا قوت کی اتباع کرنے کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔

قرآن کی آیت ''ان لوگوں نے اپنے علما اور پادریوں کو اپنا رب سمجھ لیا ہے۔'' (سورۂ ھود آیت ۳۱) کا حوالہ دیتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو وہ اپنے پادریوں کی عبادت نہیں کرتے لیکن اللہ کے احکامات کے برخلاف ان پادریوں اور علماء کی اطاعت کرتے ہیں جو پادریوں کی عبادت کے مترادف ہے۔ اس طرح یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کسی بھی طاقت کی چاہے وہ بادشاہ ہو، پادری ہو یا پارلیمنٹ اللہ کے احکامات کے خلاف اطاعت کرنا اس طاقت کی عبادت کرنے کے برابر ہے اور سورۂ بنی اسرائیل کی ۲۳ ویں آیت میں اس عمل کی مذمت کی گئی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والا ایک مسلمان ان غیر اسلامی قوانین پر عمل کرنے سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ ان حالات میں سورۂ انعام اور کئی دوسرے مقامات پر قرآن کی یہ ہدایت کہ ''ہم کسی نفس پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔'' اس سوال کا جواب

Marfat.com

مہیا کرتی ہے، لیکن اللہ کی طرف سے دی ہوئی یہ رعایت ان مسلمانوں کے لیے نہیں جو اپنے ممالک میں خودحکمران ہیں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ اللہ کی اطاعت کے فوراً ہی بعد والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت آئی ہے۔ اسلام میں، معاشرتی زندگی والدین کے اختیار واقتدار کے گرد گھومتی ہے، یہ مغرب کے معاشرتی نظام کے بالکل برعکس ہے، جہاں والدین کچھ زیادہ بااختیار نہیں ہوتے۔

رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق کے بارے میں اسلامی معاشرے کے تصور و مفہوم نے دوسرے معاشروں کے مقابلے میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ اس نے محروموں اور مستحقین کو اہل ثروت اور دولت مندوں کی آمدنی میں شریک بنادیا ہے اور وہ محض خیرات وصول کرنے والے نہیں رہے۔ اگرچہ اسلام ذاتی ملکیت کے حق کو ختم نہیں کرتا لیکن آمدنی اور دولت کے استعمال اور تقسیم کا ایک ضابطہ مقرر کرتا ہے۔

اس ہدایت کو اس ہدایت کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے ''نہ تو اپنا ہاتھ تم اپنی گردن تک باندھ لو اور نہ اسے بالکل کھول دو۔'' اس طرح اسلام جہاں اپنے ماننے والوں کو سخاوت اور فیاضی کی تلقین کرتا ہے، وہیں بے جا اخراجات اور فضول خرچی سے روکتا بھی ہے تاکہ ایک متوازن، ثمر آور اور انصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل پاسکے۔

زنا کے خلاف ہدایت صرف زنا تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر وہ اقدام جو زنا کی طرف مائل کرے جیسے جنس کا مخرب اخلاق اور فحش اشتہارات۔ زنا سے متعلق اسلام کا تصور سیکولر معاشروں کے تصور سے قطعی مختلف ہے۔ اسلام میں اپنے زوج کے علاوہ کسی کے ساتھ جنسی تعلق چاہے وہ باہمی رضامندی سے ہو سخت قابلِ سزا ہے۔ آج مغرب میں یک ولدیت (Single Parenthood) کا ادارہ تیزی سے فروغ پارہا ہے جہاں عورتیں شادی کے بندھن میں پڑے بغیر خاندان استوار کررہی ہیں۔

افلاس کے خوف سے بچوں کے قتل کے خلاف اللہ کے حکم کا آج کے آزادی سے کیے جانے والے وضع حمل سے خاص متعلق ہے، جو اس لیے اپنایا گیا ہے کہ خاندان کو مختصر اور معاشی طور پر

Marfat.com

خوشحال رکھا جائے۔

کسی کی جان (جسے اللہ نے محترم بنایا ہے) نہ لینے کا فرمانِ خداوندی سوائے انصاف قائم کرنے کے لیے جدید سیکولر معاشرے کے ان مادّی طریقوں سے یکسر مختلف ہے جو انسان کی جان لینے کے لیے روا رکھا گیا ہے۔ جہاں آئینی طور پر کسی کی جان لینے سے منع کر دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ یہ قانون کے مطابق ہو، اس طرح یہ بات پارلیمنٹ پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ موت کی سزا کا قانون وضع کرے چاہے وہ قیام انصاف کے لیے ہو یا نہ ہو، جیسا کہ اسلام نے اجازت دی ہے۔ بصورتِ دیگر موت کی سزا سے بالکل اجتناب بھی کیا جا سکتا ہے، جب کہ اسلام نے اس کی ضرورت رکھی ہے۔

یتیموں کی جائیداد کا استحصال یا ان کی خیانت کی ممانعت کو اگر صحیح طور پر سمجھا جائے تو غریب اور پسماندہ ممالک کے وسائل کا ترقی یافتہ اور امیر ممالک کی طرف سے استحصال بھی اس ممانعت کے زمرے میں آتا ہے۔

وعدہ وفا کرنے کی نصیحت ایک منصفانہ، روادار اور مستحکم معاشرے کے لیے انتہائی اہم ہے۔ کیوں کہ ذاتی یا اجتماعی عہد کو پورا نہ کرنے سے افراد، یا گروہوں کے درمیان تعلقات اور لین دین پر بہت زیادہ خراب اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک یہاں تک کہتا ہے کہ وعدہ اگر ایک کافر سے بھی کیا جائے تو اسے پورا کیا جائے۔

ناپ تول کے بارے میں ہدایت کا مطلب محض یہ نہیں کہ مقدار صحیح ہو بلکہ ان کا معیار بھی صحیح ہو۔ یہ آج کے تجارتی لین دین کے طریقہ کار سے متصادم ہے، جہاں یہ خریدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ خریدی ہوئی شے کے معیار کی جانچ خود کرے۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بالکل متصادم ہے کہ اشیاء فروخت کرنے والے کی یہ ذمہ داری ہے کہ چیزوں میں اگر کوئی خامی ہے، کوئی عیب ہے تو وہ خریدار کو اس سے آگاہ کر دے۔

اور آخر میں، اللہ کی یہ نصیحت کہ جس بات کا تمھیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگو، ہر قسم کی قیاس آرائی اور خیال آفرینی سے منع کرتی ہے...... اور تحقیق، تفتیش اور جستجو پر زور دیتی ہے...... علم اور ترقی کے فروغ کے یہی اصلی سرچشمے اور ذرائع ہیں۔

Marfat.com

سورۂ انعام میں اس ہدایت پر زور کہ ''تم جب بولو، انصاف کے ساتھ بولو، چاہے اس میں تمھارا کوئی قریبی عزیز ہی ملوث کیوں نہ ہو'' بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ قرآنِ پاک میں دوسری جگہ انصاف کو تقویٰ کے قریب بتایا گیا ہے۔ آج کے دور میں قومی اور بین الاقوامی معاملات مصلحت اور ممکنہ نتائج کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مضبوط اور طاقتور غالب آجاتا ہے اور کمزور اور نیک ان کی طاقت کے نیچے کراہتا رہتا ہے۔ مندرجہ بالا قرآنی ہدایت ایک ایسا معاشرتی اور سیاسی نظام قائم کرنا چاہتی ہے جو انصاف اور شفافیت پر مبنی ہو۔

لہٰذا، اسلام دنیاوی وجود سے لاتعلقی کی تعلیم دینے کے بدلے، ایک ایسا تفصیلی ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے ایک پر مسرت اور کامیاب زندگی اس دنیا میں بھی گزاری جاسکتی ہے اور آنے والی دنیا میں بھی۔

تہذیب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر:

اسلامی تہذیب جو اللہ کی منظم کی ہوئی ہے، انسانوں کے اتحاد و ارتقا کو اپنا محور بناتی ہے، جبکہ دوسری تہذیبوں اور معاشروں کی بناء جیسا کہ Hobbes اور Darwin نے سمجھایا ہے انسانی وجود کے اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ انسان ایک بہت ہی نچلی سطح سے ماحول اور معاشرے کے زیر اثر بتدریج آگے کی طرف بڑھا ہے۔

اسی طرح روسو (Rousseau) اور فرائڈ (Freud) کے نظریوں کے مطابق انسانی وجود کی کائنات میں شاندار کیفیت تہذیب کو کسی روشن خیالی یا ترقی کے تناظر میں نہیں دیکھتی بلکہ افسانوی داستان سرائی کے انداز سے دیکھتی ہے۔

ایک مکتبۂ فکر کے مطابق، انسانی تہذیب کی تاریخ یقینی طور پر انسان کی ترقی کی تاریخ ہے، جب کہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ انسان کی کرپشن اور غلامی کی تاریخ ہے۔ فرائیڈ اپنی کتاب Civilization and its Discontents میں کہتا ہے کہ: ''ہم جسے تہذیب کہتے ہیں وہ ہماری پریشانیوں اور مصائب کا سبب بنی ہے اور ہم بہتر خوشی سے زندگی گزارتے اگر ہم اس کے دائرۂ اثر میں نہ ہوتے اور ہم قدیم دور کی طرف لوٹ جاتے۔''

ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم آثار کے نمونے کے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر تہذیب کے

Marfat.com

عمومی نظریے کو مسترد کر دیا ہے اور وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام معاشرے اور تہذیبیں اپنے وقت اور مقام کے لحاظ سے منفرد ہیں اور اپنی اپنی تکوین رکھتی ہیں۔

ایک زمانے تک یہ یقین کیا جاتا رہا کہ تمام پرانی تہذیبیں بڑی بڑی دریائی وادیوں کا عطیہ ہیں جس نے انھیں پانی اور زرخیزی عطا کی۔ لیکن Toynbee اس یقین کے خلاف تاریخی شواہد پیش کرتے ہوئے، اسے بے بنیاد ثابت کرتا ہے۔ اپنی کتاب Study of History میں اس نے تہذیب کے چیلنج اور اس کے جواب کے نظریے پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس نظریے کے مطابق لوگوں کی خواہشات اور ان کا عزم کسی تہذیب کو متحرک رکھنے کا سبب بنے ہیں، نہ کہ جغرافیائی حالات اور ماحول۔

وہ کہتا ہے کہ انسانی ماحول تمام تر غیر انسانی فطرت پر مشتمل ہے، ایک دوسرے انسان کے ساتھ متحرک اور غیر متحرک دونوں صورتوں میں۔ انسان کی روحانی کیفیت اپنے ماحول کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں اصل عامل ہے۔

Toynbee نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یورپ اور افریقہ میں بہت سارے علاقے ایک طرح کے جغرافیائی حالات میں ہونے کے باوجود ایک ہی تہذیب کے گہوارے میں نہیں سما سکے۔

اس طرح وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ انسان ہے جو ماحول کو بناتا اور سنوارتا ہے اور یہ ماحول نہیں جو انسان کی تہذیب کو بنائے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ تہذیب انسانی اور غیر انسانی ماحول کے درمیان چیلنج اور انسان کی طرف سے اس کے جواب کے درمیان ربط و ضبط کا کردار ادا کرتی ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں، اس نے اس بات پر بھی غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ تہذیب کی تشکیل میں نسلی امتیاز نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ Toynbee کہتا ہے کہ پچھلے پانچ ہزار برسوں میں، نسلوں نے بہت زیادہ اور نہایت شاندار کردار ادا کیا ہے اور تقریباً ان سبھی تہذیبوں نے قبل از تہذیب کے دور کی نمائندگی کی ہے اور اس کے علاوہ ان میں ایسی تہذیبیں بھی ہیں جو بربریت کی سطح یا وحشی قبائل کی سطح سے بلند نہیں ہو سکی ہیں۔ اس طرح، ایک ہی نسل کے لوگوں میں انتہائی مہذب لوگ سامنے آئے ہیں اور انتہائی وحشی بھی۔

Marfat.com

یونانی، رومن، یورپی عیسائی اور چینی اپنے شعور، علم، معاشرے اور مادی ترقی کے سبب اپنے کلچر اور تہذیب پر بہت نازاں ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔

ایک کی نظر میں جو کچھ تہذیب ہے، دوسرے کی نگاہ میں وہ جہالت ہے۔ ایسی تہذیب جس کی بنیاد غرور اور تعصب پر ہو انسانوں کو ایک برادرانہ رشتے میں منسلک نہیں کر سکتی، یہ انھیں متحارب گروہوں اور فرقوں میں البتہ تقسیم کر سکتی ہے۔

ان سارے خیالات اور نظریات کے برعکس، قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے لامحدود رحم اور حکمت بالغہ سے انسان کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر مسجودِ ملائک کے مقام سے سرفراز کیا اور اسے تمام ناموں کا علم دیا۔ (البقرۃ، آیات ۳۰، ۳۱) اس طرح انسان اپنے وجود کے چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے مکمل طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ محض اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اللہ کی رہنمائی بھی حاصل کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: ''ہم نے حکم دیا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر تمھیں ہماری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو پھر جو لوگ ہماری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرۃ، آیت ۳۸)

...... ''اللہ ہی انسان کو راہِ حق دکھا سکتا ہے، کوئی اور نہیں۔'' (یونس، آیت ۳۵)

اللہ کے یہ انکشافات، زمین پر انسان کی آمد اور اس کے مقدر کے بارے میں ساری قیاس آرائیوں کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔ اسلامی تاریخ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کرتی ہے کہ انسان کا یقین اور اس یقین کے ساتھ زندگی گزارنے کا اس کا عزم ہی وہ قوت ہے جس نے ایک مضبوط امہ کو تخلیق کیا ہے نہ کہ جغرافیائی ماحول یا نسل۔ Toynbee نے اسلامی تہذیب کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ اس نے نسلی تفریق اور منافرت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ Toynbee کہتا ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی نسل ہو جس کے لوگوں نے اسلام نہ قبول کیا ہو۔ اور اس طرح وہ ایک امہ بن گئے۔ وہ اس اعتراف میں بالکل پس و پیش نہیں کرتا کہ عیسائیت اپنی تمام عالمگیر برادرانہ اخوت کی تبلیغ کے باوجود مختلف نسلوں کو آپس میں ملانے اور یکجا کرنے میں مسلمانوں سے بہت پیچھے ہے۔ خاص طور پر گورے اور کالے کو باہم ملانے میں۔

Philip Hitti اپنی کتاب ''History of Arabs'' میں لکھتا ہے کہ اموی دور

Marfat.com

میں مختلف نسلیں آپس میں اتنی زیادہ مل گئی تھیں کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ ان میں کون عرب ہے اور کون غیر عرب، ایک بڑی تعداد میں اموی اور عرب خلفاء غیر عرب ماؤں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔
قرآنِ پاک اعلان کرتا ہے:

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، حقیقت میں اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (الحجرات، آیت ۱۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں اسی بات کی تلقین کی کہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر برتری نہیں اور نہ کوئی غیر عرب کسی عرب سے برتر ہے، سوائے اپنے نیک عمل کے سبب۔ قرآنِ پاک کا اعلان ہے:

''(مسلمانو!) تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔'' (العمران، آیت ۱۱۰)

جب انسان کا ایسا ارفع مقام ہو تو وہ کسی ارتقاء کی پیداوار نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ کی ایک اعلیٰ تخلیق ہے جو اللہ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ (البقرۃ، آیت ۳۰، ۳۸)

انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے راستے پر تبدیلی اور ترقی کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔ قرآنِ مجید کہتا ہے:

''جان لو کہ اللہ اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنا نہ چاہے۔'' (الرعد، آیت ۱۱)

یہ اسلام کا نظریہ تبدیلی و ترقی ہے۔ انسان کو اللہ کی رحمت اور رہنمائی کا کامیابی کے راستے میں یقین دلایا گیا ہے۔

''اور جو ہمارے راستے میں جدوجہد کریں گے، ہم یقیناً ان کو اپنے راستے کی رہنمائی کریں گے۔'' (العنکبوت، آیت ۶۹)

ہر وراثت، نسل اور خاندانی تعلق اگرچہ پیغمبر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو انسان کے لیے کسی برتری یا امتیاز کا سبب نہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے گھر والوں کے بارے میں کہا

Marfat.com

گیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ امامت جو انھیں عطا کی جارہی ہے وہ ان کی ذریّت تک بھی پہنچے تو جواب دیا گیا:

''لیکن ہمارا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا۔'' (البقرہ، آیت ۱۲۴)

وہ تہذیب اور معاشرہ جو اسلام نے دنیا کو دیا وہ سیاسی اور فوجی طاقت کی زیادہ نمایندگی نہیں کرتا بلکہ روشن خیالی اور ترقی کے ذریعہ پروان چڑھا ہے اور آنے والی نسلوں تک منتقل ہوا ہے۔ یہ قدیم تہذیبوں کی بہترین باتوں کو اپنانے میں کبھی پیچھے نہیں رہا۔ اس نے یونانی اور رومن تہذیب کے پسندیدہ پہلوؤں کو اپنے اندر سمویا اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ کو علم و آگہی کے خزانے کو منتقل کرنے کا ایک مضبوط ذریعہ بنا، اِس نے مغربی دنیا میں بیداری پیدا کی اور جدید نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار کی۔

M.I.T کے ایک مطالعے میں ماحولیاتی تنزل پر خبردار کرنے والی یہ تاریخی بات کہی گئی ہے کہ موجودہ شرحِ نمو ذرائع کی تخفیف اور ماحول کی کثافت کے سبب برقرار نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا اس مطالعے نے یہ مشورہ دیا ہے کہ ہم اس حالت پر واپس آجائیں جہاں ایک معمولی چیز خوب صورت دکھائی دے اور جہاں قناعت پھر سے مسرت بن جائے۔ یہ انسان کے تصور اور اس کی خوشی میں ایک نمایاں تبدیلی کی مظہر ہے۔ یہ روحانی نشاۃ ثانیہ اور غیر مادی تقاضوں کی طرف لوٹ جانے اور چند مادّی اشیاء پر اکتفا کرنے کی فوری ضرورت پر زور دیتی ہے۔ اسلامی تہذیب سادگی اور کفایت شعاری کی خوبیوں سے مرصّع ہے۔ قرآنِ پاک کہتا ہے:

''کھاؤ، پیو مگر اسراف نہ کرو۔''

اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام......ایک تقابلی جائزہ:

اسلام عورت کو اس کی اخلاقی اور روحانی قدروں میں مرد کے برابر حقوق دیتا ہے۔ قرآنِ کہتا ہے:

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، یہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' (التوبہ، آیت ۷۱)

یہ آیاتِ کریمات ایک دوسرے کی تابعداری کی بڑی وضاحت سے نفی کرتی ہیں اور مرد و عورت کے درمیان معروف کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے کے معاملے میں مکمل برابری قائم

Marfat.com

کرتی ہیں۔

لیکن معروف و منکر کے باہر کے معاملات میں مرد اور عورت کے مقام کا تعین کر دیا گیا ہے۔ مرد عورت کا محافظ اور نگران (قوام) ہے جب کہ عورت کو حکم ہے کہ وہ مرد کی تختی سے مطیع رہے۔ یہی اللہ کا فرمان ہے:

''مرد، عورتوں کے نگران اور محافظ ہیں، کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال (عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اللہ کی حفاظت و نگرانی میں (اپنے مردوں کے حقوق) کی حفاظت کرتی ہیں۔'' (النساء، آیت ۳۴)

لیکن مرد کا یہ اختیار، اپنے گھرانے کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ مکمل طور پر مشروط ہے۔ اپنا یہ اختیار وہ بے ہنگم انداز میں یا سختی سے استعمال نہیں کر سکتا۔

ان کے درمیان کسی تلخی یا ناچاقی کی صورت میں یہ حکم ہے کہ دو صلح کرانے والے، ایک مرد کے خاندان سے، دوسرا عورت کے کنبے سے مقرر کیے جائیں، جو ان کے معاملات صلح و آشتی سے طے کرا دیں۔ (النساء، آیت ۳۵) اس طرح مرد کو اپنے اختیار کو بے ہنگم طور پر استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی یقینی بنا دی گئی ہے کہ عورت کسی بھی معاملے میں مرد کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دی جائے۔

اللہ نے فرعون اور اس کے ماننے والوں پر اپنا عذاب بھیج کر انھیں تباہ کر دیا لیکن فرعون کی بیوی جو ایک پارسا عورت تھی اس نے اللہ سے التجا کی کہ اس کے شوہر کی بداعمالیوں سے اسے دور رکھا جائے، تو اللہ نے اس کی ستائش کی اور مومن عورتوں کے لیے اسے تقلید کی ایک مثال اور نمونہ قرار دیا۔ قرآنِ پاک کہتا ہے:

''اور اہل ایمان کے لیے، اللہ، فرعون کی بیوی کی مثال دیتا ہے، جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (بد) سے نجات دے اور مجھے اس ظالم قوم سے (بھی) نجات دے۔'' (التحریم، آیت ۱۱)

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت صحیح راستے پر چلنے کے لیے اپنا اختیار رکھتی ہے اور اس راہ پر چلنے کے لیے اپنے شوہر کی اطاعت سے آزاد بھی ہے۔ وہ خود اپنی ایک اخلاقی اور روحانی شخصیت رکھتی ہے اور اس معاملے میں وہ مرد سے کم تر نہیں۔

اس طرح مرد اور عورت اپنے اپنے دائرہ کار اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے معاون اور شریک ہیں۔ مرد اور عورت دونوں کو اپنی پاک دامنی، عفت مآبی اور اخلاقی حیثیت کو بلند رکھنے کو کہا گیا ہے۔ دونوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ انھیں منع کیا گیا ہے کہ وہ غلط نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھیں یا گھوریں۔ خاص طور پر عورتوں کو یہ حکم ہے کہ وہ نہ صرف اپنی نگاہیں نیچی رکھیں بلکہ اپنی زیب و زینت ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اپنے چند قریبی اعزا کے، جیسے باپ، بھائی، شوہر وغیرہ۔ انھیں اپنے سینے اور سر کو دوپٹے سے ڈھانپنے کا حکم ہے۔ انھیں یہ بھی حکم ہے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اتنے زور سے نہ ماریں کہ جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے وہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ (النور، آیات ۳۰، ۳۱) جو اخلاقی پابندیاں عورتوں پر لگائی گئی ہیں، وہ انھیں ضروری کام سے باہر نکلنے سے نہیں روکتیں، بشرطیکہ وہ ان حدود اور پابندیوں کے اندر رہیں، جن کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اس یقین پر کہ عورتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی دعائیں لینے اور مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہو سکتی ہیں۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ نہ صرف یہ کہ حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں بلکہ اپنے شوہر کی شکایت کے سلسلے میں اپنے دلائل بھی پیش کیے۔ لیکن عورت جس طرح تخلیق کی گئی اور جن اخلاقی اقدار سے اسے سنوارا گیا ہے، وہ اسے عام مردوں سے ملنے جلنے سے منع کرتے ہیں اور ان کے سامنے اپنا حسن و زیبائش ظاہر کرنے سے روکا گیا ہے۔ اللہ کہتا ہے: ”جنت کے ان باغوں میں فرش پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے۔“ (الرحمٰن، آیت ۵۶)

”ان خوب صورت باغوں میں خوش رو ساتھی ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ مزید کہتا ہے:

”بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔“

Marfat.com

(الواقعہ، آیات، ۲۲، ۲۳)

یہ اس کی شائستگی، شرم وحیا اور سادگی ہے، جس نے عورت کے حسن کو پاکیزہ بنادیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور صاحبزادیاں اس پاکیزہ حسن کی اعلیٰ ترین مثال ہیں۔ قرآنِ پاک جو ایک رہنما کتاب اور ضابطہ ہے، جنس کے بارے ایک بہت متوازن، ہموار اور تخلیقی نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں پیش کرتا ہے۔

''اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمھاری ہی جنس سے تمھاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کردی۔ بے شک، ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔'' (الروم، آیت ۲۱)

اس طرح قرآن نے جنس کو ایک بہشت بنا کر پیش کیا ہے جس میں مرد اور عورتیں انس و محبت اور باہم ہمدردی کے ساتھ زندگی گزاریں۔

چین کے انقلابی جنسی پیشوا اور مصلح Lin Yuntang نے یہ کہتے ہوئے اشتراکی اور سرمایہ داروں دونوں کے لیے یا تو ایک نہایت انقلابی یا انتہائی لغو بات کہہ دی ہے: ''عورتوں کا اپنے معاملات میں مردوں کی نقالی کرنے کا خیال حقیقتاً خود کو مردوں کی محکومی میں ڈالنا ہے۔ عورتوں کو اپنی جنس پر فخر کرنے دیں، کیوں کہ اپنی جنس کی بڑی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے ہی وہ بڑی بن سکیں گی۔'' ۱۹۹۵ء میں پوپ جان پال نے اقوامِ متحدہ کی ویمن کانفرنس میں کہا: ''وہ تمام حقوق جو مردوں کو معاشرے نے دیئے ہیں، عورتوں کو بھی ملنے چاہئیں، لیکن ان کی نسوانیت مجروح ہوئی ہے جب بھی انھوں نے مرد جیسا بننے کی کوشش کی ہے۔''

اس کے برعکس، موجودہ صنعتی معاشرے کے عروج نے جنس کے کردار کو الٹ کر رکھ دیا ہے، جس نے خاندانی زندگی اور معاشرے کے تانے بانے کو منتشر کر دیا ہے...... بلکہ شادی کے ادارے کو ماضی کی ایک قدیم یادگار بنا دیا ہے، جب معاشی طور پر عورت مرد کی دست نگر ہوتی تھی۔ اب آج کے صنعتی معاشرے میں عورت مالی معاملات میں اپنے طور پر آزاد ہے۔ اسے مرد کا محکوم بن کر رہنے کی اب ضرورت نہیں۔ وہ اپنے بچوں کے لیے ریاست کو شریک بنا سکتی ہے شوہر کو نہیں۔

Marfat.com

Ru[ssell] Bertrand اپنی تصنیف Prospects of Industrial Civilization

[ک]ہتا ہے:

"صنعتی دور کے اہم ترین اثرات میں ایک یہ ہے کہ عورت کے ملازمت اختیار کرنے کے سبب خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ اس نے معاشی طور پر انھیں مرد سے آزاد کر دیا ہے اور ان کے لیے بچوں کی پرورش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔"

"تجربہ بتاتا ہے کہ ایک اوسط عورت شادی کے پرانے انداز کے بندھن کی پابند نہیں رہتی اور جب وہ مالی طور پر خود کفیل ہو جاتی ہے تو ایک مرد کی وفادار نہیں رہتی، آج روایتی اخلاقیات کی پابندی کرنے والے تبدیل شدہ حالات سے خاصے حد تک متاثر ہوئے ہیں۔"

"لیکن جب عورت کارخانوں میں مزدوری کے لیے نکلتی ہے، جس طرح اس کا شوہر کام پر جاتا ہے اور بچے اپنا زیادہ وقت اسکول میں گزارتے ہیں تو شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات جن کی بنیاد معاش پر ہو، بڑی حد تک کمزور پڑ جاتے ہیں۔"

"ان حالات میں، زرعی دور میں جو شادیاں ہوتی تھیں وہ اپنا وجود کھو رہی ہیں۔ عورتیں اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہیں گی اور ایک فردِ واحد کے غیر محفوظ سہارے پر زندگی گزارنا پسند نہیں کریں گی۔ وہ اپنے بچوں کی ذمہ داری میں شوہر کی بجائے ریاست کو شریک کرنا چاہیں گی، لازمی طور پر نہیں بلکہ مسلسل بڑھتے ہوئے واقعات میں۔"

یہ بات تعجب خیز نہیں کہ مغرب میں یک ولدیت ایک طرزِ حیات بنتا جا رہا ہے۔ لندن کے Economi[st] کے مطابق لاس اینجلس جہاں حال ہی میں شدید فساد اور خون ریزی ہوئی ہے، [ا]س کا سبب علاقوں اور متاثرہ شہروں میں مرد کی حاکمیت کا عدم وجود ہے۔

آئیے! اب ذرا مغرب میں اس نسوانیت کی طرف دیکھیں جس کی شدید آرزو مشرق کی [خوا]تین میں بھی پائی جاتی ہے جس میں بعض مسلم ممالک کی خواتین کا ایک منظم گروہ بھی شامل ہے۔

جدید ترین اور کچھ دنوں قبل تک انتہائی ترقی پسند سوشلسٹ معاشرے روسی جمہوریہ کی طرف

Marfat.com

نظر کریں، جہاں کی عورتیں یورپی دنیا کی عورتوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور جہاں کے کالجوں او
ٹیکنیکل اسکولوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور جہاں ۷۰ فیصد ڈاکٹر عورتیں ہیں
ہفتہ وار نیوز ویک نے اپنی ۱۶ اپریل ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں اس سلسلے میں ایک طویل اور معروضی
رپورٹ شائع کی ہے جو روسی عورت کی دردناک صورتِ حال کا انکشاف کرتی ہے۔ یہ رپورٹ
بتاتی ہے کہ عورت اور مرد کے برابر کے حقوق کے تمام اعلامیوں اور آئینی تحفظات کے باوجود بعض
بڑی بڑی باوقار ملازمتیں خاص طور پر حکومت میں آج بھی ''صرف مردوں'' کے لیے مختص ہیں
جب کہ عورتیں روایتی نوکریوں پر مامور ہیں جیسے اسکول وغیرہ۔ زیادہ تر عورتیں سارا دن مشقت
کرنے کے بعد بچوں کی پرورش اور گھر کے کام کاج سے فراغت پا کر آرام کا کوئی وقت نہیں نکال
سکتیں۔ ان کی زندگی کا بڑا عذاب طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے جس کا سبب سوویت مردوں میں
شراب نوشی کی کثرت ہے۔ ایک اچھے شوہر کی تلاش روز بروز مشکل ہوتی جارہی ہے۔ یہ ذہنی
اذیت اس قدر زیادہ ہے کہ تنگ آ کر کچھ عورتیں شوہر کی تلاش ہی ترک کردیتی ہیں اور کسی شوہر
کے بغیر ہی کسی بچے کو جنم دے کر مطمئن ہو جاتی ہیں۔ سوویت عورتوں کی اکثریت کا دن بالعموم صبح
سویرے دفتر جانے کے لیے بس پکڑنے سے شروع ہوتا ہے اور پھر لنچ کے وقت روز مرہ کی چیزیں
خریدنے کے لیے لمبی لمبی قطار میں لگنا ہوتا ہے۔ شام کو فرصت کے بعد انھیں خریداری کے لیے
دوبارہ قطار بندی کرنی ہوتی ہے۔ تمام دن کی مشقت اور بھاگ دوڑ کے بعد جس میں انھیں آرام
وسکون کا کوئی لمحہ نہیں ملتا، انھیں رات کا کھانا تیار کرنے، بچوں کو سلانے اور گھر کی صفائی میں جت
پڑتا ہے۔ ایک سابق سوویت حکومت کی رپورٹ کے مطابق ایک بیوی کو اپنے گھر کے کام پر
(آفس کے کام کے علاوہ) اوسطاً ہفتے میں ۳۴ گھنٹے صرف کرنے ہوتے ہیں جبکہ شوہر صرف چھ
گھنٹے گھر کا کام کرتا ہے۔''

روس میں عورتوں کو مردوں کے برابر ملازمت دیئے جانے کے بلند بانگ دعوے کی حقیقت
جاننے کے لیے، آل یونین سنٹرل کونسل آف ٹریڈ یونینز، یو ایس ایس آر (All Union Central
Council of Trade Unions USSR.) کے سیکریٹری A.P.Biryukova کے
اس مضمون کو پڑھیں جو انٹرنیشنل لیبر ریویو کے جنوری، فروری 1980 (International

Marfat.com

Equality of Opp-) کے شمارے میں (Labour Review, Jan-Feb, 19
-ortunity for Women Workers in USS) کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس
انھوں نے بعض شعبوں میں عورتوں کی ملازمت کو محدود کرنے کی سفارش کی ہے جب کہ بعض
ں میں ان کی ملازمت کو قطعی ممنوع کرنے کو کہا ہے۔ انھوں نے اپنی یہ سفارشات عورتوں کی
انی اور نفسیاتی بنیاد پر کیے گئے کئی تحقیقاتی مطالعے کی روشنی میں کی ہیں۔ ان مطالعوں میں
ان کی بعض شدید جسمانی اور نفسیاتی معذوریوں کو واضح کیا گیا ہے، جو خاص طور پر بعض جدید
نی اداروں میں کام کرنے سے انھیں کسی جسمانی یا نفسیاتی بیماری کا شکار بنا سکتی ہیں۔

جن مطالعوں کی بنیاد پر یہ سفارشات مرتب کی گئی ہیں وہ مختصراً یوں ہیں:

''۲۰ سال کی عمر میں ایک عورت کی جسمانی قوت مرد کے مقابلے میں ۶۵ فیصد ہوتی ہے جو ۵۵ سال کی عمر میں گھٹ کر ۵۴ فیصد ہو جاتی ہے۔ مرد کے مقابلے میں ایک عورت کی توانائی ۸۵ فیصد ہوتی ہے۔ ایک ۲۰ سال کا مرد، ایک منٹ میں زیادہ سے زیادہ ۴.۱ لیٹر آکسیجن لیتا ہے، جب کہ اسی عمر کی عورت ۲.۹ لیٹر لیتی ہے۔ فی کلوگرام جسمانی وزن کے حساب سے عورت کے پھیپھڑوں کی گنجایش مرد کے مقابلے میں ۱۱ فیصد کم ہے۔ اور خون میں سرخ ذرّوں (Hemoglobin) کی سطح ۲۰ فیصد کم ہے۔ سب سے بڑھ کر اور اہم عورت اور مرد کے حیاتیاتی توازن کے درمیان عددی اور مقداری فرق ہے۔ مرد اور عورت کے اعضاء ماحول بنانے کے عنصر کے طور پر مختلف انداز میں ردّعمل ظاہر کرتے ہیں۔ عورت پر مرد کے مقابلے میں گرمی کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ طبیعیاتی طور پر ہوا میں حرارت کے بڑھنے سے عورت کے اعضاء میں مرد کے مقابلے میں جلد اور تیزی سے گرمی اثر انداز ہوتی ہے۔''

''مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے اعضا میں بے ترتیبی سے نقصان دہ اجزا کم اکٹھا ہوتے ہیں۔ ایک کیوبک میٹر میں ۵ ملی گرام فنائل (Phenol) اکٹھا ہونے سے مرد کی صحت پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا، لیکن عورت کے حیض اور اس کی دوبارہ پیداواری صلاحیت کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔''

Marfat.com

''شور اور ارتعاش عورتوں کے اعضاء پر مردوں کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ اثر ڈالتے ہیں۔ موجودہ صنعت اور زراعت میں بڑی مقدار میں کیمیائی ادویات استعمال ہوتی ہیں جن میں بہت سوں میں زہریلی صفات ہوتی ہیں جو خاص طور پر عورتوں کے اعضاء کے مخصوص عمل میں نقصان پہنچاتی ہیں۔''

''یہ کہنا کافی ہوگا کہ ان میں بہت سارے اجزا میں ایسی خاصیت ہوتی ہے جو دورانِ حمل شدید نقصان پہنچاتے ہیں اور بچے کی بناوٹ میں مہلک ہوتے ہیں۔ ایسے کام جس میں وزنی چیزوں کو اٹھانا پڑے خاص طور پر نقصان دہ نتائج پیدا کرتے ہیں۔ مطالعوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو عورتیں اس قسم کے کام کرتی ہیں ان کے ایام ماہواری میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ان کے رحم اور اندامِ نہانی کو نقصان پہنچتا رہتا ہے اور دورانِ حمل یا اسقاط کی صورت میں خون زیادہ نکلنے لگتا ہے۔ اس قسم کے واقعات ایسے کاموں میں بہت زیادہ ہوتے ہیں جہاں سخت ذہنی اور دماغی دباؤ ہو یا ایک ہی حالت میں رہ کر مستقل کام کرنا پڑتا ہو۔''

مندرجہ بالا مطالعاتی معلومات قرآنی آیات کی سائنسی توضیح کرتی ہیں، یہ آیات بتاتی کہ مرد عورت کا نگران اور محافظ بنایا گیا ہے کیوں کہ اللہ نے اسے زیادہ طاقت عطا کی ہے۔

انٹرنیشنل لیبر ریویو کی اسی اشاعت میں nployment Opportunity for Women in Hungary. کے عنوان سے لکھتے ہوئے Eidith Gomori نے ش میں اور رات کے وقت کام کرنے سے انسانی حیاتیات پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان میں بہت سارے کاموں اور پیشوں کی فہرست دی ہے اور سفارش کی ہے کہ جزوی یا کلی طور میں عورتوں کو ملازمت نہیں دینی چاہیے۔

روسی نسوانیت اس درجہ تنزل کا شکار ہوگئی ہے کہ گورباچیف (Gorbachev) نے کتاب ''Prestroika'' میں روسی عورتوں کی حالت زار پر اپنے سخت دکھ کا اظہار کیا روسی عورت کے لیے اس دن کی آرزو کی ہے جب ''وہ عورت کے بنیادی مشن کی طرف آ جائے اور ایک ماں اور گھر گرہستن کا کردار ادا کرے۔''

Marfat.com

امریکہ کی طرف آئیں تو Kinsey Report کے مطابق جنسی بگاڑ اور بے راہ روی عام ہوگئی ہے۔ امریکہ میں ایک ایسی کنواری لڑکی کا ملنا تقریباً ناممکن ہے جس کی عصمت و عفت کی ضمانت دی جاسکے۔ ایسی کوئی شادی شدہ عورت بھی نہیں ملے گی جس کی پاکبازی کا اعتبار کیا جاسکے۔

ہفتہ وار ٹائم نے اپنی ۶ جون ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں امریکی زندگی کے ذہنی دباؤ اور تناؤ پر ایک خصوصی مضمون شائع کیا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہفتہ وار ٹائم کی ۶ اپریل ۱۹۸۱ء میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ کنواری دوشیزائیں اسقاطِ حمل کراتی ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ اس ملک میں مانع حمل سہولتیں عام دستیاب ہیں۔

اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ امریکہ اپنی لڑاکا فوج میں عورتوں کو ملازمت دینے کے خطرات پر سوچ بچار کر رہا ہے۔

کراچی کے روزنامہ بزنس ریکارڈر نے ۲۰ جون ۱۹۹۱ء کو رپورٹ کیا ہے کہ: ''امریکہ کے سینئر افسران نے کانگریس کو منگل کے دن یہ بتایا کہ وہ خاتون ہوابازوں کو لڑاکا مشن پر بھیجنے کے مخالف ہیں اگرچہ خاتون ہوابازوں نے خلیج کی جنگ میں قابل تعریف کارکردگی دکھائی تھی۔''

سینیٹ کی Armed Services Committee's Manpower, Personnel Sub Commitee سے ایرفورس کے چیف آف اسٹاف General Meril Mepeak نے کہا: ''میں لڑاکا فوج میں عورتوں کی تعداد کو زیادہ کرنے کا روادار نہیں ہوں۔'' کمیٹی یہ غور کر رہی تھی کہ کیا ان قانونی رکاوٹوں کو دور کیا جائے جو عورتوں کو لڑاکا فوج میں شامل ہونے سے روکتی ہیں...... جنرل Mepeak نے کہا کہ وہ امریکی افواج، نیوی اور میرین میں رائج ان قوانین سے مطمئن ہیں۔ زمینی فوج جو اس قانون کے دائرۂ کار میں نہیں ہے، اندرونی طور پر اسی پر کاربند ہے۔''

میرین کمانڈنٹ جنرل Alfred Gray نے پینل کو بتایا کہ ''ہم اپنی فوج میں ایسی کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ معاملات بہت خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ جنرل گرے نے کہا کہ خلیج کی جنگ عورتوں کی کارکردگی کو ناپنے کا کوئی بہترین پیمانہ نہیں ہے۔ یہ کسی

Marfat.com

مستقل جنگ میں آزمائشی امتحان نہیں تھا بلکہ یہ ایک مختصر جنگ تھی۔'' سابق کارپس کمانڈنٹ Robert Barrow نے زور دے کر یہ بات کہی کہ عورتیں لڑائی میں کسی کو مار نہیں سکتیں۔ ''عورتیں زندگی دیتی ہیں، زندگی کو برقرار رکھتی ہیں، اور زندگی کو ختم نہیں کرسکتیں۔''

۲۷ اپریل ۱۹۹۱ء کے اکنامسٹ نے رپورٹ کیا ہے کہ ورجینیا ملٹری انسٹیٹیوٹ اور جنوبی کیرولینا میں چارلسٹن کے فوجی حکام (Citadel in charleston) عورتوں کے کیڈٹ افسروں کی حیثیت سے داخلے کے سلسلے میں ۱۹۷۰ء کے قوانین کی سخت مزاحمت کر رہے ہیں کیوں کہ مرد و عورت کی مشترکہ تربیت فوجی ڈسپلن اور کارکردگی کی موجودہ صورتِ حال کے لیے تباہ کن ہوگی۔ West Point نیول اکیڈمی اور ایرفورس اکیڈمی میں خاتون کیڈٹس کی کارکردگی ان خدشات کو درست ثابت کرتی ہے۔ جہاں نہ صرف یہ کہ ڈسپلن میں ''نرمی'' آ گئی ہے بلکہ ''جنسی تناؤ کی ایک شکل'' بھی ظہور پذیر ہوگئی ہے، جن سے بہت گھمبیر اور شدید مسائل پیدا ہوگئے ہیں، بلکہ فوج کی ۱۵۰ سالہ اعلیٰ روایت اور شجاعت کے برباد ہونے کا بھی خطرہ ہے۔'' امریکہ کی Air Academy جو مردوں اور خواتین دونوں اصناف کے کیڈٹوں کو تربیت دیتی ہے، وہاں ۲۰۰۳ء میں ایک بہت بڑی جنسی ہنگامہ خیزی سامنے آئی، جہاں سینئر مرد کیڈٹس جونیئر خواتین کیڈٹس کو مجبور کرتے یا اکساتے کہ وہ ان کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کریں اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی خاتون کیڈٹ اپنے ساتھ جبری جنسی تعلقات کے خلاف اکیڈمی کے اعلیٰ حکام کے پاس شکایت لے جاتی تو اکثر حالات میں سزا کی مستحق خاتون کیڈٹ ہی ٹھہرائی جاتی کہ جنسی لطف اندوزی میں وہ ایک پارٹی کیوں بنی۔ اب اس طرح کے پچاس واقعات کے بعد جاری اسکینڈلز کا نوٹس لیا گیا ہے۔

مغرب میں جنسی زبوں حالی کس تشویش ناک مقام پر پہنچ چکی ہے۔ اس کا اندازہ مختلف جرائد میں شائع ہونے والی درج ذیل رپورٹوں سے کیا جاسکتا ہے۔

ہفتہ وار ٹائم اپنی ۱۹ اپریل ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں ایک خصوصی مضمون ''انقلاب ختم ہوا'' (The Revolution is Over) کے زیرِ عنوان ایک معروف گائنا کالوجسٹ کے حوالے سے لکھتا ہے: ''سو فی صد والدین کسی نہ کسی انداز میں شادی سے پہلے ہی سے جنسی تجربہ رکھتے

Marfat.com

ہیں۔ یہی جریدہ ہفتہ وار ٹائم اپنی ۶ جون ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ جب نیویارک یونیورسٹی کے ماہر نفسیات جارج سربین (George Serbian) نے ۱۰۰۸ افراد پر مبنی ایک ملک گیر سروے کیا جس میں زیادہ تر ۱۸ سے ۶۰ سال تک کے شادی شدہ مرد و خواتین تھے تو یہ معلوم ہوا کہ ذہنی دباؤ کی سب سے بڑی وجہ معاشرے میں جنسی رویے میں تبدیلی ہے جس میں جنسی آزاد خیالی بھی شامل ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ یونین کی ویمن کمیٹی کی رپورٹ جو آکسفورڈ کی ۳۰۰۰ طالبات کے ساتھ مرد ٹیوٹرز کی طرف سے زیادتی کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، اس میں طالبات کے ساتھ جبری جنسی تعلقات اور ان کی عصمت دری کے واقعات درج ہیں اور اس ضمن میں بالکل عام واقعات عورت کی طرف رغبت اور ان کی مرضی کے خلاف ان کے ساتھ بوس و کنار کرنا ہے۔''

روزنامہ Independent، لندن میں Mary Brid نے ٹرین کے سیکنڈ کلاس کے ایک پرہجوم کمپارٹمنٹ میں جنسی بے راہ روی کا ایک وقوعہ بیان کیا ہے۔ ساڑھے نو بجے شب مسافر Margaret Uciforna نے دیکھا کہ مس D.Arey ٹوائلٹ سے واپس آئی تو اپنی جینز کے بغیر Hendgerson کی گود میں بیٹھ گئی اور اپنی جنسی شہوت پوری کی۔ اور وہ دونوں بلا رکاوٹ یہ عمل کرتے رہے۔

اس طرح غیر شادی شدہ ماؤں کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عام منظر ہے۔ ۱۹۷۰ء میں برطانیہ میں ۸.۲ فیصد بچے ناجائز طور پر پیدا ہوتے تھے، یہ تناسب اب ۱۲ فیصد تک ہو گیا ہوگا۔

شادی کے بغیر جنسی تعلقات ایک عام سی بات ہو گئی ہے اور برطانوی معاشرہ ایسی ناجائز پیدائش پر اب کسی ناخوشی کا اظہار نہیں کرتا۔

اور اب محرمات کے ساتھ جنسی تعلق پر (باپ اور بہن کے ساتھ فحش تعلقات) کی برائی بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ پولیس اور عدالتیں ان برے اور فحش مسائل سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ جوان لڑکیوں اور عمر رسیدہ عورتوں کی عصمت دری اور قتل کے واقعات بھی ایک تشویشناک شکل اختیار کر گئے ہیں۔

مزید یہ کہ ہزاروں بچے ہر سال ایسی خواتین جنم دیتی ہیں جن کے شوہر نامرد ہیں، کسی

Marfat.com

دوسرے مرد کا مادۂ تولید ایسی عورت میں سرنج کے ذریعہ منتقل کر کے اسے حاملہ بنا دیا جاتا ہے۔۱۴ جولائی ۱۹۸۴ء کا اکنامسٹ لکھتا ہے: ''انسان دوسرے عیسوی ہزار یے کو تحریف میں اپنے کمالات پر ختم کرے گا، پہلی بار اور وہ بھی اپنی فطرت اور اپنے ہی وجود کے ساتھ، ہر زندہ شخص کو غارت کر دینے کی طاقت حاصل کر لینے کے بعد اب سائنسدان اس طرف متوجہ ہیں کہ ان لوگوں کے معاملات میں کس طرح دخل انداز ہوں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، تشویش کی اصل وجہ یہی ہے۔'' آخر میں وہ ایک سوال پوچھتا ہے: ''کیا کاروباری انداز میں ماؤں کے رحم کو بچوں کی پیدائش کے لیے کرائے پر لگا دینے کی اجازت دے دینی چاہیے؟'' جریدہ جواب دیتا ہے: ''کیوں نہیں؟ ایک ایسے معاشرے میں جہاں اسقاط حمل کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہو، AIDS کی اجازت ہو، قحبہ خانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہوں، نرسوں کی بھیگی عوامی کہانیاں ہوں، وہاں اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہفتہ وار ٹائم نے ۲۱ جون ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں ایک خصوصی مضمون دنیا کی بڑھتی ہوئی جنسی صنعت پر شائع کیا ہے اور جنسی زبوں حالی کے چشم کشا واقعات کا انکشاف کیا ہے۔ دنیا میں عام طور پر اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں خاص طور پر، مضمون کی ابتدا ایک تشویشناک نوٹ سے ہوتی ہے:

> ''برلن اور پراگ کے درمیان پھیلا ہوا ۱۲۱ کلو میٹر کا علاقہ عشق و پیار کی ایک شاہراہ ہے، دنیا کا طویل ترین قحبہ خانہ ہے۔ مسافر کسی مقام پر رک کر، صرف ۳۰ ڈالر کے عوض ایک لڑکی اٹھا لے سکتے ہیں...... اکثر یہ باپ ہوتا ہے جو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوتا ہے اور یہ ماں ہوتی ہے جو بیٹی کا سودا کر رہی ہوتی ہے۔''

۱۹۹۱ء میں جنوب مشرق ایشیائی خواتین آرگنائزیشن (South East Asian Women Orgazisatio) 1970ء کے عشرے میں ۳۰ ملین عورتیں دنیا کے بازار میں فروخت کی گئیں۔ UNESCO کے Women Right Department کے ڈائریکٹر Wassyla Tamzali نے کہا: ''جنسی صنعت ایک بہت بڑی مارکیٹ رکھتی ہے اور اس میں افزودگی کی بڑی صلاحیت ہے۔'' آپ ایک خریدار اور طوائف کے درمیان غیر رسمی مسابقت رکھتے ہیں۔''

Marfat.com

پولیس کا بیان ہے کہ جرمنی کی ۲۰۰,۰۰۰ طوائفوں میں ایک چوتھائی روس سے آئی ہوئی ہیں۔ روسی عورتیں جہازوں میں بھر بھر کر مختصر ویزے پر دبئی آتی ہیں تا کہ شیخوں کی جنسی بھوک بجھا سکیں۔ مزید یہ کہ ترکی میں بحر اسود سے ملحقہ علاقوں میں روسی عورتیں بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں اور بقول روسی آرٹسٹوں کے ترکوں کو خوب دوہتی ہیں۔

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جرمنی میں ۲۰۰۰۰۰ طوائفوں کی موجودگی کے باوجود کم از کم ۱۰۰۰۰۰ جرمن تھائی لینڈ کے جنسی سفر پر پابندی سے جاتے ہیں۔ ۷۰-۱۹۶۰ء کے عشروں میں، وہ تائیوان اور جنوبی کوریا کے منظم جنسی سفر کا اہتمام کرتے تھے جو بعد میں فلپائن اور تھائی لینڈ تک وسیع ہو گیا۔ ۱۹۹۰ء میں ٹریفک دو رویہ ہو گیا، جب تھائی لینڈ اور فلپائن کی طوائفیں جاپان منتقل ہونے لگیں۔ اندازہ ہے کہ تقریباً ۷۰۰۰۰ تھائی فضائی مہمان دراصل جنسی غلام ہیں جو Yakuza کے بدمعاش مجرموں کے کنٹرول میں ہیں اور جنھیں دلال ۱۴۰۰۰ ڈالر کے عوض جاپانی گاہکوں کو فروخت کر دیتے ہیں جو دوبارہ ۳۰۰۰۰ ڈالر کے بدلے جاپانی دلالوں کے ذریعہ بک جاتی ہیں۔ ہوسٹن میں، کوریائیوں کے زیر انتظام چلنے والے ننگی ماڈلنگ کے اسٹوڈیوز میں امریکی فوجی جوانوں کی جنسی تسکین کے لیے سہولتیں دستیاب ہیں۔

تل ابیب قحبہ خانوں کا ایک بہت ہی کامیاب کاروبار کر رہا ہے، جہاں فحاشی کے اڈوں کی تعداد ۳۰ سے ۱۵۰ کی بلند سطح تک پہنچ گئی ہے، جس کی وجہ روسی عورتوں کی بڑی تعداد کی آمد ہے۔

مضمون میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بڑی تعداد میں لڑکیوں کو رقاصاؤں کی حیثیت سے بھرتی کیا جاتا ہے، جنھیں بعد میں طوائف کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بعض کیتھولک لڑکیاں مزاحمت کرتی ہیں تو ان کی آبروریزی کر دی جاتی ہے، تا کہ ان کا عزم ٹوٹ جائے۔

اس طرح مغرب میں اور بعض صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں جیسے جاپان، عصمت فروشی عورتوں کا پرکشش کاروبار اور ذریعہ آمدنی بنتا جا رہا ہے۔ جنس سے متعلق بعض بیماریاں جیسے ایڈز کا تناسب تشویش ناک حد تک بڑھ گیا ہے۔

اس تناظر میں اسلامی معاشرے میں جنس کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کی داد دینی چاہیے۔ یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام کے بارے میں مغرب میں اس قدر

Marfat.com

شورشرابہ ہے۔ Paul Hollander نے اپنے مضمون The Resilience of Adve-rsary Cutulre (Natioal Interest Summer 2002). میں طالبان کے دور میں عورت کے مقام کا مقابلہ جدید مغربی معاشرے سے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ’’طالبان نے عورتوں کے لیے یہ قانون بنادیا تھا کہ جب وہ گھر سے باہر پبلک مقامات پر جائیں تو مکمل طور خود کو ڈھانپ لیں، جبکہ بیسویں صدی میں امریکہ نے عورت کے ایک بالکل بے پردہ کلچر کو رائج کیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک دور دراز ملک کی عورتوں کے جسم کو سخت پردے میں رکھنے کی بابت ایک متشدد حکومت کے بارے میں ہمیں آگاہی حاصل ہوئی، لیکن یہاں اپنے ملک میں عورتوں کے جسم جس مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں، ان کو کیا کیا جائے؟ برقع اور جانگیہ ایک ہی سیاسی نقشے کے دو متضاد رُخ ہیں۔‘‘

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد عورت کا مقام ایک بہت ہی اعلیٰ مثال ہے کہ کس طرح عورت اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے ترقی کے مدارج طے (کرسکتی اور) کررہی ہے۔ شاہِ ایران کے دور میں عورت شراب پیتی تھی، نائٹ کلبوں میں رقص کرتی تھی، مردوں کے ساتھ سمندر کے کنارے غسل کرتی اور دھوپ سینکتی تھی، اسلامی انقلاب کے بعد ان کی زندگی کے طور طریقوں میں زبردست تبدیلی آ گئی۔ انھوں نے حجاب کو اپنا لیا اور اسلامی معاشرے کو قبول کرلیا، جس نے ان کی ایسی کارکردگیوں اور ذمہ داریوں میں جس کی اسلام نے انھیں اجازت دی ہے، کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کی۔ شاہ کے دور کے مقابلے میں آج وہ تعلیم اور روشن خیالی میں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور معاشرے کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کررہی ہیں۔

ایرانی انقلاب کے بعد عورت کے مقام کے بارے میں لکھتے ہوئے میتا زمانی (The Middle East Journal, Summer, 1993) ایران میں عورت کے کردار کا سخت تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا ہے:

’’ایرانی عورتیں آج خود کو مسلم دنیا میں لیڈر شپ کی بہتر پوزیشن میں پاتی ہیں۔ قرآن کے معانی و مطالب پر بحث کرتی ہیں، ثقافتی وفود کی سربراہی کرتی ہیں، یہاں تک کہ دوسرے مسلم ممالک کی ان سرگرمیوں پر تنقید کرتی ہیں جو اسلام کی تعلیمات

Marfat.com

کے مطابق نہ ہوں ...... مثال کے طور پر کویت میں عورتوں کے ووٹ نہ دینے کے حق پر تنقید کرتی ہیں، جبکہ مصری عورتیں جو کبھی مشرقِ وسطیٰ میں عورتوں کی تحریک میں آگے آگے تھیں آج خود کو مشکل میں پا رہی ہیں، ایرانی عورتیں فخر کے ساتھ اس ترقی کی مثال پیش کرتی ہیں، جن کا فائدہ اسلام کی رہنمائی میں عورتیں حاصل کرسکتی ہیں۔''

جون ۱۹۹۲ء میں مجلس کے الیکشن کے دوسرے مرحلے میں ۲۶۸ نائبین میں ۹ عورتیں منتخب ہوئیں، جن کے پاس فلسفے اور اسلامی قوانین کی ڈگریاں تھیں، ایک کے پاس اسلامک کلچر کی ڈگری تھی، ایک کے پاس مڈوائف کی، ایک کے پاس فرنچ زبان کی وغیرہ وغیرہ۔ جہاں وہ مغرب کے زوال پذیر معاشرے کی طرف عورتوں کو توجہ دلاتی ہیں، وہیں سائنسی ترقی اور طبی میدان میں عورتوں کی ترقی پر زور دیتی ہیں، جہاں عورتوں کی سرجری کے ماہرین میں ۵۲ فیصد خواتین ہیں۔ مضمون نگار توجہ دلاتا ہے کہ اس طرح خواتین شاہ کے زمانے کے مقابلے میں اپنی کارکردگی میں کہیں زیادہ آگے بڑھ گئی ہیں۔

اسلامی معاشرے کے ساتھ اپنے تعلق کو ایرانی عورتیں کسی طرح بھی کمزور کرنے یا کم کرنے کی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گی۔

حال ہی میں باحجاب ایرانی خواتین کے ایک گروپ نے Gardonm کے دفتر کا محاصرہ کرلیا، یہ ایک مقبول ادبی جریدہ ہے، جس نے اپنے سرورق پر چادر میں لپٹی، زمین پر پڑی ہوئی ایک بے جان عورت کی تصویر شایع کی تھی، بتانا یہ مقصود تھا کہ اسلامی اقتدار کس طرح انحطاط پذیر ہیں۔

Daniel Pipes جو اسلام کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے اور جو اسلام کو جنگجو اسلام کہتا ہے، اسے بھی اپنی کتاب Militant Islam Reaches America میں اعتراف کرنا پڑا ہے: ''مسلمان خواتین جو اسلامی لباس پہنتی ہیں، ایک خاتون تجزیہ نگار کے مطابق، عام طور پر زیادہ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں، اکثر مشہور یونیورسٹیوں کے طب، انجینئرنگ اور سائنس کے شعبوں سے وابستہ ہیں اور ان کا لباس اس کی نشان دہی کرتا ہے۔ اگرچہ پبلک اداروں میں وہ اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں، تاہم وہ مذہبی اور باکردار خواتین ہیں جب کہ دوسری عورتیں پبلک مقامات پر

Marfat.com

تنگ کی جاتی ہیں، خوف زدہ کی جاتی ہیں۔ ۱۹۸۰ء تک اسلامی لباس مڈل کلاس عورتوں کی شناخت بن گیا اور اب یہ خواتین اپنی عوامی سرگرمیوں میں اس لباس کو ترک کرنا نہیں چاہتیں۔ حسن ترابی کہتے ہیں: ''میں جنسی مساوات کے حق میں ہوں۔'' پھر وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک برقع پوش عورت یہ نسوانی مقصد حاصل کرسکتی ہے۔ وہ عورت جو پردے میں نہیں ہوتی، مرد کے مساوی سمجھی جاتی ہے۔ اس پر نظریں اس انداز سے اٹھتی ہیں کہ وہ کتنی خوبصورت ہے، کس قدر پسندیدہ ہے لیکن جب وہ نقاب میں ہوتی ہے تو اسے ایک انسان سمجھا جاتا ہے، کوئی مسرت بخش شے یا کوئی مائل کرنے والی صورت نہیں۔

معروف جرمن مستشرق اور اسکالر این میری شمل (Anne Marie Schimel) جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مسلم ممالک کے سفر پر گزارا، اس بات پر افسوس کا اظہار کرتی ہے کہ مذہبی فلاسفی پر لکھی گئی کسی مغربی کتاب میں اسلام کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ یہ بہت آسان ہے کہ آپ ایک سطحی نظر ڈالیں اور کثرتِ ازدواج اور طلاق کے مسئلوں پر تنقید کرنے لگیں اور پردے کو مسلسل تنقیص کا نشانہ بنائیں...... گو اس پر زیادہ زور ایک مخصوص دور کے بعد دیا جانے لگا ہے ...... بہ نسبت اس کے کہ آپ ان کے مثبت پہلوؤں کو دیکھیں۔ اس نے ترکی کی جنگ آزادی میں عورتوں کے کردار کو سراہا ہے اور تحریک پاکستان میں عورتوں کی شرکت کی تعریف کی ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں عورتوں کے کردار کے بارے میں منفی خیالات کے برعکس یہ واقعاتی ثبوت ہیں۔

ایک ۳۷ صفحات کی دستاویز میں Vatican نے کہا ہے: ''عورتوں کا احترام کرنا چاہیے اور کام کی جگہ پر انھیں برابر کے حقوق ملنے چاہئیں۔ یہ آزادی نسواں پر تنقید کرتا ہے۔ جنس کی تفریق مٹانے کی کوشش پر پوپ جان پال نے روایتی شادیوں کی ایک سے زیادہ بار مدافعت کی ہے اور امریکہ اور یورپ میں ہم جنسوں کے درمیان شادی کی مخالفت کی ہے۔ اس دستاویز نے ماں کے کردار اور اس کی قدر و قیمت کو تسلیم کرنے پر بھی زور دیا ہے۔

فروری ۱۹۹۶ء میں اسلامی جمہوریہ سوڈان نے اپنے صوبائی گورنروں میں ایک عورت کا بھی تقرر کیا۔

ریڈرز ڈائجسٹ ''شادی، نصف نصف معاملہ نہیں ہے'' (Marriage is not Fifty

Marfat.com

Fifty affair) کے عنوان سے لکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مکمل اشتراک میں جہاں ذمہ داریاں بانٹ لی جاتی ہیں، ان کا کتے کی طرح تعاقب کرنا آخر کار تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ مساویانہ حقوق اور عورت کے وقار پر بحث کرتے ہوئے جریدے نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کوئی بھی دو شخص جذبات، مفادات اور ذمہ داریوں میں یکساں نہیں ہوسکتے۔ یہ جذباتی وابستگی ہے جہاں دونوں فریق برابر کی محبت کا احساس کریں، خاندانی فیصلوں میں برابر کے شریک ہوں اور یہ محسوس کریں کہ دونوں اپنا اپنا کردار بخوبی ادا کر رہے ہیں۔ حقیقتاً یہی جذبہ کام کرتا ہے۔'' چاہے جانے کا احساس، گھریلو فیصلوں میں دونوں کی شرکت اور خاندان کی فلاح و بہبود میں دونوں کی شراکت ہی وہ چیزیں ہیں جو ایک گھر کو خوشی بخشتی ہیں اور عورت کو نسوانی افتخار...... نہ کہ مساویانہ حقوق کا سرد احساس اور ان حقوق کا جبریہ نفاذ۔

مشہور و معروف کالم نگار Madeleine Bunting نے گارجین نیوز سروس کی اپنی ایک تحریر (Dawn, Oct, 05, 2005) میں بتایا ہے کہ کس طرح مغرب کے خوشحال گھرانوں پر مارکیٹ کی قوتیں اثر انداز ہو رہی ہیں، زیادہ سے زیادہ وقت ملازمت پر گزارنے کو ترجیح دی جا رہی ہے اور گھریلو ذمہ داریوں کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ مغرب میں گھر اور بچوں کی نگہداشت معاوضے پر رکھے گئے افراد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو زیادہ تر ترقی پذیر ممالک کی خواتین تارکینِ وطن ہوتی ہیں۔ اس طرح، مغرب میں نگہداشت کے خلا کو ترقی پذیر دنیا کے بڑھتے ہوئے خلا کی قیمت پر بھرا جا رہا ہے۔ ایک امریکی استاد Arlie Russel Hoschelds نے نوحہ گری کی ہے کہ بیسویں صدی میں ایک گھر اور بیوی کا مثالی نمونہ ''بے حس دنیا میں ایک جائے پناہ'' جیسا ہے، وہ زندگی جو مسابقت اور معاشی تگ و دو سے دور رکھی جاتی تھی اب قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔

Hoscheld نے اپنی ریاست کیلی فورنیا کی مثال دی ہے۔ جہاں بعض اشتہاری ایجنسیاں Rent A Mom کا اشتہار دیتی ہیں (کرائے پر ماں حاصل کریں)۔ یہ ''مائیں'' سارے گھریلو کام بچوں کی دیکھ بھال سے لے کر کمروں کی صفائی تک کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ سالگرہ پارٹیوں کے اہتمام کی بھی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا میں کام کرنے والے بالغ افراد

Marfat.com

کے مقابلے میں بچوں اور بوڑھوں کا تناسب ۵۰ فیصد ہے اور بیماری کی شرح بھی زیادہ ہے۔ ترقی پذیر دنیا میں ایڈز کے سبب نگہداشت اور خبر گیری کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے۔ لہٰذا بچوں کی پرورش اور بیماروں کی دیکھ بھال کے کام متاثر ہوئے ہیں۔

عورت کی حقیقی ذمہ داری اور اس کا مقصد حیات تخلیق کے خدائی منصوبے کو پورا کرنا ہے، جس کے لیے مرد اور عورت دونوں کو علم حاصل کرنے کو کہا گیا ہے۔ معاشرے میں اس جنسی تفریق کے خدائی منصوبے میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور نیکیاں پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے میں دونوں ہی اپنے اپنے کردار سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ عورت کو بھی علم حاصل کرنا چاہیے لیکن اسلام کے بنائے ہوئے نظام کے دائرے میں رہ کر، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اس کے لیے علیحدہ تعلیمی ادارے ہوں، جہاں دوستانہ اور خوشگوار ماحول مہیا کیا گیا ہو۔ اس طرح وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ایک تخلیقی معاشرے کی تعمیر میں لگا سکتی ہے اور گھریلو زندگی کو سنوارنے میں بہترین کردار ادا کر سکتی ہے۔

تعلیم، میڈیکل ٹیکنالوجی، بچوں کی نگہداشت، دیہی صحت و صفائی، امورِ خانہ داری، جیسے کھانا پکانا، کپڑے دھونا، سینا پرونا، کڑھائی، گھر کی آرائش وغیرہ ایسے کام ہیں جو ایک پرمسرت گھریلو زندگی کو فروغ دیتے ہیں۔ ہمارے دیہاتوں اور شہری پسماندہ علاقوں میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی عورتیں ہیں جن کی فوری اور اشد ضرورت خواندگی، صحت اور تعلیم بالغان ہے، اگر ہماری تعلیم یافتہ خواتین اور یونیورسٹی کی طالبات فرصت کے دنوں میں رضا کارانہ طور پر ایک بہتر منصوبے پر حکومت کے مالی تعاون سے ملک کے پسماندہ علاقوں میں پھیل جائیں، جہاں وہ خواندگی کی مہم چلائیں، عورتوں کو پڑھائیں لکھائیں، انھیں کھانا پکانے اور سلائی کڑھائی کا ہنر سکھائیں تو اس طرح ان عورتوں کی صلاحیت کار بھی بڑھے گی اور گاؤں میں رہنے والوں کا معیار زندگی بھی بلند ہوگا۔ ہوٹل مینجمنٹ کے بہت سارے ادارے قائم ہیں۔ ایسے ہی ادارے مختلف سطحوں پر گھر کے انتظام، صفائی وصحت کھانے پکانے، کپڑے دھونے، سلائی کڑھائی کے شعبوں میں مختلف کورسز کا اہتمام کیوں نہیں کر سکتے؟ لڑکیوں کے لیے مخصوص ان شعبوں میں تربیت دینے کے لیے شہروں اور دیہاتوں میں مرکز کھولے جا سکتے ہیں۔ ان اداروں کے قیام سے عورتوں کے

Marfat.com

لیے روزگار کے مواقع بھی مہیا ہوں گے اور امورِ خانہ داری کے فن میں لڑکیاں بہت کچھ سیکھ بھی سکیں گی۔ اس سے ان کی صلاحیت کار بھی بڑھے گی اور انھیں اضافی آمدنی بھی ہوگی اپنے گھر اور خاندان سے دور ہوئے بغیر، ہر گھر دستکاری کا ایک چھوٹا سا کالج (مرکز) بن جائے گا۔ شہری دفاع اور فوجی خدمات کے مخصوص تربیتی کیمپ بھی قائم کیے جا سکتے ہیں۔ عورتوں کے لیے مخصوص اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے کھلنے سے اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لیے ملازمت کے مواقع بڑھیں گے۔ اسی طرح، خواتین کے لیے مخصوص میڈیکل کالج اور ہسپتال کھلنے سے نوجوان لڑکیوں کی طب کے پیشے میں جانے کی آرزو پوری ہوگی۔ سوال صرف ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کا ہے، جہاں نوجوان لڑکیوں کو اپنے کردار اور اپنی شخصیت کو ایک اسلامی معاشرے میں سنوارنے اور نکھارنے کا موقع ملے۔ انہی منصوبوں کے اس حسن ترتیب اور توازن میں رہتے ہوئے جس میں آدم و حوا کی تخلیق ہوئی ہے۔ ایک روشن خیال معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہے، اسے ابراہام لنکن نے بہت ہی خوب صورت شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ابراہام لنکن جو ایک معمولی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے امریکہ کے اعلیٰ ترین منصب صدارت پر فائز ہوا اور جس نے غلاموں کو آزادی دلانے کی جدوجہد میں اپنی زندگی نذر کرتے ہوئے صدارتی عہدے کی توقیر بڑھادی۔ اپنی نظم ''آدم و حوا کی شادی'' (Adam and Eva Wedding song) میں عورت کے وقار کا گیت یوں الاپتا ہے:

عورت آدم کے پاؤں سے نہیں پیدا ہوئی
اس لیے اسے کمتر نہیں سمجھنا چاہیے
عورت آدم کے سر سے نہیں پیدا ہوئی
اس لیے اس پر حکم نہیں چلانا چاہیے
عورت آدم کے بازو سے پیدا ہوئی ہے
اس لیے اس کی حفاظت کرنی چاہیے
زخموں اور نقصانات سے

Marfat.com

حدود آرڈیننس کے دفاع میں:

مغرب حدود آرڈیننس پر بہت برہم ہے کہ یہ چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے اور زانی کو سنگسار کرتا ہے۔ (جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے) اس نے ان سزاؤں کو قدیم زمانے کی قبائلی اور وحشیانہ سزائیں کہا ہے۔ بائبل کا حکم ہے: ''اگر تمھارا ہاتھ یا پاؤں جرم کرے تو اسے کاٹ دو اور خود سے علیحدہ کردو'' (متی)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں چوروں کو سولی پر چڑھا دیتے تھے (متی)۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے کو وحشیانہ کہا گیا ہے اور اسے مغربی ذہن بالکل قبول نہیں کرتا۔ Daniel Pipes نے ان سزاؤں پر خوب لعنت ملامت کی ہے اور مغرب پر زور دیا ہے کہ وہ ان وحشیانہ سزاؤں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے خیال میں یہ سزائیں جنگجو اسلام کی علامت ہیں، جس سے مغرب کے طرزِ بود و ماند اور تہذیب کو سخت خطرات لاحق ہیں۔ امریکہ کے ممتاز رہنماؤں میں ایک سابق صدر نکسن نے اپنی کتاب Sieze the Moment میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا ہے کہ امریکہ میں امریکی مسلمان عام طور پر غیر مہذب، گندے، وحشی اور غیر روادار سمجھے جاتے ہیں۔

چوری کے مسئلے پر صرف سزا کی شدت پر اظہار برہمی کیا گیا ہے۔ جرم کی تعریف و کیفیت پر توجہ نہیں دی گئی۔ دلیل میں یہ کہا گیا ہے کہ چوری عام طور پر ایک غریب آدمی اپنی مالی پریشانیوں کے سبب کرتا ہے۔ اس لیے ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا دینا یوں ظلم ہے کہ ایک تو یہ سزا بہت بڑی ہے، دوسرے یہ سزا دے کر ایک انسان کو اپنی روزی کمانے سے ناکارہ بنا دیا جاتا ہے۔ عالمی سطح پر خاص طور پر مغرب کے خوشحال ممالک میں جرم و سزا کے مطالعے سے یہ بات ہی غلط ثابت ہوتی ہے کہ چوری عام طور پر ایک غریب آدمی اپنی مالی پریشانیوں سے تنگ آ کر کرتا ہے۔ جب کہ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ، چوریاں زیادہ منظم، متشدد اور پر پیچ ہوگئی ہیں جن میں لاکھوں ڈالرز کا معاملہ ہوتا ہے۔ شاہراہوں پر رہزنی، رکاوٹیں کھڑی کرنا، مار دھاڑ، بلاخوف و خطر ڈکیتیاں معاشی طور پر ترقی یافتہ اور امریکہ جیسے خوشحال ممالک میں عام ہیں۔ نیو یارک اور امریکہ کے دوسرے بڑے شہروں کی سڑکوں پر جرائم پیشہ لوگوں کی ریل پیل ہے اور معمولی سا موقع ملتے ہی، جیسے بجلی کا عارضی طور پر

Marfat.com

ے جانا، دکانوں پر حملہ کر دیا جاتا ہے، انھیں لوٹ لیا جاتا ہے، عورتوں کو پکڑ کر ان کی عصمت دری دی جاتی ہے۔ برطانیہ میں شاہراہوں پر رہزنی اور رکاوٹیں کھڑی کر کے بڑی بڑی رقم لوٹ لینا م سے مناظر ہیں۔ اس کے برعکس سعودی عرب جو امریکہ کے مقابلے میں ایک پسماندہ ملک ے، وہاں لاکھوں حجاج کھلے آسمان تلے ایک ہی وقت میں خیموں میں رہتے ہیں، وہاں مشکل سے چوری یا لوٹ مار کی کوئی واردات ہوتی ہے۔ چوری اور ڈکیتی سے محفوظ رہنے کے اہم اسباب ں، ایک یہ ہے کہ سعودی عرب میں مجرموں کو فوری اور سخت سزا دینے پر عمل کیا جاتا ہے۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ گھروں میں چوری کرنا چوری واحد طریقہ نہیں ہے۔ بنکوں اور زیورات کی دوکانوں پر ڈکیتی ایک عام سی بات ہوگئی ہے جس ں منظم گروہ کام کرتے ہیں اور جن میں معلوم ذرائع اور ذی اثر حلقے ملوث ہوتے ہیں۔

یہ قطعی غلط ہے کہ جو شخص بھی چوری کا مرتکب پایا جائے اس کی سزا اس کا ہاتھ کاٹنا ہے۔ قحط یا دید مالی پریشانیوں کے زمانے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف کر دی جاتی ہے۔ معمولی چوری میں ھی یہ سزا نہیں دی جاتی۔ اگر چور نے پہلی بار یہ جرم کیا ہو اور وہ اس جرم پر پشیمان ہو تو جج اسے رمانے کی سزا دے کر معاف کر سکتا ہے۔ قرآنِ پاک میں واضح احکام ہیں کہ اگر چور اپنے جرم پر دم ہو اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لے تو وہ معافی کا مستحق ہے۔ (المائدہ، آیت ۴۲) چور کے ہاتھ کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ انگلیوں سے کلائی اور کہنیوں تک کوئی بھی حصہ جرم کی نوعیت کے عتبار سے کاٹا جائے۔ جج یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ ایک انگلی کاٹ دی جائے یا انگلی کا ایک حصہ۔ ب سے اہم بات یہ کہ سزا اس وقت دی جائے گی، جب چار معتبر چشم دید گواہ موجود ہوں یا مجرم خود رضا کارانہ طور پر اقبال جرم کر لے۔

ہندوستان کے مسلم دورِ حکومت میں سارے انتظامات شرعی قوانین کے تحت چلائے جاتے تھے اور یہ اس قدر موثر تھے کہ وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں جب کہ مغل حکومت مکمل طور پر زوال پذیر ہو چکی تھی، گورنر جنرل نے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایک نوٹ میں یہ بات کہی ہے کہ کوئی بھی شخص بنگال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے خوف و خطر سفر کر سکتا ہے سوائے جنگلی جانوروں کے خطرے کے۔ گورنر جنرل نے لا اینڈ آرڈر کے اس اعلیٰ ترین معیار کا سبب

Marfat.com

ہندوستان میں رائج منصفانہ انتظام کو بتایا، جس کی بنیاد شرعی قوانین تھے۔ ۳۲-۱۸۳۱ء کے
پارلیمانی پیپر میں یہ بات درج ہے کہ: ''گو قانونِ شہادت بہت سخت تھا اور ملزم کے بچ نکلنے کی
گنجائش موجود تھی، سخت سزا کے خوف سے کوئی شخص چوری یا ڈکیتی کی ہمت نہیں کرتا تھا۔''

اس میں شک نہیں کہ اسلام بہیمانہ جرائم کی سخت سزا تجویز کرتا ہے، ایسی حالت میں کہ مجرم
رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ جرم و سزا کا جدید نظریہ مجرموں کو دوبارہ راہِ راست پر لانے پر زور دیتا
ہے لیکن اس نظریے پر پھر سختی سے غور و فکر ہو رہا ہے کہ ایک بار پھر پرانے طریقہ سزا پر لوٹا جائے۔
امریکی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس Warren Barger نے اوائل ۱۹۸۱ء میں امریکی بار
ایسوسی ایشن کو خطاب کرتے ہوئے ''متشدد جرائم'' کی مزاحمت کی طرف پر زور توجہ دلائی۔ چیف
جسٹس نے پوچھا: ''ہم غیر ملکی دہشت گردوں کے ساتھ اس قدر سخت اور اپنے ملک کے مجرموں
کے معاملات میں اتنے روادار کیوں ہیں؟'' ...... ''کیا ہم اپنے خود ساختہ روشن خیال اور مہذب
ملک کے حصار کے یرغمال تو نہیں؟'' نیو یارک ٹائمز نے یہ پکار سنی اور اپنے اداریے میں اپنا تاثر
یوں بیان کیا: ''Barger نے شہریوں کی پوری نسل کی ترجمانی کرتے ہوئے ہماری دکھتی رگ پر
ہاتھ رکھا ہے، وہ شہری جو اپنی سڑکوں پر دہشت زدہ پھرتے ہیں اور اپنی خوف زدگی میں اپنے بالکل
بنیادی حقوق سے محرومی کا احساس رکھتے ہیں۔''

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۷۵ کسی شادی شدہ عورت کی غیر مرد کے ساتھ اپنی مرضی سے
جنسی ملاپ کو قابل مواخذہ نہیں سمجھتی۔ کیوں کہ اس کے نزدیک زنا وہ جرم ہے جو کسی مرد نے
زبردستی کسی عورت کی مرضی کے خلاف کیا ہو یا اس کو قتل یا کوئی نقصان پہنچانے کی دھمکی دے کر کیا
گیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک بیوی کے اپنے شوہر کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی جنسی ملاپ کی
صورت میں نہ عورت مجرم ٹھہرتی ہے اور نہ ہی وہ مرد جس نے اپنی بیوی کے علاوہ دوسری عورت
کے ساتھ جنسی بھوک بجھائی ہو۔ یہاں تک کہ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی مرد
کے ساتھ اپنی مرضی سے ہم بستری کرے تو وہ کسی بھی مجرمانہ فعل کی مرتکب نہیں۔ مرد بھی اس فعل
میں مجرم نہیں گردانا جاتا۔ آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے فوجداری قوانین میں ایک شادی شدہ اور
غیرت مند عورت کسی بھی مرد کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنے میں آزاد تھی۔ قانونی طور پر عورت کے

Marfat.com

ہے یہ آزاد جنسی تعلقات کا دور تھا۔

ہندوستانی تعزیراتی قوانین ہندوستانی لا کمیشن نے مرتب کیا تھا، جس کا سربراہ لارڈ میکالے
۔اس سے قبل محمڈن لا یا شریعت کے قوانین نافذ العمل تھے، جس میں ایک مرد اور ایک عورت کا
ی اختلاط آپس کی رضامندی کے باوجود شرعی قوانین کے تحت قابل سزا تھا۔ انگلش قوانین جرائم
اس وقت رائج تھے یا جو اب بھی رائج ہیں، ان میں زنا کے لیے کوئی تعزیر نہیں ہے۔ البتہ یہ تعزیر
جود تھی اور اب بھی موجود ہے کہ عورت کی مرضی کے بغیر کوئی مرد زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ
بل سزا ہے۔ تعزیرات پاکستان میں عصمت دری کی تعریف تقریباً وہی ہے جو English
Hallisbury's Law of Englar (Vol-II, P.No:652) میں یوں درج ہے:

"کسی مرد کا کسی عورت کی عصمت دری کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ ایک عورت کی عصمت دری اس کے ساتھ بدفعلی کرنا ہے، چاہے زبردستی سے ہو، خوف کے زیر اثر ہو یا دھوکے سے ہو۔"

اس کے برعکس قرآنِ پاک ازدواجی زندگی سے باہر اپنی جنسی بھوک مٹانے کو ممنوع قرار دیتا
ہے۔ (النور، آیت ۳۳) "یہ مرد اور عورتوں دونوں کو اس جرم کی پاداش میں سو سو کوڑوں کی سزا
یتا ہے۔" (النور، آیت ۲) بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا سنگساری قرار دے دی۔
ونوں صورتوں میں جب مرد اور عورت دونوں یا ان میں ایک پہلے سے شادی شدہ ہو، موت کی سزا
رف اس زانی کو دی جائے گی، جو پہلے سے شادی شدہ ہو۔ زنا بالجبر میں جس فریق نے طاقت
کے ذریعہ یہ عمل کیا ہے وہ قابل سزا ہے، جس پر جبر کیا گیا ہو وہ نہیں۔

زنا کے الزام کے مقابلے میں اگر الزام لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ خود اسی
کوڑے کی سزا (قذف) کا مستحق ٹھہرتا ٹھہرتی ہے۔ اور آئندہ کے لیے گواہی کے لیے نااہل قرار
یا جاتا ہے۔ (النور، آیت ۴) یہی نہیں بلکہ کسی پاکباز عورت پر تہمت لگانے پر چاہے وہ ناسمجھ ہی کیوں
نہ ہو، اللہ نے لعنت کی ہے اور آخرت میں ایسے شخص کے لیے سخت عذاب مقرر کر رکھا ہے۔ (النور،
آیت ۲۳) اگر ایک شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے اور چار بار قسم کھائے تو بیوی سزا سے بچ سکتی ہے
اگر وہ بھی چار بار قسم کھا کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے۔ (النور، آیات ۶ تا ۸) اسلام میں ۱۲

Marfat.com

طرح کا کھلا ہوا تحفظ ایک عورت کو غلط تہمت پر مہیا کیا گیا ہے۔

زنا کے ملزم کو سزا صرف اس صورت میں ملے گی جب وہ خود کسی خوف وخطر کے بغ
اپنے جرم کا اقرار کرلے، بصورتِ دیگر ملزم کو سزا اس وقت مل سکتی ہے جب اس کے خلاف
چار چشم دید گواہ موجود ہوں جن کی دیانت اور صداقت پر عدالت کو اطمینان ہو۔ جہاں چا
گواہ دستیاب نہ ہوں، نہ ہی اپنی مرضی سے اقرارِ جرم کیا گیا ہو لیکن اس کے باوجود کا
شہادتیں موجود ہوں تو ملزم تعزیر کا مستحق قرار پائے گا جو ایک کمتر سزا ہے اور زنا بالجبر کے
معاملے میں کم سے کم سزا چار سال اور زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہے، جب کہ عام زنا میں
مختلف سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ آرڈیننس میں زنا کی تعریف جس میں اپنی مرضی سے جنسی اختلا
شامل ہے، قرآنِ پاک سے ماخوذ ہے اور یہ عصمت دری کی اس تعریف سے بالکل مختلف ہے، ج
آرڈیننس سے پہلے کے قوانین میں درج تھی۔ یہ دو مختلف تصور اور تعریفات جنسی تعلقات پر د
بالکل الگ الگ اور متصادم نظریات ہیں۔ لہٰذا، انتخاب اللہ کے نافذ کردہ قانون اور مغربی سو
اور تہذیب کے درمیان ہے۔

یہ صرف حدود آرڈیننس کے زمانے میں پہلی بار ممکن ہوا ہے کہ اپنی بیوی پر زنا کا غلط الزا
لگانے والے شخص کو جس نے چار گواہ نہیں پیش کیے سزا دی گئی ہے۔ (وفاقی شرعی عدالت کا مقد
NLR 1984، عبدالرشید بمقابلہ صفیہ بی بی)

اپنی تمام تر معلومات کے باوجود انسان اپنی تخلیق کے بارے میں خاص طور پر اخلاقی ا
معاشرتی تعلقات میں پوری طرح آگہی نہیں حاصل کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے و
فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا۔ انسان کو انسان رہنے کے لیے ظاہری سچائیوں کو تسلیم کرنے پڑے گا ا
جبھی وہ بامراد و کامیاب ہوسکے گا۔ جنسی زندگی اور تعلقات کا فلسفہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے ا
جس سے زنا آرڈیننس رہنمائی اور اختیار حاصل کرتا ہے، تمام زمانوں کے لیے نافذ العمل ہے
خصوصاً آج کی جدید دنیا میں جب جنسی بدحالی تشویشناک حد تک پہنچ گئی ہے اور جس کے سبب
شادی اور گھریلو زندگی کے نظام کو سخت خطرہ درپیش ہے۔ بہر کیف، یہ فیملی لاء ہے، جو اسلام

Marfat.com

تعلیمات کے مطابق نہیں ہے، جس نے طلاق دینے یا حاصل کرنے کے قانونی ضابطۂ کار کو اتنا زیادہ پیچیدہ بنادیا ہے اور غیر معقول شوہروں کے لیے آسان کردیا ہے کہ وہ کسی قانونی ضابطے پر عمل کیے بغیر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں اور جب بیوی دوسرا شوہر کرنا چاہے تو وہ دی ہوئی طلاق سے منکر ہوجائیں اور طلاق کے کسی قانونی ثبوت کے موجود نہ ہونے کے سبب بیوی پر زنا کا جرم عاید کردیا جائے۔ اس لیے، عورتوں کی ایک بڑی تعداد پر زنا کا مقدمہ اور نتیجے میں ان کا جیلوں میں سڑتے رہنا ان فیملی لاز کا ثمرہ ہے، جن کا ایوب خاں کے دور میں نفاذ ہوا تھا۔ اس وقت کے مذہبی رہنماؤں کی مخالفت کے باوجود۔ لہٰذا، فیملی لاز کو کالعدم ہونا چاہیے، حدود آرڈیننس کو نہیں۔

زنا کے سلسلے میں حدود آرڈیننس کا غلط استعمال یا کسی بے گناہ کو غلط طور پر اس جرم میں ملوث کرنے کا کوئی احتمال نہیں ہے کیوں کہ الزام لگانے والے کو چار گواہ پیش کرنا ہوں گے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ خود اسی کوڑوں کی سزا کا مستحق ٹھہرے گا رٹھہرے گی۔ حدودِ آرڈیننس سے پہلے عصمت دری کے جھوٹے الزام کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی اور اسی لیے جھوٹی تہمتوں کی اس دور میں بہتات تھی۔

بعض حلقے سنگساری کی سزا پر یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ قرآن نے ایسی کوئی سزا مقرر نہیں کی۔ وفاقی شرعی عدالت بھی اپنے پہلے فیصلوں میں اس غلطی کا شکار ہوگئی ہے لیکن بعد میں اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے طویل بحث و مباحثے کے بعد شرعی عدالت اس نتیجے پر پہنچی کہ درحقیقت زانی کو سنگسار کرنے کی سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کی تھی اور جب سے بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہی ہے۔ شرعی عدالت نے جب حتمی طور پر سنگساری کی سزا کو برقرار رکھنے کے حق میں فیصلہ دیا ہے تو پارلیمنٹ میں اسے کالعدم کرنے کا سوال نہیں اٹھایا جاسکتا۔ حتمی طور پر نظر ثانی کیا ہوا فیصلہ معاملے کے تمام پہلوؤں کا بغور اور تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد کیا گیا ہے اور ایک رپورٹ میں شایع کردیا گیا ہے جس کے مطالعے سے اپنی معلومات کو مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

یہاں جنسی بے راہ روی اور انارکی کے چند واقعات کی جھلک پیش کی جاتی ہے جو نہ صرف مغرب کے ترقی یافتہ معاشرے بلکہ ہندوستان میں بھی رونما ہوئے۔

Henry Steele Commager اپنی کتاب The American Mind میں

Marfat.com

امریکہ میں جنسی عادات پر Kinsey Report کا حوالہ دیتے ہوئے یہ انتہائی ہیجان انگیز انکشاف کرتا ہے کہ "بیسویں صدی کے وسط تک کسی عورت کی عفت مآبی یا کسی شادہ عورت کی پاکبازی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔" امریکہ میں نصف ملین نوجوان غیر شادی شدہ لڑکیاں ہر سال اسقاطِ حمل کراتی ہیں۔ ہفتہ وار ٹائم نے اپنی ۱۹ اپریل ۱۹۸۴ء میں روسی عورتوں پر ایک خصوصی رپورٹ میں روس میں جنسی صورتِ حال پر انتہائی افسوس ناک انکشاف کیا ہے۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ سخت پبلک ڈسپلن کے باوجود روسی نوجوان جنسی طور پر اتنے ہی بے راہ رو ہیں جتنے کسی مغربی ملک کے۔ مغربی نوجوانوں کی طرح سوویت لڑکے اور لڑکیاں ہم بستری کے عادی ہیں۔ سترھواں سال لڑکیوں کی وہ عمر ہے جب وہ اپنی عفت کھوچکی ہوتی ہیں اور جنس کے معاملے میں ایک آزاد اور کاروباری انداز کا رویہ اپنالیا جاتا ہے۔ برطانوی مطبوعہ کتاب Human Society (Mathew and Macmillan 1974) نے National Council for Mother and thair children کی شہادت پر یہ انکشاف کیا ہے کہ انگلینڈ میں ۸.۲ فیصد بچے ناجائز پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں ۶۴۰،۷ ۸ کی بڑی تعداد میں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ از دواجی جنسی اختلاط سے کہیں زیادہ غیر از دواجی جنسی اختلاط ہوتے ہیں اور یہ جنسی بے راہ روی انگلینڈ کے دیہاتوں میں بھی پھیل رہی ہے۔ R/V Taylor کا British court of Appeal کے مقدمے میں ایک فیصلہ ہے (All England Law Rep 1977) "لڑکی اوباش تھی اور جنس کے سارے کھیل میں خاصا تجربہ رکھتی تھی اور اس لیے ان تمام درخواست گزاروں سے ملی۔ وہ ایک ڈائری رکھتی تھی جس میں اپنے جنسی تجربات کا اندراج کرتی تھی۔ خصوصیت کے مدارج کے ساتھ۔ اس لیے اگر وہ سچ بول رہی تھی تو جنس کے معاملات میں وہ بہر حال تجربات رکھتی تھی ...... اس کی عمر چودہ سال تھی اس دوران وہ Rolest کے ساتھ پابندی سے جنسی اختلاط کر رہی تھی، وہ Simon کے قریب پہنچی۔

لڑکی کے بیان کے مطابق، ان درخواست گزاروں کے ساتھ جنسی مشغولیت کے دوران مشت زنی کی حرکتیں بھی ہوتی تھیں۔ جنہیں آج کل زبانی جنسیت (Oral Sex) کا نام دیا گیا ہے۔" سولہ سال سے کم عمر لڑکیوں میں اس قدر جنسی بے راہ روی نے ملک میں تشویش پیدا کردی

Marfat.com

ہے، جیسا کہ خود فیصلے سے ظاہر ہوتا ہے: ''پریس میں جرائد میں اور ریڈیو پر خاصا بحث و مباحثہ ہوا ہے کہ اس قسم کے جرائم سے کس طرح نمٹا جائے۔''

اب ہندوستان کی طرف دیکھیں۔ وہاں کی سپریم کورٹ نے Wasani vs State (AR 1975) کے مقدمے کے فیصلے میں ہندوستان میں جنسی زبوں حالی کو یوں بے نقاب کیا ہے:

منظر 15 Free School Road Isial Bar کلکتہ کا ہے۔ ایک مسحور کن ہال میں نازک اندام لڑکیوں کے ساتھ رات گزارنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ داخلے کی فیس ۱۵ روپے فی آدمی ہے اور اندر شراب کی مختلف اقسام جام نوشی کی طرف راغب کرتی ہیں۔ نیم لباس عورتیں، سترہ یا اس کے آس پاس کی عمر کی اٹھلاتی پھرتی یا گود میں بیٹھی تیز موسیقی کی دھن پر ہر طرف نظر آئیں گی۔ جسم کے خریداروں کو ترغیب دیتی ہیں اور جو شخص آمادہ ہو اسے صرف ۴۸ روپے ادا کر کے اپنی پسند کی عورت مل جاتی ہے۔ دونوں ایک ساتھ شراب نوشی کرتے ہیں اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ جنسی اختلاط میں مست ہو جاتے ہیں، قانون کی زبان میں اسے پیشہ ور طوائف کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فیصلے میں معاشرے کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ''ہم نے یہ دردناک کہانی اس لیے قلم بند کی ہے کہ اس سے ایک مخصوص ''غیر اخلاقی تجارت'' کی بیماری پھیل رہی ہے۔''

ریاست ہریانہ اور منگا (Manga) کے درمیان ایک دوسرے مقدمے میں (AR 1974) ہندوستان کی سپریم کورٹ نے ایک تیرہ سالہ گونگی اور بہری لڑکی کی بے رحمی سے عصمت دری کا انکشاف کیا ہے:

جنسی زبوں حالی کس طرح ظالمانہ مقام پر پہنچ گئی ہے، اس ہندوستانی عدالت عالیہ نے ایک اور مقدمے (Agarwal vs State of Orissa (Ar 1974 میں روشنی ڈالی ہے۔ فیصلے میں کہا گیا ہے: ''اس مقدمے میں یہ بات کسی شک و شبے کے بغیر ثابت ہوتی ہے کہ مرد کے ہوس پرستی کے میلان کو کسی حد تک پابند کرنے کا کوئی قانون نہیں اور لذت خیزی کی خواہش میں عمر کوئی رکاوٹ نہیں۔''

''درخواست کے مطابق ساٹھ سال کے بوڑھے تاجر نے چھ سال کی بچی کی عصمت

Marfat.com

دری کی ہے۔"

یہ منظر اس بستی کا ہے جہاں غربا رہتے ہیں۔ مظلوم بچی انجلی اپنے ساتھی اشوک اور ایک چھوٹی بچی، سندھامی کے ساتھ ایک کھاتے پیتے ضعیف العمر مارواڑی کے گھر کے برآمدے میں کھیل رہی تھی۔ وقت تقریباً ۱۱ بجے کا تھا۔ بوڑھے شخص نے انجلی کو اضطراری کیفیت میں اٹھایا، اسے اوپر کی منزل پر لے گیا۔ اسے اپنی گود میں بٹھایا، اس کی ننھی پوشاک اتاری اور اس مظلوم کے ساتھ شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا۔ اس ظالمانہ حرکت سے بچی کا خون بہنے لگا اور وہ بوڑھا چیختی ہوئی بچی کو نچلی منزل پر لے آیا۔ فیصلہ اس اختتامی نوٹ پر ختم ہوتا ہے۔

"ایک اچٹتا ہوا خیال، ہم جن مادّی قوانین اور حالات کے تحت فیصلہ دیتے ہیں؛ کسے معلوم کہ ایک بوڑھے شخص کی جیل میں عمر کتنی گزرے گی۔ ایک موہوم سی امید شاید اس کے اندر سچائی کی تلاش کی کوئی امنگ اٹھ جائے جو اس شخص کو باہر اور اندر سے ایک بہتر انسان بنا دے۔ اچھا بننے کے لیے زیادہ عمر کوئی معنی نہیں رکھتی۔" "De Profundis" ایک جنسی اوباش نے جیل میں لکھا جو ایک ادبی تخلیق کار بھی تھا۔" اس مقدمے میں ملزم کے وکیل نے ایک بہت ہی رحم دلانہ اپیل کی کہ ایک ستر سالہ بوڑھے کو جیل نہ بھیجا جائے اور جو کئی سال سے ویسے ہی جیل بھگت رہا ہے۔ عدالت نے یہ درخواست ردّ کر دی اس بنا پر کہ ممکن ہے سزا اس کے اندر سے ایک بہتر انسان برآمد کر لے۔ فیصلے کا یہ پہلو انسان میں بہتر تبدیلی لانے کا ذریعہ بننے کے لیے، سزا کی ضرورت پر زور دیتا ہے جو یقینی طور پر صحیح سوچ کی غمازی کرتا ہے۔

ایک لمحہ فکریہ:

انتہائی مہذب اور اور روشن خیال معاشروں میں جنسی بدحالی اور اوباشی جیسا کہ برطانوی عدالتوں اور ہندوستان کی سپریم کورٹ کے مندرجہ بالا فیصلوں میں نمایاں ہوئی ہیں اور ان کے علاوہ سویت یونین، امریکہ اور برطانیہ کے مختلف کمیشنوں کے مطالعوں سے واضح ہیں۔ کیا زانی کو سنگسار کرنا بڑا ظلم ہے یا جنسی بے راہ روی کو جاری رکھنا؟

جنسی گراوٹ کی تشویشناک صورتِ حال میں شریعت کی سنگساری کی سزا درست قرار پاتی ہے۔ یہ سخت ترین سزا مجرم اشخاص کی اصلاح اور پورے معاشرے کی ایسے گندے جرم سے نجات

Marfat.com

کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ زانی مرد اور عورت از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اقرار جرم کرتے اور آپؐ سے استدعا کرتے کہ انھیں پاک کرنے کے لیے سزا دی جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے منہ موڑ لیتے اور انھیں واپس بھیج دیتے لیکن جب وہ بار بار سزا کا مطالبہ کرتے، جسے وہ آنے والی دنیا میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے، تب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سنگسار کرنے کی سزا کا حکم دیتے۔

The Institute of Policy Studies of Pakistan. نے حدود قوانین کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے گزشتہ دس سال میں دیئے گئے فیصلوں کی حال ہی میں ایک ریسرچ رپورٹ شایع کی ہے۔ افسوس کہ اس مطالعے نے خصوصی طور پر ان سارے غلط تصورات کی نفی کردی ہے جو حدود کے مقدمات کے فیصلوں کے خلاف پھیلائے گئے ہیں۔ صرف I.P.S ہی نہیں بلکہ بہت سے مشہور و معروف مغربی اسکالروں نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر کچھ رپورٹیں تیار کی ہیں۔ ان میں Kennedy's Studies جو Pacific Affairs اور دوسرے جریدوں میں شایع ہوئی، توجہ کی مستحق ہے۔ یہ سارے مطالعے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جہاں تک حدود کے قوانین اور ان پر عمل درآمد کا تعلق ہے، کہیں بھی غلط فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں کہیں ماتحت عدالتوں نے غلطی کی ہے یا پولیس نے غلط تفتیش کی ہے، وہاں شرعی عدالت نے اس کا فوری نوٹس لیا ہے اور معاملے کی اصلاح کی ہے۔

(Foreign Policy Debates, Institute of Policy Studies 1993.)

اس لیے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا شریعت کو جدید دور کے آگے جھک جانا چاہیے یا جدید دور کو شریعت کے آگے!

اسلام میں فکری اظہار کی آزادی:

اپنی تخلیق کی خود شناسی کے لیے انسان کی آزادی فکر و اظہار شرطِ اوّل ہے۔ اللہ نے اپنی بے پایاں رحمت و حکمت سے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ (آل عمران)

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بھلاتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔ (آل عمران، آیت ۱۰۴) اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ: ''وہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے۔'' (الرعد، آیت ۱۱) اور آخر میں انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تخلیق کو سمجھے اور اس پر غور و فکر کرے۔ (آل عمران، آیت ۱۹۱۔۱۹۲) ان الٰہی احکامات نے ہر مرد اور ہر عورت پر یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ غور و فکر میں لگے رہیں اور ایک طرف جستجو میں رہیں تو دوسری طرف بحث و مباحثہ کریں، تشہیر کریں اور اللہ کے دین کو پھیلائیں۔ اس طرح وہ فکر و اظہار اور ایسوسی ایشن کی آزادی کا لطف بھی اٹھائیں اور انھیں بروئے کار بھی لائیں۔ لہٰذا اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لیے یہ تین شرائط لازمی ہیں اور اس لیے انھیں نہ تو دبایا جا سکتا ہے، نہ کسی دنیاوی اقتدار یا ادارے کے ذریعہ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

ایک مکتبہ فکر کے خیال میں اللہ پر مکمل ایمان فکر و اظہار کی آزادی کا ہم پلہ نہیں، لیکن اسلام نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک کے لیے دوسرا ضروری ہے۔ دراصل اسلام روئے زمین پر ایسی کوئی مقدس چیز نہیں رکھتا جو تنقید سے مبرا ہو۔ اللہ نے انسان کو عقل عطا کی ہے جسے وہ اللہ کے نام پر بے خوف و خطر استعمال کر سکتا ہے۔

البتہ اسلام کے حوالے سے فکر و اظہار کی آزادی جس میں کسی چیز کی جانچ پڑتال اور اس پر تنقید شامل ہے، کا استعمال اس سوچ کے ساتھ کرنا چاہیے کہ اچھا کیا ہے، قابل احتراز کیا ہے، برائی کیا ہے، جس کے لیے قانونِ الٰہی ضروری رہنمائی اور تحفظ فراہم کرتا ہے۔ Pikthal اپنی کتاب ''Cultural Side of Islam'' میں لکھتا ہے:

> ''تمام دوسرے مذاہب میں خصوصی اختیارات اور ذمہ داریاں مذہبی پیشواؤں یا پادریوں کے حوالے کر دی گئی ہیں، اسلامی نظام میں یہ سب کچھ افراد کے ذہن کو تفویض کر دیا گیا ہے۔''

اب ایک انتہائی اہم سوال ان آزادیوں کی حد بندی کے بارے میں اٹھتا ہے جہاں یہ دنیاوی اختیار کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں، وہاں ان کی وسعت، حد بندی اور ان پر عمل درآمد کا

Marfat.com

طریقہ بھی انھیں اختیارات نے طے کر دیا ہے۔ تمام جدید حکومتیں جن کی بنیاد تحریری دستاویز پر ہے، وہ شرائط بھی تجویز کرتے ہیں جنھیں پارلیمنٹ وضع کرتی ہے۔ یہ آزادیاں، ہنگامی صورتِ حال میں، معطل بھی کی جا سکتی ہیں۔

اسلام میں، یہ قوانین چوں کہ اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لیے ضروری ہیں، کسی دنیاوی اقتدار کے دائرۂ اختیار میں نہیں اور نہ کوئی ادارہ ان میں کمی بیشی کر سکتا ہے، چاہے وہ پارلیمنٹ ہو یا خود معاشرہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے انسان کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان آزادیوں پر عمل کرے۔ مخصوص حد بندیوں کے بغیر یہ آزادیاں مستقل طور پر آزادی اور تحفظ کے درمیان ایک کشمکش کا سبب بن سکتی ہیں۔ جب تک شخصی آزادی اور خود مختاری کو ایک دائرے کے اندر محدود نہ رکھا جائے، معاشرتی نظم و ضبط اور ترقی ہمیشہ خطرے میں رہیں گے۔

اللہ نے اپنی بے پایاں رحمت و حکمت سے انسانیت کو اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا ہے، اور نہ ہی اُسے آزمائشی تجربات اور ان کی غلطیوں کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے کہ وہ نظم و ضبط اور آزادی کی ضرورتوں کے درمیان توازن قائم کرنے کے لیے بھٹکتی پھرے۔ قرآنِ پاک نے آزادی اور تحفظ کے درمیان کشمکش کو دور کرنے کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت راہ دکھائی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

> ''اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ لوگوں کو بلاؤ اور (اگر بحث آن پڑے) تو ان کے ساتھ بہترین طریقے سے بحث کرو۔ تمھارا رب ہی جانتا ہے کہ کون راستے سے بھٹک گیا ہے۔'' (النحل، آیت ۱۲۵)

اس قرآنی آیت میں اللہ کی طرف بلانے کا طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ لوگوں کو خوب صورت نصیحتوں اور دلائل سے اللہ کی طرف بلاؤ، ایسی نصیحتیں جو بہترین اور دل آویز ہوں۔ اس طرح، حسنِ دل آویزی اور حکمت، نصیحت اور تبلیغ کے لیے کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ اپنے خیالات کی تشہیر یا الٰہی نظریات کی تبلیغ میں، شائستگی، معقولیت اور اخلاص کی حدوں کو پار کرنے کے کسی بھی امکان کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ آیت ہمیں فکری اظہار کا فن اور سلیقہ سکھاتی ہے۔ اس طرح اس مقدس آیت میں ہمیں ایک معاشرتی نمونہ ملتا ہے، جس میں فکر و اظہار کی آزادی کی ایک مکمل

Marfat.com

تعریف کردی گئی ہے اور جسے رواداری اور برداشت کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔

ایران کے ڈاکٹر علی شریعتی بتاتے ہیں کہ حکمت کا مطلب محض علمی معلومات اور واقفیت نہیں ہے بلکہ یہ وہ تحریکی قوت ہے جو ہمیں اخلاقیات کے اعلیٰ مقام تک رہنمائی کرتی ہے اور ہمیں تمام برائیوں سے روکے رکھتی ہے۔ یہ علم ضمیر کے پہلو بہ پہلو ہے۔ اس طرح اللہ نے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لیے حسن و اخلاص کے علاوہ حکمت بھی عطا کی ہے۔ اصلاح اور تبلیغ کے راستے میں جبر اور خودنمائی سے احتراز کرنا پڑتا ہے۔

اسی سورۃ کی ۹۲ ویں آیت میں یہ اعلان کیا گیا ہے:

''......اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے ہو، قیامت کے دن (اللہ) ضرور تم پر (ان کی حقیقت) ظاہر کر دے گا......'' (النحل، آیت ۹۲)

اگر فہمائش و نصیحت کے باوجود اختلافات باقی رہیں تو اس پر کسی کو برہم نہیں ہونا چاہیے اور نہ زبردستی ان اختلافات کو دبا دینا چاہیے بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہ اختلاف کرنے والوں کو سیدھا راستہ دکھائے۔ فکر و اظہار اور ایسوسی ایشن کا مقصد یہ نہیں کہ کسی کو زبردستی اپنا ہم خیال بنایا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ پیغام کو لوگوں کے دروازوں تک پہنچایا جائے، بہترین مخلصانہ طریقے سے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات میں صبر کی تلقین کی ہے۔

''بے شک اللہ انھی لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں۔''

(النحل، آیت ۱۲۸)

قرآن نے اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے:

''......بس نیکی کی دوڑ میں لگے رہو، تم سبھوں کی منزل اللہ (کی خوشنودی) ہے، وہی تمھیں ان معاملات کی سچائی دکھائے گا، جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔''

(المائدہ، آیت ۵۱)

فکر و اظہار اور ایسوسی ایشن کی یہ آزادی جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہے وہ اس مقصد کے حصول کے لیے جن کو مندرجہ بالا آیات قرآنی میں وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے، جس میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں، لیکن یہ

Marfat.com

بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں کہ یہ کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کریں، خودنمائی کے لیے نہیں۔

یہ کام صرف اللہ کا ہے کہ ان معاملات میں جہاں ہم اختلافات رکھتے ہیں، ہمیں سچائی کا راستہ دکھائے۔ اس صورتِ حال میں فکر واظہار کی یہ آزادیاں جو انسان کو اتنی عزیز ہیں، کبھی بھی تنزل کا شکار نہ ہوں، کسی کو گزند نہ پہنچائیں، کسی کو نفرت کی طرف مائل نہ کریں اور کسی کو بھی اپنے خیالات کو، چاہے وہ جس قدر بھی قیمتی ہوں، اس شخص پر مسلط نہیں کرنا چاہیے جو ان کو ماننے کے لیے رضامند نہ ہو۔

اسلام میں شرکت اقتدار اور رواداری:

اسلامی تاریخ کا ریکارڈ ہمیں بتاتا ہے کہ بہت سارے اہم معاملات میں مدینہ کے مسلمان بعض اوقات ہم خیال نہیں ہوتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی مسلمانوں کے درمیان اختلافات ابھرتے تھے، مثلاً تجارتی کارواں میں شامل ہوا جائے، مسلح قریش کے ساتھ جنگ کی جائے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر جنگ میں شرکت کے بارے میں سخت اختلافات تھے، اس کے بعد غزوۂ تبوک کے وقت بھی اختلافات موجود تھے۔ دونوں غزوات میں مسلمانوں کی ایک بظاہر بہت ہی وفادار جماعت شریک نہیں ہوئی، جس پر اللہ نے اپنی انتہائی ناخوشی کا اظہار کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے احکام کی روشنی میں، کئی مواقع پر، اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آزادانہ مشورہ کرتے، بعض اوقات جنگ اور امن دونوں موقعوں پر اُن کی رائے اور مشورے کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاورت کے معاملات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف رائے کرنے میں بالکل آزاد تھے اور آپؐ ان کے مشوروں کو خاص اہمیت دیتے۔ ایسے مواقع بھی آئے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مداخلت کے سبب اپنے کیے ہوئے فیصلے تبدیل کر لیے۔ اپنے صحابہؓ کی فہمائش پر آپؐ نے بدر میں فوج کی ترتیب میں تبدیلی کی۔

اختلاف رائے ہمیشہ رہے گا اور بعض اوقات یہ اختلاف پسندیدہ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت میں مخلصانہ اختلاف رحمت ہے۔"

Marfat.com

اسلامی نظام حکومت میں جس کی بنیاد شوریٰ پر ہے، اتفاق رائے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کسی خوف و خطر کے بغیر اپنی رائے کے اظہار کے لائق ہو اور ان آراء کو خاص اہمیت دی جائے۔ اختلاف کی صورت میں، قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ حل کیا جائے اور جو رائے سب سے زیادہ قرآن و سنت کے مطابق ہو، اسے اختیار کرلیا جائے۔ اس کے باوجود بھی اگر کچھ لوگ اختلاف کریں تو انھیں اپنی رائے پر قائم رہنے کا حق ہے، لیکن انھیں شوریٰ کے کیے ہوئے فیصلے کو تسلیم کرنا ہوگا۔

ایسے واقعات گزرے ہیں کہ لوگوں نے اسلام کے صحیح طور پر منتخب کیے ہوئے خلفاء سے اختلاف رائے کیا، لیکن اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے، خلیفہ وقت کی اطاعت کی۔ اس سلسلے میں دو مثالی نمونے ہیں۔ قصر کے معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے دوسروں سے مختلف تھی۔ جب نماز کا وقت ہوا، تمام لوگوں نے اپنے اپنے خلیفہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی لیکن وہ قصر کے بارے میں اپنی رائے پر قائم رہے جو خلیفہ کی رائے سے مختلف تھی۔

ایک اور زیادہ بڑی مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خارجی قبائل کی شورش کے موقع پر ملتی ہے۔ خارجی جو کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زبردست حامی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوگئے۔ سبب یہ تھا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی مصالحت کے معاہدے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول کرلیا تھا۔ خارجیوں نے اسے قرآن و سنت کے خلاف سمجھا اور خلیفہ وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلیفہ اور اسلام کے منصف اعلیٰ نے کیا کیا؟ انھوں نے ان خارجیوں سے کہا کہ وہ خلیفہ کی رائے کے مخالف رائے رکھنے میں آزاد ہیں اور اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا جائے گا۔ اس وقت تک جب تک وہ فتنہ و فساد اور خون ریزی نہ کریں۔ ان کے خلاف آہنی ہاتھ سے اس وقت نمٹا گیا جب انھوں نے بغاوت شروع کردی۔

یہ واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک اسلامی نظام حکومت میں اتفاق رائے کا مطلب مکمل یکسانیت نہیں اور نہ ہی مسلم امہ کے مختلف طبقے اور گروہوں میں اختلاف رائے کا عدم وجود۔ اختلافات ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، لیکن ان اختلافات کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے

Marfat.com

کہ وہ کسی فیصلے کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں اور جب ایک فیصلہ ہو جائے تو سبھوں کو اسے تسلیم کرنا ہوگا، اس کے باوجود وہ اپنی اس رائے پر قائم رہ سکتے ہیں جو اس رائے کے خلاف ہو جس کی بنیاد پر فیصلہ کیا گیا ہے۔

بلاشبہ، مسلمان پانچ خاص مکاتب فکر میں منقسم ہیں جن کی امامت حضرات امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کرتے ہیں لیکن اس تقسیم کی بنیاد کوئی ذاتی حسد یا رقابت نہیں۔ یہ سارے فرقے قرآن و سنت کو وہ واحد رہنما تسلیم کرتے ہیں جو ہمیں بتاتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟

ایک حنفی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے مکتبہ فکر کا ضرور مخالف ہو۔ اس کے برعکس کوئی شخص کسی ایک مکتبہ فکر یا ایک سے زیادہ مکاتب فکر کو ماننے والا ہو سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو آزادی ہے کہ وہ بعض معاملات میں، ایک مکتبہ فکر کی پیروی کرے اور بعض معاملات میں دوسرے کی۔ پانچوں ائمہ میں کوئی بھی قرآن و سنت کی اپنی تعبیر کو حرف آخر نہیں مانتا۔ پانچوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی معاملے میں ان کی رائے کو ماننے سے پہلے ایک شخص کو یہ تسلی کر لینی چاہیے کہ اُن کی رائے قرآن و سنت کے مطابق ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے پیرو ساری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، خود امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے جن کی فقہ کی شیعہ برادران پیروی کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں: ''کسی بھی شخص کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ میری رائے اس کا ماخذ جانے بغیر تسلیم کرے۔'' مطلب یہ کہ قرآن و سنت سے اپنی تشفی کر لے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جس نے کسی توجیہہ کے بغیر معلومات حاصل کیں، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو لکڑیاں اکٹھی کر رہا ہو بغیر یہ معلوم کیے کہ ان کے اندر کوئی سانپ بھی بیٹھا ہے جو اسے کاٹ لے گا۔''

خلیفہ منصور عباسی نے فقہ مالکی کو اپنی پوری اقلیم خلافت میں نافذ کرنا چاہا مگر خود امام مالکؒ نے خلیفہ کو اس سے باز رکھا کہ اس سے تحقیق و جستجو اور اجتہاد کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں، بنیادی طور پر مسلمان دو مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک طبقہ امام ابوحنیفہؒ

Marfat.com

کے ماننے والوں کا ہے، دوسرا امام جعفر صادق کا۔ شیعہ سنی کے سارے اختلافات انھیں دو مکاتب فکر کے گرد گھومتے ہیں۔ آیئے دیکھیں دونوں ائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام جعفرؒ صادق کس طرح کی سوچ رکھتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے، حضرت امام باقر کے بھائی حضرت زین بن علیؒ نے جب عباسی خلیفہ المامون کے خلاف خروج کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت زینؒ کا ساتھ دیا۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حنفی فرقے کے امام نے شیعہ فرقے کے امام کا ساتھ اس خلیفہ کے خلاف دیا جو شیعوں کا مخالف تھا۔ تمام ائمہ کے درمیان مشترک امور یہ ہیں:

(۱) اپنی رائے کو غلطی سے مبرّا نہیں قرار دیا۔

(۲) اس پر زور دیا کہ ان کی رائے کو ماننے سے پہلے اسے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے۔

(۳) لوگوں کو آنکھیں بند کر کے کسی فقہ کو نہیں ماننا چاہیے۔

(۴) تمام فقہ کا مآخذ قرآن و سنت ہے۔

(۵) مستقبل کی تحقیق و جستجو کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں ایک اسلامی حکومت میں کسی فقہ کی پیروی کرنے کے لیے چند اصول مرتب کیے ہیں:

(۱) پانچوں امام اور ان کی فقہ کو برابر کا رتبہ دیا جائے گا اور ریاست ان کا احترام کرے گی۔

(۲) اسلامی ریاست کسی ایک امام کی مخصوص فقہ کی پابند نہیں ہوگی۔

(۳) تمام فقہی مکاتب فکر حکمت و رہنمائی کا سرچشمہ ہوں گے اور اپنے ربط، معقولیت اور کشش کی بنا پر اختیار کیے جائیں گے۔

ایک شرعی قانون جب ہم آہنگی کے مندرجہ بالا اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا تو مسلمانوں کے مختلف فرقے اور مختلف فقہ کے درمیان گروہی اختلافات کے حل نکالنے کی راہ نکل آئے گی۔ قانون کسی ایک دفعہ کو ترجیح یا خصوصی اہمیت نہیں دے گا۔

Marfat.com

عدالت آزاد ہوگی کہ وہ کسی خاص مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت ائمہ کے فتووں اور احکام سے رہنمائی حاصل کرے۔ عدالت اس کے لیے قطعی طور پر آزاد ہوگی کہ وہ ائمہ میں سے کسی ایک کے فیصلے کے مطابق مقدمات میں اپنا فیصلہ دے۔ متحارب پارٹیوں کو بھی اس کی آزادی ہوگی اور ان کے وکلاء کو بھی کہ پانچوں ائمہ میں سے ایک امام کے فتوے اور فیصلے کی روشنی میں اپنے مقدمے کی پیروی کریں اور یہ عدالت کا کام ہوگا کہ وہ دلائل سننے کے بعد اور ان نظائر پر غور کرتے ہوئے جن کی مثال مقدمے میں دی گئی ہو۔ اپنا فیصلہ صادر کرے۔

اسلامی جمہوریہ ایران نے جہاں کی غالب آبادی شیعہ ہے، اپنے دستور کی دفعہ ۱۲ میں مسئلے کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کے لیے درج ذیل تجاویز رکھی ہیں۔

ایران کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور فقہ جعفریہ کا اثناء عشری مسلک اور یہ اصول ہمیشہ ناقابل تغیر رہے گا۔ دوسرے مکاتب فقہ، حنفی، مالکی، حنبلی اور زیدی مذہبی معاملات میں اپنی اپنی فقہ پر عمل کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ ان تمام مکاتب فقہ کو مذہبی تعلیم اور عائلی معاملات (شادی، طلاق، وراثت، ترکہ) میں سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ ملک کے ان علاقوں میں جہاں کسی ایک فقہ کے ماننے والے مسلمان اکثریت میں ہوں، وہاں کی مقامی کونسل اسی فقہ کے مطابق قانون سازی کرے گی، کسی دوسری فقہ کے حقوق پر متاثر کیے بغیر۔

(۱) اسی طرح جب کوئی شریعت بل قانون بن جائے، تو اس بات کی اجازت ہوگی کہ بل کے کسی حصے سے اختلاف رکھنے والے نہ صرف یہ کہ اپنے خیال پر قائم رہیں، بلکہ اس کی تبلیغ بھی کریں، تاکہ اس بل میں ردّ و بدل کے لیے ایک عوامی رائے ابھر کر سامنے آئے، لیکن ان تمام اختلافات سے قطع نظر جب شریعت کا قانون بن جائے تو بلا امتیاز وہ سبھوں پر نافذ ہوگا۔

(۲) ذمیوں کے سلسلے میں جزیے کے نفاذ نے ایک اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کے بارے میں تمام غلط تصورات کو ختم کر دیا ہے۔

یہاں ایک اسلامی ریاست اور ایک مسلم ریاست کے فرق کی وضاحت ہوجانی چاہیے۔ اول الذکر ریاست مکمل طور پر اسلامی احکامات کے تابع ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق لوگوں کو دیئے ہیں انھیں نافذ کرنے کی پابند ہوتی ہے، مذہب اور دین کے کسی امتیاز کے بغیر۔ جب کہ ایک مسلم ریاست مطلق العنان ہو سکتی ہے اور اسلامی احکامات کے تابع نہیں بھی ہو سکتی ہے اور خالصتاً ریاستی قوت کے بل بوتے پر کاروبار حکومت چلا سکتی ہے۔

ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں شرعی احکامات قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیے گئے ہیں:

''اللہ تمھیں نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تم سے دین کے معاملے میں نہیں لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الممتحنہ، آیت ۸)

''وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی کرو جو دین کے معاملے میں تم سے لڑے، تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور نکالنے میں مدد کی اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے، وہی ظالم ہیں۔'' (الممتحنہ، آیت ۹)

ویٹیکن (Vatican) کے پادریوں کی کونسل نے آزادی کے تصور و ہیئت کی یوں توضیح کی ہے...... ''ایک پورے عشرے میں اخلاقی حسن ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا اور یہ اس دن ملیامیٹ ہو گیا تھا جب اس کے پچھلے مقاصد اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھے تھے اور آزادی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں رہا تھا کہ زندگی کے مفاد اور عارضی کشش میں جو کچھ بھی بن پڑے کر گزرو، وہ زندگی جو خالی خولی ہو گئی تھی۔'' (L-Orservatore Romano Feb,10 1993) اس پند و نصیحت کی گونج کس طرح اسلام میں واضح طور پر سنی جا سکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: ''یہ اللہ ہی ہے جس سے انسانیت اپنے تمام حقوق حاصل کرتی ہے۔'' (النساء، آیت ۱) یہ اللہ کی رضا ہے جو نیکی کو ناپنے کا پیمانہ ہے اور ہمارے تمام کاموں کے لیے پیمانہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں یا نہیں۔ قرآنِ پاک تنبیہ کرتا ہے: ''اکثریتی رائے اہل ایمان کو اللہ کے راستے سے بھٹکا بھی سکتی ہے۔''

(الانعام، آیت ۱۱۶)

غور کریں، اسلام اور عیسائیت میں کتنا کچھ مشترک ہے۔

Marfat.com

سلامی طرزِ حکومت اور مغربی آزاد جمہوریت:

عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی امریکی تحریک ساری اسلامی دنیا کو غیر اسلامی کرنے کا بڑا امریکی منصوبہ ہے جس کی ابتدا مشرقِ وسطیٰ سے ہوئی ہے۔ اور یہ منصوبہ بندی ان مفروضوں پر رکھی گئی ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام مغربی تہذیب کے لیے ایک خطرہ ہے اور یہ کہ مغربی جمہوریت ارفع و اعلیٰ ہے، جس میں طرزِ زندگی اور نظامِ حکومت دونوں موجود ہیں۔ یہ دونوں مفروضے انتہائی متنازعہ ہیں اور کسی غور و خوض کے مستحق نہیں۔

سیاسی اسلام کے خلاف جو دلائل دیئے جا رہے ہیں ان کی کچھ جھلکیاں جن پر محسوس ہوتا ہے کہ مغربی فکر مضبوطی سے قائم ہے۔

تل ابیب یونیورسٹی کے موشے دایان سینٹر کے مارٹن کرامر (Martin Kramer) نے استدلال کیا ہے کہ جنگجو اسلامی گروپ فطری طور پر جمہوری یا شریک اقتدار، مساوات پسند اور مغربی فکر کا حامل نہیں ہو سکتا، وجہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین وضع نہیں کیے جاتے ہیں بلکہ خدا کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ Bernard Lewis جو مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ پر ایک اتھارٹی ہیں ماہنامہ Atlanti میں اپنے ایک حالیہ مضمون میں رقمطراز ہیں کہ اسلامی اور عارضی دنیاوی طاقت کے درمیان تعلقات ''آزاد جمہوریت اور اسلام کو فطری ساتھی نہیں بنا سکتے۔'' اسلامی معاشرہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت نہیں بلکہ اللہ کے قوانین کے تابع ہے۔

ہفتہ وار اکنامسٹ اپنی ۱۷ نومبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں اسلامی بنیاد پرستی کے عروج میں مغربی طرزِ زندگی اور حکومت کو ایک چیلنج کے طور پر دیکھتا ہے۔ Huntington نے اپنی کتاب (Clash of Civilization) میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ مغرب اور اسلام کے درمیان صدیوں پرانی کشمکش زیادہ مخاصمانہ ہو جائے گی۔ کلنٹن انتظامیہ نے بھی اسلام کے بارے میں اپنے سخت تحفظات کا اظہار کیا جب اس نے یہ کہا: ''ایک اسلامی ریاست کا جیسا کہ اس کے حامی ظاہر کرتے ہیں، امریکی اور زیادہ تر مغربی ممالک کی اقدار اور آج کی ان سچائیوں سے جن پر وہ کاربند ہیں، موازنہ نہیں ہو سکتا۔ نیو یارک ٹائمز کے آسمان پر ابھرتا ہوا ایک ستارہ Judith Miller اپنے ایک حالیہ مضمون ''Challenge of Radical Islam (The

(Affairs Spring, 1993 foreign) میں اس قصے کو ابھارتی ہے کہ ''اسلامی گروہ چا
جتنا بھی اور کتنی ہی شدت سے جمہوریت اور شرکت اقتدار کے ساتھ اپنی وابستگی کا عہد کرے، ا
کے بنیادی نظریات یعنی اسلامی اقدار کی بنیاد پر ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کرے گی، ا
طے شدہ منزل کے ساتھ ان کا عہد مطابقت نہیں رکھتا۔'' اس نے اسی مضمون میں مزید زور دے
کہا ہے کہ ''مشرقِ وسطیٰ کے معاشرے میں بنیادی سیاسی اسلام کی بلند و بالا حیثیت نے ایک
بھڑک اٹھنے والا آمیزہ تیار کر دیا ہے اور جو لوگ عالمی حقوق انسانی، جمہوری حکومت، سیا
رواداری اور شراکت اقتدار اور عرب اسرائیل کے درمیان امن میں یقین رکھتے ہیں، وہ جنگ
اسلامی تحریک کی بڑھتی ہوئی قوت سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔

یہ مخالفانہ دلائل اسلام کی تعلیمات اور ان نظریوں سے کس قدر دور ہیں جن کا ماخذ قرآن او
اسوۂ حسنہ ہیں اور یہی اسلامی طرزِ حکومت اور معاشرے کو بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں۔ اسلا
معاشرے کے بارے میں یہ سارے معاندانہ نتائج مفروضوں پر بنائی ہوئی اس چوٹی سے اخذ کے
گئے ہیں جو پہلے سے بنائے ہوئے تصورات اور تعصبات کی ریت پر کھڑی ہے۔ یہ اندازِ فکر ہمیں
مشہور برطانوی وزیر اعظم Gladstone کی اس تقریر کی یاد دلاتا ہے جو اس نے دار العوام میں
اپنے ہاتھ میں قرآنِ پاک اٹھائے ہوئے کی تھی اور جوشیلے انداز میں کہا تھا کہ ''جب تک یہ کتاب
باقی ہے، دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔'' جب کہ اس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ اس نے اس کتاب
کو نہیں پڑھا ہے۔ اس کے برعکس برطانوی تخت و تاج کے وارث شہزادہ چارلس نے آکسفور
یونیورسی اسلامک سینٹر میں ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو خطاب کرتے ہوئے، جیسا کہ رائٹر نے رپورٹ کیا
اسلام کی تاریخی [illegible] کو خراجِ تحسین پیش کیا اور اہلِ مغرب کو تنبیہ کی کہ وہ اسے انتہا پسند بنیاد پر
کے برابر نہ سمجھیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ''ہماری انتہا پسندی نے اسلام کے ہمارے فہم کو مسخ کرد
ہے۔'' انھوں نے ''مسلم دنیا کے خلاف نا قابل تصور تعصبات کو ہوا دینے میں'' میڈیا کو موردِ الزا
ٹھہرایا۔

لیکن یہ مخالفانہ دلائل کب تک اس آزاد جمہوریت کا بھرم قائم رکھیں گے جسے ''سیا
استحقاق کا اعلیٰ مخزن'' سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

F.Plattner نے جمہوریت پر اپنے فکر انگیز اور اثر خیز مطالعے (Dialogue, 3, 1992) میں اس کے مستقبل کے بارے میں غور وخوض کیا ہے اور اس سلسلے میں جو مختلف نکات فکر ابھرے ہیں انھیں سامنے رکھتے ہوئے، اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مغربی آزاد جمہوریت کی موجودہ حیثیت کو بہت سارے چیلنج اور مسابقت کا سامنا ہے اور ایک نظام حکومت یا طرزِ زندگی کے طور پر اس کی برتری کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ بہت سارے متبادل نمونے آج کی اور مستقبل کی نسلوں کی رہنمائی کے لیے مقابلے میں ابھر رہے ہیں۔

Plattner کہتا ہے: ''جمہوریت کی برتری کو صرف ایک ایسا نظریہ ہی چیلنج کرسکتا ہے جس کی امنگ عالمگیریت ہو اور جو معاشی طور پر ترقی یافتہ اور فوجی طور پر طاقتور قوم بننے کی صلاحیت ثابت کرسکے۔ قومیت اور لسانیت پر مبنی تحریکیں موجود جمہوریتوں اور آیندہ بننے والی جمہوریتوں، دونوں کے لیے خطرہ ہیں۔

Francis Fukuyama نے The End of History Doctrine (Dialogue 89) میں تجویز کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ آزاد جمہوریت انسان کے نظریاتی ارتقا کا نقطہ آخر ہے، اس کے باوجود مغربی آزاد جمہوریت کو نظام حکومت کی آخری شکل کے طور پر اس کی عالمگیریت کو مسلم دنیا میں بنیادی اسلام کے ایک متبادل کی حیثیت سے ابھرنے سے ایک چیلنج درپیش ہے، دوسرا خطرہ جاپان کی جمہوریت سے ہے جو کنفیوشس روایتوں اور معاشرتی ذمہ داری اور استحکام پر زور دیتی ہے، مغربی جمہوریت کے یہ دونوں ہی مدمقابل ہیں۔

کیلی فورنیا یونیورسٹی، بارکلے کے سیاسیات کے پروفیسر Jowitt نے دوسری طرف یہ اظہار خیال کیا ہے کہ: ''کمیونزم کے خاتمے سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اسے نئے نظریات پر کرسکتے ہیں۔ Jowitt اس بات پر زور دیتا ہے کہ آزاد جمہوریت اپنے طور پر اس خلا کو پر نہیں کرسکتی، کیوں کہ معاشرتی زندگی کو ترتیب دینے میں اس کا غیر شخصی عقلی ارتقاء کا اصول بعض بنیادی انسانی خواہشات کی تشفی نہیں کرتا، اس لیے مغرب کو آہستہ آہستہ داخلی اور خارجی دونوں قسم کی تحریکوں سے سابقہ پڑے گا جو اسے تباہ کرنے یا اس کی اصلاح کرنے کے لیے خود کو وقف کردیں گی۔''

''تحریکیں ایک صورت اختیار کریں یا دوسری، گروہی جماعت سازی، واضح رویوں اور

Marfat.com

مجموعی استحکام کے نمونوں پر زور دیں گی۔ مغرب کے سیاسی افق پر دلیرانہ جذبے منڈلا رہے ہیں۔
"Fukuyama کے بالکل برعکس Jowitt ایک ایسے نئے نظریے کے ابھرنے کا تصور پیش کرتا ہے جو زندگی میں ایک نئی لہر دوڑا دے۔" "ایک ایسا نظریہ جو بڑی اقوام کو متحرک کرنے کی طاقت رکھ سکے، آزاد جمہوریت، فاشزم اور لینن ازم سے مقابلہ کر سکے گا۔"

لیکن قومیت چاہے کتنی ہی زبردست اور منظم ہو جمہوریت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ قومیت طرزِ حکومت کا تعین نہیں کرتی جب کہ جمہوریت کرتی ہے۔

اساسی یا بنیادی اسلامی نظام اس تخت و تاج کی جگہ لینے کے لیے زیادہ تیار نظر آتا ہے جس پر ابھی آزاد جمہوریت قابض ہے۔ مسلمان ممالک میں بنیادی اسلام ان دنوں مخالفت کا سب سے موثر ذریعہ ہے...... لیکن اس سے اختلاف جس انداز میں کیا جاتا ہے، وہ جمہوری نہیں ہے۔ بعض مسلمان ملکوں میں آزادانہ اور شفاف الیکشن جمہوری حزبِ اختلاف کے مقابلے میں اسلام کے حامیوں کو اقتدار میں لا سکتے ہیں۔ پھر بھی Plattner کا خیال ہے کہ اسلام ایک طرزِ زندگی اور حکومت کے طور پر عالمی سطح پر قابل قبول نہیں، یہ مسلمان ممالک تک محدود رہے گا۔

اسی طرح جمہوریت کے تجربے اگر روس اور چین میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں، یہ جمہوریت مخالف جرثوموں کو جنم دے سکتے ہیں۔ خاص طور پر جب ان ممالک میں مقبول اور غیر مقبول جمہوری اور غیر جمہوری لہریں پہلے سے موجود ہوں جن میں طاقتور فوجی نظام بھی شامل ہیں۔

مشرقی ایشیا میں جاپان اور دوسرے غیر کمیونسٹ ممالک اپنی بہترین معیشت اور معاشرے کی ہم آہنگی کی بدولت مغربی آزاد جمہوریت کا ایک بارعب اور باوقار متبادل پیش کر سکتے ہیں۔

ان ممالک نے اقتصادی میدان میں زبردست ترقی کی ہے اور اپنی معاشرتی ہم آہنگی اور استحکام کے سبب جدیدیت کے راستے پر گامزن ہوئی ہیں لیکن اپنے تاریخی اور روایتی تہذیبی ورثے کو ترک کیے بغیر۔ ان کی ترقی اور جدیدیت زیادہ تر کنفیوشس کے اصولوں اور مارکیٹ معیشت اور جمہوری سیاست کے امتزاج کی مرہونِ منت ہے۔

آیئے! ہم جمہوری اداروں کے ارتقا اور دنیا کی بڑی جمہوریتوں کی اصل کارکردگی پر ایک نظر ڈالیں تا کہ یہ معلوم کر سکیں کہ انسان کی ترقی اور تمدن میں ان کا حصہ کس قدر رہے۔

Marfat.com

جمہوریت (Democracy) ایک یونانی لفظ ہے اور تاریخی ریکارڈ کے مطابق اس کا خیال پہلی بار یونان کی شہری ریاستوں کو ہوا اور وہیں اس پر عمل بھی ہوا۔ لیکن یہ وہ جمہوریت تھی جس میں لوگ براہِ راست حصہ لیتے تھے، غلاموں اور غیر ملکیوں کے سوا۔ ریاست کا خاص ادارہ جنرل اسمبلی ہوتی تھی جس میں ہر شہری شامل ہوتا تھا اور وہ ریاست کے کاموں میں حصہ لے سکتا تھا۔ اس اسمبلی کی صدارت باری باری اسمبلی کا ہر رکن کرتا تھا۔

اس جمہوریت میں غلاموں اور غیر ملکی باشندوں کی جنرل اسمبلی میں کوئی نمائندگی نہیں ہوتی تھی اور شہری ریاستوں کے قوانین میں ان کو تحفظ کے مساوی حقوق نہیں ملتے تھے اور جہاں مالک اپنے غلاموں کو موت کی سزا دے سکتا تھا۔ اسی طرح عورتوں کو وہی حقوق حاصل نہیں تھے جو مردوں کو تھے۔ بعض حالات میں شوہر بیوی کو موت کی نیند سلا سکتا تھا۔

(Plato) اپنی کتاب ''Republic'' میں ایسی جمہوریت کے لیے مذمت کے سوا کچھ نہیں رکھتا۔ اس نے فلسفی بادشاہ (Philosopher King) کے نظریے کو ایک مفروضہ تسلیم کیا۔ یہ بادشاہ جانتا تھا کہ لوگوں کے بہترین مفاد میں کیا ہے اور لوگوں پر حکومت کرنے کا استحقاق صرف اسی کا ہے۔ افلاطون کے مطابق ''عام لوگوں کی اکثریت روزمرہ کے معمولی معمولی کاموں میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ یہ نظام حکومت حکمرانی کے قابل نہیں تھا۔

یہ ایتھنز (Athens) کی مقبول اور منتخب اسمبلی تھی جس میں آبادی کے تمام بالغ مرد رکن تھے، یہی اسمبلی تھی جس نے سقراط کو موت کی سزا دی۔ اس کے بعد رومن سلطنت کا دور آیا، جس میں سارا مہذب یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بعض حصے شامل تھے۔

پھر بھی، غلامان جو آبادی کا نصف یا اس سے زیادہ تھے، حق رائے دہی سے محروم تھے۔ رومن سوسائٹی کی ترقی ان غلاموں کی بدولت تھی جن سے جبری مشقت لی جاتی تھی۔ بادشاہ بلاشبہ سینٹ اور فوج کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ بادشاہ کا منصب نیلام کے ذریعہ سب سے بڑی بولی دینے والے کو مل گیا۔

جدید نمائندہ حکومتیں بہت عرصہ بعد وجود میں آئی ہیں، جس کے لیے برطانوی پارلیمنٹ کو تاج برطانیہ کے کامل اختیارات کے خلاف جدوجہد کرنی پڑی۔ لیکن بیسویں صدی کے شروع کے

Marfat.com

تین عشروں تک پارلیمنٹ کے نمائندوں کو منتخب کرنے کا حق صرف مراعات یافتہ طبقے کو تھا، غیر تعلیم یافتہ، کوئی جائیداد نہ رکھنے والے اور عورتوں کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں۔

جمہوریت نے صدیوں میں تدریجاً ترقی کی ہے اور نمایاں طور پر اپنی روح اور ہیئت میں مختلف رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے منتخب نمائندوں کی حکومت تمام جدید جمہوریتوں میں اہم ترین قدرِ مشترک ہے۔

شعوری طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگوں کی مرضی ہے جو سیاسی قوت کا ذریعہ بنتی ہے۔ لیکن کیا ایسا ہی ہے جب جدید جمہوریتوں کی حقیقی کارکردگی کا وقت آتا ہے۔ شاید یہ بہت زیادہ ظاہر و باہر نہیں ہے۔

آیئے! پہلے برطانوی جمہوریت کو دیکھیں۔ اکثر برطانوی پارلیمنٹ ووٹروں کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہوتی۔ بعض اوقات، حکومتی پارٹی ان لوگوں کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتی جو حقیقتاً ووٹ ڈالتے ہیں۔ یہ اس کے باوجود ہوتا ہے کہ برطانیہ میں صرف دو بڑی پارٹیاں ہیں اور ووٹ زیادہ پارٹیوں میں تقسیم نہیں ہوتے۔ بادشاہ جو ملک کا سربراہ ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کا ایوانِ بالا (House of Lords) منتخب نہیں ہوتے۔ بادشاہت کا منصب وراثتی ہے، جب کہ ایوانِ بالا کے اراکین حکومت نامزد کرتی ہے اور زمانہ حال تک یہ اپنی نشستیں وراثت میں پاتے رہتے ہیں۔ برطانوی باشندوں پر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کی حکمرانی نہیں ہوتی بلکہ ججوں کے بنائے ہوئے قوانین اور روایتی فیصلوں کے ذریعہ حکومت کی جاتی ہے۔

آئین کوئی تحریری دستاویز نہیں ہے نہ ہی اسے کبھی کسی پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے۔

اب آیئے فرانس کی طرف "انقلاب فرانس" جو مساوات، آزادی اور اخوت کے جھنڈے تلے متحرک ہوا اور کامیابی سے ہم کنار ہوا، اسے حال ہی میں ایک سخت چیلنج کا سامنا کرنا پڑا کہ اس انقلاب کا جمہوری اداروں کو قائم کرنے اور ان کو چلانے میں حقیقتاً کتنا حصہ ہے اور کیا کردار ہے؟ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس انقلاب نے یورپ کے تمام دوسرے حصوں اور امریکہ کو مساوات اور آزادی کی راہ دکھائی ہے اور انھیں قوت عطا کی ہے تو یہ بھی تو ہوا ہے کہ اس نے ایک مضبوط آمریت کو جنم دیا جو ساری دنیا کو فتح کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈکٹیٹر اور ان کے

Marfat.com

جانشینوں نے ایشیا اور افریقہ کے بہت سارے ممالک میں کالونیاں قائم کرلیں۔ ان ساری نو آبادیوں کو آزادی حاصل کرنے کے لیے فرانس کی جمہوری حکومت کے خلاف سخت جنگ لڑنی پڑی۔ آج فرانس میں، صدر اور پارلیمنٹ دونوں کو عوام براہِ راست منتخب کرتے ہیں اور پارلیمنٹ وزیراعظم کا انتخاب کرتی ہے۔ اکثر پارلیمنٹ اور صدر کا دو مختلف جماعتوں سے تعلق ہوتا ہے، جس کے سبب اکثر و بیشتر نظریات اور پروگرام کے درمیان ایک کشمکش جاری رہتی ہے، جیسا کہ آج بھی ہے۔ یہاں ریاست کا انتظامی ادارہ صدر اور وزیراعظم کے درمیان منقسم ہے۔ اس آئینی صورتِ حال میں یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں کون عوام کی مرضی اور ان کے دیئے ہوئے اختیارات پر حقیقتاً کام کر رہا ہے۔

اب امریکہ کی طرف آئیں، یہاں عوام کی مرضی نہ صرف یہ کہ صدر اور کانگریس کے درمیان بٹی ہوئی ہے اور دونوں ہی عوام کی براہِ راست نمائندگی کرتے ہیں، اکثر اوقات یہ دونوں باہم دست و گریباں رہتے ہیں۔

اس وقت بھی جب بل کلنٹن وہائٹ ہاؤس میں تشریف فرما تھے اور صدارت اور کانگریس دونوں کا تعلق ڈیموکریٹک پارٹی سے تھا، بہت ساری تجاویز کانگریس سے منظور نہیں ہوسکیں۔ یہاں تک کہ سخت نظر ثانی شدہ تجویزیں بھی کانگریس کے ووٹ سے نہیں، سینٹ میں نائب صدر الگور کے فیصلہ کن ووٹ سے منظور ہوئیں۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ مالی اور قانونی تجاویز جو ڈیموکریٹک پارٹی کے انتہائی منشور پر عمل کرنے کے لیے بنائی گئیں اور جن سے صدر اور کانگریس کے اکثر اراکین نے عہدِ وفا کیا ہوا تھا، اس طرح کی شدید مخالفت کا ہدف بن جائیں، کیا یہ جمہوریت کے اپنے آپ میں تقسیم ہونے کی ایک مثال نہیں، مزید یہ کہ صدر امریکہ کو اہم تعیناتیوں اور دوسرے ممالک سے معاہدے کرنے پر اپنے حکوتی اختیار میں سینٹ کو بھی حصہ دار بنانا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سپریم کورٹ ہے جو قانونی جائزہ لینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ کانگریس اور صدر سے منظور شدہ کسی بھی قانون کو کالعدم کرسکتی ہے۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں ہونے والی کساد بازاری کے سبب عوام کے مصائب کو کم کرنے کے لیے کانگریس اور صدر کے لیے گئے اقدام New Deal کو سپریم کورٹ نے کالعدم کردیا۔ کیا عوام کی خواہش

Marfat.com

ہوسکتی ہے کہ ان کے مصائب کو کم نہ کیا جائے؟ لاسکی (Laski) کہتا ہے کہ دنیا کا کوئی آئین اپنے طور پر مکمل نہیں ہے۔ اس کا زیادہ دارومدار اس پر ہے کہ کس پر اس کا عمل درآمد ہو رہا ہے اور کون اس پر عمل درآمد کرا رہا ہے۔ یہ لوگوں کا اخلاق و کردار ہے جن پر اور جن کے ذریعہ کسی آئین پر عملدرآمد ہوسکتا ہے اور یہ لوگوں کی اس مرضی سے زیادہ اہم ہے جو آئین سازی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اس کی ایک بہت اچھی مثال مغربی نمونے کی جاپانی جمہوریت میں ملتی ہے جہاں ایک دور میں جمہوریت کرپشن بن گئی جب لبرل ڈیموکریٹک پارٹی ایک طویل عرصے تک ملک پر حکمرانی کرتی رہی۔ پابندی سے شفاف اور آزاد انتخابات ہوتے رہنے کے باوجود وہاں کے سابق وزرائے اعظم میں سے ایک ''Tanaka'' نے اپنی کرپٹ حرکتوں سے جاپان کو اپنی ذاتی جاگیر بناڈالا۔ سات جماعتوں کی مخلوط حکومت کے وزیر اعظم ہوسوکاوا (Hosokawa) نے اپنی کابینہ کی پہلی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے وزراء پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ سیاست میں پیسوں کے کھیل اور دوسری بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا جائے، جس نے ''ہمیں اپاہج کردیا ہے اور حلقہ انتخاب کو قوم کی صورت گری کرنے سے خارج کردیا ہے۔'' یہ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ جاپان جو ایک جدید ترقی یافتہ ملک ہے جمہوری دور میں بھی عوام کی خواہشات کے مطابق نہیں چل رہا ہے۔ اسی طرح ہندوستان اور سری لنکا کی جمہوریتیں بھی قومی یکجہتی اور علاقائی سالمیت جیسے اہم ترین بنیادی مسائل کا حل تلاش کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

Representative Government کے مصنف John Stuart Mill کو اس بات کا قوی امکان نظر آتا ہے کہ ایک جمہوری حکومت تنزل کا شکار ہو کر آمریت کی شکل اختیار کرلے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک فرد ہی آمر نہیں بن سکتا، بلکہ بسا اوقات ایک منتخب اکثریت بھی یہاں تک کہ پورا معاشرہ بھی ڈکٹیٹر بن سکتا ہے۔ Mill کہتا ہے کہ اگر ایک فرد ڈکٹیٹر بن جائے تو وہ صرف لوگوں کے جسم کو غلام بنا سکتا ہے لیکن اکثریت یا سوسائٹی ڈکٹیٹر بن جائے تو یہ بہت گہرائی تک اثر کرتی ہے اور انسان کی روح کو بھی غلام بنالیتی ہے۔ اپنی کتاب میں Mill نے مزید تسلیم کیا ہے کہ ''عوام کی مرضی حقیقت میں اکثر اراکین کی مرضی ہوتی ہے یا لوگوں کے سب سے زیادہ فعال طبقے کی مرضی ہوتی ہے۔ اکثریت وہ ہے جو اپنی اکثریت کو لوگوں سے تسلیم کرانے میں

Marfat.com

کامیاب ہوجائے۔ نتیجتاً لوگوں کی یہ خواہش ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے کچھ اراکین کو دبا کر رکھیں، اس لیے احتیاطی تدابیر اتنی ہی ضروری ہیں جتنی طاقت اور اس کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے، اس طرح افراد پر حکومت کی طاقت کی حدود اپنی اہمیت نہیں کھوتی ہیں، اس وقت بھی جب کہ طاقت کے حامل افراد کا کمیونٹی کی طرف سے برابر محاسبہ ہوتا رہے۔

امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب Seize the Moment (1992) میں اعتراف کیا ہے کہ "تیسری دنیا میں جمہوریتیں ہمیشہ اچھی حکومت کا ذریعہ نہیں ہوتیں، بسا اوقات لوگ مطلق العنان حکومتوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔" نیویارک کے سہ ماہی جریدے Forein Affairs نے اپنے ایک مضمون میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آزاد اور شفاف انتخاب کے ذریعے برسر اقتدار آنے والی اکثریت کا سیاسی نظام ایک آزاد اور تخلیق معاشرے کے قیام اور بقا کے لیے حسب منشا حالات نہیں مہیا کرتا اور یہ کہ کالے اور ایشیائی امریکی باشندے امریکی جمہوریت کی مراعات بہت کم پاتے ہیں۔

امریکہ کی خارجہ حکمت عملی کے معتبرین میں ایک George F.Kenan اس امریکی مشن پر کہ جمہوریت کو ساری دنیا کا ایک مقصد بنایا جائے تاکہ تمام دنیا کو انسانی حقوق مل سکیں، ۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی اپنی ایک تحریر میں کہتے ہیں: "سب سے پہلی بات یہ کہ مجھے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ جمہوریت یا اس لفظ کی جس طرح ہم تعبیر کرتے ہیں، انسانیت کے بڑے حصے کی فطری کیفیت ہے...... جب کہ دوسرے الفاظ میں وقت اور وسعت کے لحاظ سے جمہوریت ایک بہت ہی تنگ بنیاد فراہم کرتی ہے اور ابھی اس کا ثبوت ملنا باقی ہے کہ یہ (جمہوریت) اپنی ان تنگ حدود میں لوگوں کے لیے حکومت کا ایک فطری ذریعہ ہے۔"

Kenan مزید کہتا ہے: "مجھے یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جمہوری اداروں کی ترقی اور ان سے کام لینے کی کوشش بہت سارے لوگوں کے لیے لازماً صحیح اقدام ہوگا۔ اس قسم کی دوسری کوشش بہت زیادہ بہتر نہیں ثابت ہوئی ہے۔ بارہا شخصی اقتدار لوگوں کے حالات میں بہتر تبدیلی لانے کا سبب بنا ہے جب کہ منتشر جمہوری اقتدار ناکام ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر زار کے تحت پرتگال، ماؤ کے تحت چین، یہاں تک کہ کاسترو کے تحت کیوبا کی حکومتوں کو دیکھیں۔ کاسترو کی

Marfat.com

حکومت کچھ لوگوں کی نظروں میں ناپسندیدہ رہی مگر ایک غیر جانبدارانہ نظر ڈالیں تو بہت ساری مفید اصلاحات اور عام آدمی کے مفاد میں کیے گئے بہت سارے کام کی خوبیوں کو ہمیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔''

''اگر عوام سے پوچھا جائے کہ وہ جمہوری اداروں کو خوشحالی اور معاشی تحفظ پر ترجیح دیں گے تو تاریخی ریکارڈ کے پیش نظر کوئی بہادر شخص ہی ہوگا جو اس سوال کا جواب اثبات میں دے گا۔ بعض بہادر مرد اور عورتیں اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں لیکن اس بہادری کا سبب وہ رقوم ہیں جو سوئس بینک یا اسی طرح کے اداروں میں بڑی مقدار میں محفوظ ہیں۔ یہ ادارے مغرب نے اپنے ایجنٹوں کی دولت کی حفاظت کے لیے مغربی دنیا میں بنائے ہیں۔ جمہوری حکومت قائم کرنے یا ان کو دوبارہ وجود میں لانے کے نام پر ان ایجنٹوں نے اپنے اپنے ملک کو معاشی طور پر تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔''

اس کے برعکس، اسلام میں شرکت اقتدار کے نظریے کی بنیاد اختیار، آزادی، محاسبہ اور انصاف پر رکھی گئی ہے جو انتہائی خوب صورتی سے قرآنِ پاک کی درج ذیل آیات میں سمو دیے گئے ہیں:

(۱) ''اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم پر حاکم بنائے گئے ہیں (ان دنیاوی حکمرانوں کے ساتھ) کسی اختلاف یا تنازع کی صورت میں معاملہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے سپرد کر دو۔'' (النساء، آیت ۵۹)

(۲) ''جب بھی اہل ایمان کو زمین پر اقتدار حاصل ہو، وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے۔'' (الحج، آیت ۴۱)

(۳) ''اہل ایمان ہمیشہ باہم مشورے سے اپنا کام چلاتے ہیں۔'' (الشوریٰ، آیت ۳۸)

(۴) پیغمبر علیہ السلام کو بھی کہا گیا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے کام کریں۔'' (آل عمران، آیت ۱۵۹)

(۵) ''وہ ان کا بوجھ ہلکا کرے گا اور انھیں ان پھندوں سے نکالے گا، جن میں وہ گرفتار ہیں۔'' (الاعراف، آیت ۵۸)

Marfat.com

(۶) جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، انصاف سے کرو۔" (النساء، آیت ۵۸)

(۷) تم سب کی امت (دراصل) ایک ہی امت ہے اور ہم ہی تم سب کے رب ہیں، پس ہماری ہی عبادت کرو۔" (الانبیاء، آیت ۹۲)

(۸) اس نے زمین پر تم کو اپنا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلندی دی تاکہ وہ تمھیں آزمائے۔" (الانعام، آیت ۱۶۵)

(۹) سارے معاملات کا فیصلہ قرآن کے مطابق کیا جائے۔" (المائدہ، آیت ۴۴)

(۱۰) اللہ نے تم کو اس سے منع نہیں کیا ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور انصاف سے پیش آؤ، جو تمھارے دین کے خلاف تم سے نہیں لڑے اور نہ جنھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نکالا۔" (الممتحنہ، آیت ۸)

ان احکامات کی پیروی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوال سے آگے بڑھایا گیا:

(۱) جو بھی اللہ کی اطاعت نہ کرے، اس کی اطاعت نہ کی جائے۔

(۲) خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

پہلے خلیفہ راشد کا عہدہ سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان فرمایا:

"میری اطاعت اس وقت تک کرو، جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں، اور جب میں ان کی نافرمانی کروں، تم بھی میری اطاعت نہ کرو۔"

مصر کے گورنر کو لکھے گئے اپنے خط میں (تحقیق: ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۹ء) خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک فلاحی ریاست اور ذمہ دار حکومت کی بنیادوں کو اس طرح واضح کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے ہاں وہ شخص ملعون ہے جو ظالم ہے۔ خلیفہؓ نے بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی ہدایت کی کہ ان کو عوام کی پہنچ میں رہنا چاہیے اور ان کے مسائل حل کرنے میں ذاتی دلچسپی لینی چاہیے، انھوں نے گورنر کو محلات میں رہنے کی ممانعت کی کہ اس طرح عام آدمی کی ان تک رسائی نہیں ہو سکے گی۔

مصر کے گورنر مالک بن اشتر کو چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور خط

Marfat.com

کے پہلے پیراگراف میں فلاحی ریاست کی بنیادوں کو مزید مستحکم کرنے کے لیے لوگوں کی فلاح اور خوشحالی کے لیے کام کرنے کو کہا۔

حضرت ذوالقرنین کی جو اپنے وقت کے ایک طاقتور حکمران تھے، قرآن پاک میں توصیف کی گئی ہے کہ وہ یاجوج ماجوج کے ستائے ہوئے لوگوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے آئے، گو وہ لوگ ان کی مملکت سے باہر کے باشندے تھے۔

یہ کہ ایک اسلامی ریاست میں فلاح و بہبود کے کام میں مسلمان اور غیر مسلمان کی تمیز نہیں ہونی چاہیے، اور یہی ایک اسلامی ریاست کا بہترین طرۂ امتیاز ہے۔

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ نے مصر کے گورنر کو ہدایت کی کہ حکومت کے اہلکاروں کو، نسل اور مذہب کی بنیاد پر عوام میں تفریق نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ قرآن اور سنت کے مطابق جہاں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہوتا ہے، وہیں وہ غیر مسلموں سے انسانیت کے رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ اسلام میں شرکت اقتدار کے اس طرح کے نظریے سے جس پر تمام خلفاء نے عمل کیا، غیر مسلموں کے معاملے میں کسی تفریق کے شک وشبے کو ختم ہو جانا چاہیے۔

یہ سارے احکامات اور خلفائے اسلام کے اعلانات درج ذیل باتوں کی منادی کرتے ہیں۔

انسان آزاد پیدا ہوا ہے، اللہ کے سوا اس پر کسی کی اطاعت لازم نہیں، اسے رسولؐ کی اطاعت اس لیے کرنی ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ انھیں اپنے ان حکمرانوں کی بھی اطاعت کرنی ہے جو انھیں میں سے ہوں، بشرطیکہ یہ حکمران خود بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوں، لیکن یہ حکمران خود اپنی ذات میں اطاعت کا حق نہیں رکھتے۔ ان کی اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے مشروط ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت اسی اطاعت اوّل کی اضافی صورت ہے۔ ریاست کے مختلف ادارے، شورائیت، آزادی، مساوات اور غیر امتیازی بنیادوں پر قائم ہونے چاہئیں۔ اس طرح، انسان کو انسانؐ کے بنائے ہوئے بندھن اور بوجھ سے نجات دلائی گئی ہے۔

غیر اللہ کے سوا صرف اللہ کی مکمل اطاعت اس یقین سے حاصل ہوتی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کا ایک منصوبہ ہے جس نے انھیں قائم رکھا ہوا

Marfat.com

ہے۔ یہ یقین اس نظریے کی نفی کرتا ہے کہ کائنات ایک بڑے دھماکے (Big. Bang) سے وجود میں آئی اور آپ ہی آپ بنے ہوئے اصولوں اور قاعدے کے تحت برقرار ہے۔

اس نظریے کو ماننے کے سبب انسان نے اللہ کی رہنمائی سے خود کو کم وبیش آزاد کرلیا ہے۔ اس کے خیال میں غلط اور صحیح کی پہچان کرنے میں علم اور توجیہات رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ اس طرح، انسان اپنا حکمران خود بن بیٹھا اور اقدار اور وژن کو بنانے میں خود کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ لوگوں کی اپنی خود مختاری کا اور خود پر بلا روک ٹوک حکومت کرنے کے حق کا نظریہ ہی آج کی جمہوریت کی بنیاد ہے۔

اسلامی حکومت، ایک طرف الٰہی احکامات کے دائرے میں رہتے ہوئے، مساوات، آزادی، محاسبہ اور انصاف جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے کہ اصولوں پر قائم شورائی نظام ہے، جب کہ دوسری طرف یہ انسان کی تخلیق کردہ اقدار اور وژن کی قید وبند سے انسان کو آزاد کرتی ہے۔ اس طرح انسان اپنی زندگی اور کام، اپنی سوچ اور عمل میں خدائی منصوبے سے مطابقت پیدا کرلیتا ہے اور انسان اور انسان کے درمیان اور انسان اور ماحول کے درمیان مطلوب ترین شے ''خوش آہنگی'' پیدا کرلیتا ہے۔ قرآنِ پاک کا حکم ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے آپس میں مشورہ کرلیا جائے۔

اسلامی مملکت میں شورائیت محض ضابطے کی ایک کارروائی نہیں ہے بلکہ کسی بھی سیاسی یا سماجی فیصلے کی قانونی حیثیت کے لیے لازمی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اہل ایمان اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام فیصلے مشورے سے کرتے ہیں۔ اس لیے ایک اسلامی مملکت میں حکومت اور مقننہ مشاورت کے نتائج کی پابند ہوں گی۔ اسے صرف اس صورت میں ایک باضابطہ قائم کی ہوئی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اگر یہ فیصلہ اسلامی احکامات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ اسلامی حکومت میں مشاورت زیادہ تر ایک متفقہ فیصلے پر پہنچتی ہے کیوں کہ شوریٰ کا ہر رکن قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر کرے گا اور اس کی یہ کوشش ہوگی کہ اس کی رائے اسلامی اصولوں اور قاعدے کے مطابق ہو۔ ایک اسلامی پارلیمنٹ کے اراکین پارٹی کی بنائی ہوئی راہ پر آپس میں تقسیم نہیں ہوں گے اور نہ ہی وہ پارٹی کے نگران کی پیروی کرنے کے پابند

Marfat.com

ہوں گے۔ وہ اپنے علم اور اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دینے میں آزاد ہوں گے، پارٹی کے مطابق نہیں۔

اگر باضابطہ قائم کیے ہوئے کسی مقتدر ادارے اور معاشرے کے کسی فرد کے درمیان کسی معاملے میں اختلاف یا تنازعہ ہو جائے تو معاملہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹایا جائے گا یعنی ایک غیر جانبدار عدالت قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ دے گی۔

یہ ہے اصل فرق، اللہ کے اقتدارِ مطلق پر بنائی ہوئی اسلامی جمہوریت اور انسانی اقتدارِ اعلیٰ کی بنیاد پر بنائی ہوئی جدید جمہوریت میں۔

آئین کے تحت دیئے گئے بنیادی حقوق بعض حالات میں معطل کیے جاسکتے ہیں جیسے ہنگامی حالات، لیکن ایک اسلامی جمہوریت میں ایسا نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے عطا کیے ہوئے حقوق کسی حالت میں بھی معطل نہیں کیے جاسکتے، نہ کم کیے جاسکتے ہیں، نہ ان میں ردّ وبدل کیا جاسکتا ہے جب تک اس قسم کی کمی یا تبدیلی کی عطا کردہ حقوق میں گنجائش نہ رکھی گئی ہو۔

اسی طرح جدید جمہوریت میں ملک کا سربراہ بلکہ حکومت کا سربراہ عدالتی جواب دہی سے مستثنیٰ ہوتا ہے، جب کہ ایک اسلامی جمہوریت میں ایسا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جدید جمہوریت میں سربراہ مملکت کسی مجرم کو معافی دے سکتا ہے۔ چاہے اس نے کتنا ہی بہیمانہ جرم کیا ہو۔ ایک اسلامی جمہوریت میں ایسی معافی نہیں۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کی سورۂ ص میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی جنھوں نے ایک پیغمبر کی صورت میں اس وقت کی پوری مہذب دنیا، فلسطین، اردن، شام اور عراق پر چالیس سال تک حکومت کی، تورات میں دیئے گئے احکامات کی پیروی کرنے کو کہا گیا اور اپنی حکومت کے معاملات چلانے کے لیے اپنی ذاتی پسند وناپسند کو اثر انداز نہ ہونے دیں۔ یہ بات انتہائی اہم ہے کہ کاروبارِ مملکت چلانے میں ایک پیغمبر کو بھی اجازت نہیں کہ وہ ذاتی خواہشات کو اثر انداز ہونے دے۔ یہ کس قدر متضاد ہے افلاطون کے اس خیالی بادشاہ کے تصور سے جو کوئی غلطی نہیں کرسکتا اور جو عوامی مفاد کا نگرانِ مطلق ہے اور جس کی ہر حالت میں پیروی کرنی ہوگی۔

اسی طرح، ایک اسلامی جمہوریت میں، ان چیزوں کی جن کی اللہ اور اس کے رسولؐ نے

Marfat.com

...تی ہے، کوئی پارلیمنٹ یا سربراہ مملکت اجازت نہیں دے سکتے۔ ناروے کے قانون میں حقیقی ... کو بہنوں کے ساتھ شادی کی اجازت ہے۔ انگلینڈ کے قانون کے تحت ہم جنسی جائز ہے۔ ... اسلامی جمہوریت میں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا، چاہے اس کے لیے پارلیمنٹ کے ... بن ہی ووٹ کیوں نہ دے دیں۔ جدید جمہوریتوں میں آئین میں تبدیلی کا راستہ کھلا رہتا ہے ... کہ اسلامی جمہوریت میں قرآن وسنت کا کوئی حصہ پارلیمنٹ کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی احکام کہ دنیاوی اقتدار کی اطاعت صرف اللہ کی اطاعت کے ضمن میں کی جائے اور ... تنازع کی صورت میں معاملہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حوالے کردیا جائے، کا مطلب یہ ہے ... تنازع طے کرنے کے لیے ایک آزاد عدالت قائم کی جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں اپنا ... دے۔ اس کے علاوہ یہ احکام کہ جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، قرآن کے مطابق ... اسلام میں ایک آزاد عدلیہ کی انتہائی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے خلفاء حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما قاضی کی عدالتوں ... بنفس نفیس حاضر ہوئے اور اپنے مقدمات ہار گئے۔ ایک زمین کے مالک نے حکومت کی طرف ... اپنی زمین لیے جانے کے خلاف قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور قاضی نے خلیفہ کے ... ف فیصلہ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوری کا ایک معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا، عدالت میں ایک ... مدعی کے طور پر حاضر ہوئے اور اپنی چوری کی جانے والی چیز کی شناخت کی۔ قاضی نے ملزم کو ... ادینے کے لیے اسے کافی نہیں سمجھا اور ایک آزاد گواہ پیش کرنے کو کہا۔ خلیفہ نے حضرت امام ... ن رضی اللہ عنہ کی گواہی پیش کی۔ قاضی نے بیٹے کی گواہی کو ایک آزاد گواہی تسلیم کرنے سے ... کار کردیا اور ملزم کو سزا دینے کے لیے اس گواہی کو ناکافی سمجھا۔

مندرجہ بالا دو مثالیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ اسلامی حکومت میں ایک سربراہِ مملکت بھی عدالتی ... رروائیوں اور عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

بیگم نصرت بھٹو بمقابلہ ریاست کے مقدمے (PLD 1977) میں عدالت اور سربراہ ... ملکت کی حیثیت طے کرنے کے لیے سپریم کورٹ میں سوال اٹھا۔ فیصلہ یہ کیا گیا:

Marfat.com

''۱۹۷۳ء کے آئین میں دیئے گئے عدالتی جائزے اور نظر ثانی کے اختیارات نئے حالات میں دستیاب نہ ہونے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ نظریۂ پاکستان اس نظریے کی تشکیل کرتا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ کی ذات ہے اور عوام کے منتخب نمایندے اس اقتدار کو اسی کے حق میں ایک مقدس امانت کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اور یہ کہ وقت کے حکمراں کو قانون سے بالاتر ماننے اور مملکت میں کسی کے آگے جواب دہ نہ ہونے کی سختی سے نفی کرتا ہے۔ مسلم حکمرانوں نے خود کو ہمیشہ ملک کی عدالت کے سامنے جواب دہ سمجھا ہے اور کبھی بھی عدالت میں ذاتی حاضری سے خود کو مبرا نہیں رکھا ہے۔ عدالت انصاف ملت اسلامیہ کے ضمیر کی ایک علامت ہے اور عوام کے حقوق کی ایک موثر نگران۔ اس اصول کے تحت اور عدالتی جائزے اور نظر ثانی کے اختیارات کی روشنی میں مارشل لا کے کسی حکم یا عمل کے جواز کو پرکھنے کا اختیار ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے پاس رہنا چاہیے۔''

(۱) اس فیصلے کا تاریخی پہلو یہ ہے کہ عدالتی محاسبے کا اسلامی نظریے میں عدالتی جائزے کا اختیا ودیعت شدہ ہے اور جس سے کوئی بھی یہاں تک کہ سربراہِ مملکت بھی مستثنیٰ نہیں۔

(۲) فیصلے نے اسلامی اصولِ مساوات و انصاف کو بھی واضح کر دیا کہ یہ ملک کے قوانین سے بالاتر ہے، جس کی جگہ مارشل بھی نہیں لے سکتا۔

(۳) شاید یہ ہماری عدلیہ کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا کہ مارشل لا کو اس واضح انداز میں عدالت عالیہ کے دائرے اختیار میں لایا گیا۔

(۴) آخری بات! یہ فیصلہ عدالتی اصولوں اور تصورات کو اللہ کی حاکمیت کے نظریے کو عملی شکل دیتا ہے۔

یہ فیصلہ جدید جمہوری ریاست کے مقابلے میں ایک اسلامی ریاست میں حاکمیت کے تصور، اس پر عمل درآمد کی وسعت اور مقام کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔ Hobbes کے نظریہ حاکمیت کے مطابق، حاکمیت بادشاہ کی ذات میں ہوتی ہے جو قانون سے بالاتر ہوتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اس کا تسلسل ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی شاہی صلاحیت سے مشروط ہے جس میں ناکامی

Marfat.com

...اہ کی حاکمیت کو ختم کر دیتی ہے۔

فرانسیسی سیاسی مفکر Bodin اپنے نظریہ حاکمیت میں ایک خوشحال زندگی پر زور دیتا ہے جو ...کے خیال میں ریاست کی حاکمیت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے، جو ملک کے باشندوں کے ...یان ایک کامیاب و کامران زندگی کو مرتب و منظم کر سکتی ہے۔

روسو نے فرد کی حاکمیت کو ختم کرنے کے لیے عوامی خواہش کے نظریے کی تبلیغ کی جس نے ...م کی حاکمیت کا راستہ ہموار کیا۔

مگر لاسکی (Laski) نے حاکمیت کا ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ اس کے مطابق حاکمیت ...شرے کے مختلف گروہوں اور طبقوں کے درمیان منقسم ہے، جیسے ٹریڈ یونین، چرچ وغیرہ۔ اس ...ج لاسکی نے معاشرے میں شرکت اقتدار کے تصور کو آگے بڑھایا۔

پولیٹیکل سائنس کے موجودہ لٹریچر میں حاکمیت کے تصور نے اختیارات کے مرکز کے نظریے ...راہ ہموار کی جو ریاست کے مختلف اداروں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ کی حاکمیت کا تصور دنیاوی حاکمیت کے تصور سے بنیادی طور پر یوں مختلف ہے کہ اللہ کی ...یت پوری کائنات کا احاطہ کرتی ہے اور اس کی کوئی متعین حد نہیں ہے، نہ ہی اس میں کوئی اور ...یک ہے۔ اس کے مطابق مملکت پر حکومت کرنے کا منتخب نمایندوں کا حق ایک مقدس امانت ہے ...ن حدود کے اندر استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجویز کر دیے ہیں۔ قرآنِ پاک اعلان کرتا

> "اے نبیؐ! آپ کہہ دیں کہ اے سارے ملکوں کے مالک، تو جسے چاہے سلطنت عطا کرے، جس سے چاہے سلطنت چھین لے، تو جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلیل کر دے۔ (ہر طرح کی) بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، بیشک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔" (آل عمران، آیت ۲۶)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ کی حاکمیت کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ کسی ریاست یا لوگوں ...کسی گروہ میں نہیں پائی جاتیں۔ اللہ نے اپنی حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کی صفات کسی کو بھی کبھی ...ن نہیں کیں۔ نہ ہی اس نے لوگوں کو یا ریاست کو یہ اختیار دیا ہے کہ جب چاہیں کسی کو طاقتور

Marfat.com

بنادیں اور جب چاہیں اس سے طاقت واپس لے لیں۔

نہ ہی ساری کائنات میں کوئی ایسی قوت ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے: "یقیناً
چیزوں پر تیرا اختیار ہے۔"

کوئی بھی دنیاوی اقتدار اللہ کی حاکمیت کے اوصاف میں شریک نہیں بن سکتا۔ زیادہ
زیادہ وہ اپنے اختیار کو اللہ کے احکامات کی اتباع کرتے ہوئے یا ان کی تکمیل کے لیے اس
کرسکتا ہے۔ حکومت کرنے کے اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دائرے کے اندر
مقدس امانت رہنا چاہیے۔ ایک سچا حکمران ان حدود سے باہر کوئی حکم جاری نہیں کرسکتا۔ پا
کی سپریم کورٹ میں ضیاء الرحمٰن کے مقدمے (PLD.73) کے سلسلے میں پارلیمنٹ کے
نمائندوں کے اختیارات کی قانونی حیثیت کے متعلق معاملہ زیر بحث آیا۔ عدالت نے
وضاحت سے یہ بات کہی کہ پارلیمنٹ آئین کی شقوں کی اسی طرح پابند ہے جس طرح ریا
کوئی دوسرا ادارہ اور یہ کہ اس کا دائرہ کار ان حدود کے اندر رہے گا جسے آئین نے بتادیا۔
سپریم کورٹ کے پاس اختیار ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی ایسے قانون کو جو آئین
متصادم ہو، کالعدم قرار دے دے۔

مزید اہم بات یہ کہ اگرچہ برطانوی آئین میں عدالتی تبصرے یا نظر ثانی کی کوئی گ
نہیں ہے اور پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی قانون کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا، بر
ایوانِ بالا (House of Lords) نے (1962ء) aw vs Public
Prosecuter کے مقدمے میں فیصلہ دیتے ہوئے قانون سازی کے اس اصول کو بالکل
کردیا کہ اخلاقیات کو برطانوی پارلیمنٹ کی حاکمیت سے بالاتر رہنا چاہیے۔

اپنے فیصلے میں لارڈ ہڈسن (Lord Hudson) نے اس طرف اشارہ کیا کہ
عیسائیت برطانوی قوانین کا حصہ نہیں ہے، مگر عام قانون کی جڑیں عیسائیت سے ملتی ہیں۔"
مزید کہا کہ "عدالتیں نگران ہوتی ہیں اور وہ اپنے اس فریضے سے کبھی دستبردار نہیں ہو
پارلیمنٹ کو یہ فریضہ سونپ دیا کہ یہ ان کا حق اور ذمہ داری ہے کہ مقررہ اصولوں کو حالات
مطابق نافذ کریں۔"

Marfat.com

لیکن شاہکار فیصلہ لارڈ وسکاؤنٹ سائمن (Lord Viscount Simon) نے دیا، جب انھوں نے اخلاق اور قانون کے نظریے کو یوں بیان کیا:

"عدالت کے پاس قانون کے بڑے اور بنیادی مقصد کو نافذ کرنے کی ایک طاقت موجود ہوتی ہے کہ قانون صرف تحفظ اور نظم وضبط کا نام نہیں بلکہ ریاست کی اخلاقی قدروں کی حفاظت بھی اس کے دائرۂ کار میں آتی ہے اور یہ کہ عدالتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کو ان عیارانہ حملوں سے بچائیں جو انوکھے ہوں اور جن کے لیے وہ تیار نہ ہو۔"

یہ ایک عہد ساز فیصلہ ہے جو ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کی طرف سے آیا ہے جو اینگلوسکسن تہذیب کا گہوارہ اور سیکولر اور روشن خیال سوچ کا قلعہ رہی ہے اور جس نے جدید دنیا کو اتنے سارے تصورات ومعیارات عطا کیے ہیں۔

دوسری جدید جمہوریتوں میں بھی جو ترقی پسندی اور روشن خیالی کے نمونے پیش کرتی ہیں اور جہاں یہ باور کیا جاتا ہے کہ لوگ خودمختار ہیں اور کوئی بھی طرزِ زندگی اختیار کرنے میں آزاد ہیں، عدالتی رہنمائی اہم کردار ادا کرتی ہے کیوں کہ اقدار اور معیار کی بدلتی ہوئی دنیا میں یہ ضروری ہے کہ عدالتی جائزے اور فیصلے تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا کو قابو میں رکھ سکیں۔

امریکی آئین میں یہ شق موجود ہے کہ قانون اور آئین کے سلسلے میں اٹھائے گئے کسی بھی معاملے کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ اس شق نے عدالتی ریویو کے بہت سارے سنہرے اصول قائم کر دیے ہیں اور کانگریس کا بنایا ہوا بھی قانون عدالت کے دائرۂ اختیار میں آتا ہے جس کا جائزہ لینے کے بعد سپریم کورٹ کسی بھی قانون کو کالعدم قرار دے سکتی ہے، اگر یہ قانون ماورائے آئین ہو یا قانون سازی کے تقاضوں کو پورا نہ کرتا ہو۔

امریکہ کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مارشل (Marshall) نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ:

"بلاشبہ ہم کانگریس کے بنائے ہوئے قانون کے پابند ہیں لیکن قانون وہ ہے جسے ہم قانون کہیں۔"

جاپان جو ایشیا میں ترقی اور خوشحالی کا ایک جزیرہ ہے اور فرانس جو مساوات، آزادی اور

Marfat.com

اخوت کی سرزمین ہے، دونوں نے سماجی اور سیاسی استحکام حاصل کرنے کی کوشش یوں کی ہے کہ انھوں نے آئین کے بنیادی ڈھانچے میں ردّ و بدل کرنے کا حق پارلیمنٹ کے منتخب نمایندوں سے لے لیا ہے۔ فرانس میں آئین کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی بھی تبدیلی استصواب رائے کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ جاپان میں آئین میں تبدیلی کا اختیار بادشاہ کے پاس ہے، جو ملک کی علامت ہے، پارلیمنٹ کی نہیں۔

کافی تاخیر کے بعد، ہندوستان کی سپریم کورٹ نے گولکھ ناتھ بمقابلہ ریاست پنجاب کے مقدمے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ بنیادی حقوق ترمیمی اختیارات سے باہر کی چیز ہیں اور آیندہ پارلیمنٹ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ آئین کے تیسرے حصے (Part III) میں کوئی ترمیم کرے، جس کے نتیجے میں بنیادی حقوق میں کمی ہوجائے یا وہ واپس لے لیے جائیں۔ چیف جسٹس سوباراؤ (Suba Rao) نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے، اس رائے کا اظہار کیا: ''بنیادی حقوق دراصل فطری حقوق کا جدید نام ہے اور یہ حقوق ہر شخص کے پاس ہونے چاہئیں، اس عام حقیقت کی بنا پر کہ انسان دوسری مخلوقات کے مقابلے میں، امتیازی طور پر ایک عقلی اور اخلاقی وجود رکھتا ہے۔ حکومت ہندوستان کی طرف سے پیش کی گئی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہ پارلیمنٹ کو آئین میں ترمیم کے حق کو ختم کرنے سے بدلتے ہوئے تقاضوں میں ایک پرتشدد انقلاب جنم پاسکتا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آئین کے بنیادی ڈھانچے میں تبدیلی کے لیے استصواب رائے کرایا جاسکتا ہے یا اس مقصد کے لیے کوئی دوسری اسمبلی بلائی جاسکتی ہے۔

سپریم کورٹ نے اس اصول کو ایک دوسرے مقدمے Indra Gandhi vs Raj Narain (ATR 1975) میں اپنایا جبکہ آئین میں ۳۹ ویں ترمیم کے تحت اندرا گاندھی کے انتخاب کو جائز قرار دیا گیا جسے اس سے قبل الٰہ آباد ہائی کورٹ ناجائز قرار دے چکی تھی، اس سبب پر کہ اس طرح آئین کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہوجائے گا اور یہ قانون کی نظروں میں مساوات کے حق کی نفی کرے گا۔

اس طرح سکولر جمہوریتوں نے بھی یہ ضروری سمجھا ہے کہ بنیادی ڈھانچے اور اقدار کو پارلیمنٹ کی ترمیم سے محفوظ رکھا جائے۔ یوں سیکولر اور جدید جمہوریتوں کو بھی جہاں پارلیمنٹ عوام

Marfat.com

کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے، غیر محدود حاکمیت میسر نہیں اور جو بھی اقتدار انھیں حاصل ہے وہ عدالتی جائزے سے مشروط ہے۔

اس لیے ایک اسلامی حکومت میں یہ اور بھی ضروری ہے کہ قرآنی احکامات کی پیروی کرتے ہوئے تمام معاملات قرآن وسنت کی روشنی میں طے کیے جائیں اور عوام کے منتخب نمائندوں کی پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے ہوئے قانون کا شرعی عدالتیں قانونی جائزہ لیتی رہیں۔ اس کام کو زیادہ بہتر انداز میں کرنے کے لیے پارلیمنٹ کے اندر ایک مجلس قائمہ بنائی جانی چاہیے جس میں ممتاز علماء اور دوسرے ماہرین ہوں جو پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے ہر بل کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر جانچیں۔ یہ طریقہ آزاد مغربی جمہوریتوں کے قواعد کی بھی نفی نہیں کرتا۔

یہ ہمیں اس سوال تک لے جاتا ہے کہ ریاست کی مقننہ، انتظامیہ اور عدالتوں کے معاملات چلانے کے لیے قرآن وسنت (یعنی شریعت) کی توضیح وتشریح کرنے کا اہل کون ہے۔

شریعت کی جیسے کہ قرآنِ پاک میں اس کی تعریف کی گئی ہے تشریح وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن وسنت کا وسیع علم رکھتے ہوں اور جن پر اپنے ذاتی مفاد اور کھوکھلی خواہشات کے زیر اثر بہک جانے کا اندیشہ نہ ہو، یعنی ایسے لوگ جو کسی خوف یا جانبداری کے بغیر حق کا نفاذ کر سکیں اور کسی بھی طور مفاد پرستوں سے متاثر نہ ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن کی درج ذیل آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے:

> "قرآن کا صحیح مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مگر جو لوگ علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس کتاب پر ان کا ایمان ہے اور یہ سب کچھ ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو دانش مند ہیں۔"
>
> (آل عمران، آیت ۷)

جو لوگ شریعت کا ضروری علم رکھتے ہوں، ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے نمائندے بھی منتخب ہو جائیں، دوسری طرف محض پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہو جانے والا کوئی فرد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ قرآن وسنت کی تشریح کرنے کا اہل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ: "وہ ان کے درجات بلند کرے گا جو ایمان والے ہیں اور علم رکھتے ہیں۔" (المجادلہ، آیت ۱۱) یہی نہیں بلکہ اللہ نے اپنے بندوں کو

Marfat.com

یہ دعا سکھائی ہے: ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' (طٰہٰ، آیت ۱۱۴)

قرآن میں یہ بات بالکل واضح کردی گئی ہے کہ وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے، ان کے برابر نہیں ہوسکتے جو علم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں کہتا ہے:

''اور ان میں ان پڑھ بھی ہیں جو کتابِ الٰہی کا کوئی علم نہیں رکھتے، بجز جھوٹی آرزوؤں کے اور خیالی تکے چلاتے رہتے ہیں۔ پس بڑی خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے (شرعی) حکم لکھتے ہیں اور پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت وصول کرلیں۔ پس خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور خرابی ہے ان کے لیے جو اس کی کمائی کھاتے ہیں۔'' (البقرہ، آیات ۷۸۔۷۹)

پارلیمنٹ میں چاہے جس طرز کی حکومت ہو، منتخب نمائندے اپنی پارٹی کی ہدایت کے مطابق ووٹ دیتے ہیں، اپنے علم اور ضمیر کے مطابق نہیں۔ پارلیمنٹ میں اکثریتی فیصلہ ہمیشہ اس پارٹی کی تحکمانہ ہدایت کی روشنی میں ہوتا ہے جو برسرِاقتدار ہو اور اس کا مقصد اپنے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھانا ہوتا ہے۔ اور یہ بات اللہ کے اس حکم کے خلاف ہے کہ: ''اہلِ ایمان کو نیکی کے کام میں تعاون کرنا چاہیے اور برائی کے کام میں تعاون سے انکار کردینا چاہیے۔'' (المائدہ، آیت ۲) یہ حکم پارلیمنٹ میں ووٹنگ کے مرحلے پر پارٹی سے وابستگی کے معاملے کو بالکل رد کردیتا ہے۔

اسلامی حکومت اور لوگوں کی بنائی ہوئی جدید آزاد جمہوریت کے تقابلی مطالعے پر ایک آخری سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان معاملات اور سوالات کے جواب جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی ہدایت نہیں ملتی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے معاملات میں امت سے اجتہاد کرنے کو کہا ہے۔ اجتہاد کے اصول و قواعد اسلام میں وضاحت سے بیان کردیے گئے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں پاکستان سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بنچ کو کہا گیا کہ اس بات کا فیصلہ کرے۔ (ابوداؤد محمد بمقابل رجسٹریشن آفس PLD-1986) کہ پاکستان رجسٹریشن ایکٹ کی رو سے قومی شناختی کارڈ حاصل کرنے کے لیے خاتون درخواست گزار کو اپنا فوٹو پیش کرنا لازم ہے، تو کیا یہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی نہیں۔ یہ سوال یوں اٹھا کہ جدید معاشرے میں کسی شخص کی

Marfat.com

شناخت تصویر کے ذریعہ اس لیے ضروری ہے تاکہ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ بنوانے میں دھوکہ دہی سے بچا جا سکے۔

شریعت بنچ نے اسلامی تصنیفات کی روشنی میں اس مسئلے پر غور وخوض کیا اور بہت سارے ایسے قانونی مشیروں سے مشورہ کیا جو اس معاملے میں اپنی ماہرانہ رائے اعتماد کے ساتھ دے سکتے تھے اور پھر بنچ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اسلامی احکام کے خلاف نہیں ہے اور رجسٹریشن ایکٹ میں کسی استثناء کی ضرورت نہیں ہے۔

اس تاریخی فیصلے نے یہ اصول بھی مرتب کر دیئے کہ جدید پیچیدہ معاشرے میں اس طرح کے حالات میں شریعت کے مطابق کس طرح فیصلہ کیا جائے، جب کہ قرآن وسنت میں ان کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہ ہو۔

(۱) ''ایک اختلافی مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہ طریقۂ کار اختیار کیا جائے، جسے قرآن نے بتا دیا ہے۔''

(۲) ''ایسے معاملات میں جن پر قرآن خاموش ہے، اس بنیاد پر فیصلہ نہیں دیا جا سکتا کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ جب تک کہ سنت اور اس کی تصریحات پر غور نہ کر لیا جائے۔''

(۳) ''کسی معاملے پر سنت کو دریافت کرنے کے لیے یہ اجازت ہوگی کہ قرآنی احکامات، معلوم سنتیں، تاریخی اور آثار قدیمہ کی دریافتوں سے استفادہ کیا جائے۔''

(۴) ''اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک زندہ شے کی تصویر بنانا عمومی طور پر قرآن میں ممنوع نہیں ہے لیکن سنت میں اس کی ممانعت کی گئی ہے، تب بھی فیصلہ اس کی ممانعت ہی کا ہوگا۔''

(۵) ''اگر کسی ابہام کے بغیر قرآن وسنت میں اس کی واضح ہدایت موجود ہے اور فوٹو کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، تو نہ ہی وفاقی شرعی عدالت اور نہ ہی سپریم کورٹ آف پاکستان اس کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے یا کوئی استثناء دے سکتی ہے۔ اوپر بیان کیے گئے حالات میں جس امکان کی صورت نظر آ رہی ہے، اس میں یہ ان عدالتوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ حکومت، مختلف اداروں اور شہریوں کو ان مشکلات سے نکلنے کی راہ دکھائیں۔''

(۶) بنیادی طور پر یہ بات اس خیال پر کی گئی ہے کہ قرآن میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور اس

Marfat.com

میں خاصا اختلاف رائے ہے کہ سنت میں اس کی ممانعت کی گئی ہو، لہٰذا عدالت کو یہ اجازت ہوگی کہ وہ تاریخی شواہد اور آثارِ قدیمہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے، اس طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

(۷) "زیادہ ترقی یافتہ ریسرچ کے طریقے اور سائنسی، تاریخی اور آثارِ قدیمہ کی دریافتوں کے تعاون سے اپنے ذہن کو استعمال میں لائے بغیر یہ عمل مکمل نہیں ہوگا۔"

اجتہاد کے اصول سپریم کورٹ نے اتنی وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں کہ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شریعت جو صدیوں سے ارتقائی منزلیں نہیں طے کر سکی ہے، اس قابل نہیں کہ جدید دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں پر پورا اترنے کی اہل نہیں۔ کیا اجتہاد کا معاملہ بالغ حق رائے دہی سے منتخب پارلیمنٹ پر چھوڑ دینا چاہیے؟

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹے بغیر، اسلامی حکومت جدید دور کے چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ولولۂ تازہ اور توانائی کے ساتھ وسعت اختیار کرتی ہوئی نظر آ سکتی ہے۔

یہ حیرت کی بات نہیں کہ Samuelson Huntington اپنی تصنیف "Third Wave of Democracy" میں بنے بنائے نظریے پر جم کر اس بات کو سرے سے مسترد کر دیتا ہے کہ فطری طور پر اسلامی حکومت آزاد جمہوریت کے مقابل آ سکتی ہے۔

ساری دنیا میں، اسلامی حکومت کے ظہور میں لوگوں کی آزاد مرضی ایک بڑھتا ہوا کردار ادا کر رہی ہے۔ مغرب میں ہونے والے بہت سارے مطالعات میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ جب بھی مسلمان ممالک میں شفاف اور آزادانہ انتخابات ہوئے تو اس امر کا قوی امکان ہے کہ وہاں اسلامی حکومتیں ابھریں، جہاں ابھی آمرانہ حکومتیں ہیں۔

الجیریا میں اسلامک سالویشن گروپ نے ۱۹۹۰ء کے مقامی الیکشن میں زبردست کامیابی حاصل کی، اس نے ۶۰ فیصد ووٹ حاصل کر کے ۴۸ صوبوں میں سے ۳۲ صوبوں کا کنٹرول حاصل کر لیا، جبکہ ۱۵۰۰۰ میونسپل عہدوں میں سے ۵۵ فیصد اس کے حصے میں آئے۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کے قومی الیکشن میں اس پارٹی نے زبردست اکثریت حاصل کی اور پہلے مرحلے میں پارلیمنٹ کی ۴۳۰

Marfat.com

نشستوں میں ۱۸۸ نشستیں حاصل کرلیں۔ دوسرے مرحلے میں بقایا ۱۹۸ نشستوں پر شاندار کامیابی کے لیے اسلامک فرنٹ بہت بہتر پوزیشن میں تھی کہ الجیریا کی افواج نے سازش کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اس سے ایک سال قبل اُردن کے نومبر ۱۹۸۹ء کے الیکشن میں اسلامک گروپ نے پارلیمنٹ کی ۸۰ نشستوں میں سے ۳۶ حاصل کرلیں۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ملائیشیا میں اسلامک پارٹی نے صوبہ کلانتان (Kalantan) میں قومی اسمبلی کی تمام ۱۳ نشستیں اور صوبائی اسمبلی کی تمام ۳۹ نشستیں جیت لیں۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ترکی کے قومی انتخاب میں ایک اسلامی پارٹی نے اپنی مخلوط پارٹیوں کے ساتھ پارلیمنٹ کی ۶۰ نشستیں جیت لیں۔ فی الحال کویت کی پارلیمنٹ میں زیادہ تر نشستیں اسلامی پارٹی نے حاصل کرلیں جب کہ انتخابی قوانین سختی سے اس پارٹی کے حق میں نہیں تھے۔ بیروت کی حزب اللہ نے بھی قومی الیکشن میں اچھی کارکردگی دکھائی۔ فلسطین میں، اسلامی مزاحمتی تحریک حماس نے جنوری ۲۰۰۶ء کے پارلیمانی انتخاب میں زبردست اکثریت حاصل کی۔

مغربی سوچ کے موجودہ رجحان کے مطابق جمہوریت اپنے تصور اور ہیئت میں غیر سیکولر ہوتی جارہی ہے اور عیسائیت اور دوسرے مذاہب سے ہم آہنگ کی جارہی ہے۔

Francis Fukuyama اپنے تازہ مضمون ڈیموکریسی (Democracy)، (Dialogue 2, 1993) میں جمہوریت کے لیے عالمی اپیل دیکھتے ہیں، وہ جمہوریت جس کی جڑیں عیسائیت کے اس نظریے سے جڑی ہوئی ہیں کہ خدا کے نزدیک سارے انسان برابر ہیں۔ جو ان کے مطابق دُنیا کی مستحکم جمہوریت اور عیسائی کلچر کے درمیان تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔ اس سے پہلے، وہ اسلام کو مسلم دنیا کے حوالے سے مغربی جمہوریت کے لیے ایک خطرناک چیلنج کے طور پر شناخت کرچکے ہیں۔ انھیں یہ بھی تشویش ہے کہ جاپانی جمہوریت کنفیوشزم (Confucianisim) کے زیر اثر مغربی جمہوریت پر بازی لے جارہی ہے۔ اس طرح جمہوریت مغرب میں عیسائیت سے مانگی ہوئی روشنی ہے۔ جہاں تک اسلامی دنیا میں اس کے مستقبل کی بات ہے تو یہ اسلامی حکومت کے اصولوں اور ضابطوں پر ہی قانع رہے گی۔

اس طرح مذہب نے جمہوریت میں مرکزی مقام حاصل کرلیا ہے اور اسے مذہبی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی۔ اسی طرح، سیکولرزم کو جو مغربی جمہوریت کا ذیلی حصہ ہے سخت

Marfat.com

چیلنج کا سامنا ہے اور یہ پسپائی اختیار کر رہی ہے۔

Samuel Huntington نے اپنے تاریخی مضمون ''The Clash of Civilization
(The Foreing Affairs, NewYork Summar, 1993)
میں پیشگوئی کی ہے کہ اکیسویں صدی میں دنیا کا جھکاؤ غیر سیکولرزم کی طرف بڑھ رہا ہے، جب کہ مذہب کو دنیا کے اسٹیج پر مرکزی مقام حاصل ہو جائے گا اور یہ لوگوں کی شناخت اور وابستگی کی بنیاد بن جائے گا۔ ہنٹنگٹن کہتا ہے: '' دنیا بھر میں معاشی جدیدیت اور سماجی تبدیلی کے عمل میں دنیا طویل عرصے سے قائم لوگوں کی مقامی شناخت سے الگ ہو رہی ہے۔ شناخت کا قومی ذریعہ بھی کمزور پڑ رہا ہے۔ زیادہ تر ممالک اور علاقوں میں جو لوگ بنیاد پرستی کی تحریک میں زیادہ فعال ہیں، وہ جوان، کالجز کے پڑھے ہوئے مڈل کلاس ہنرمند، پیشہ ور ماہرین اور کاروباری لوگ ہیں۔

George Weigel نے تبصرہ کیا ہے کہ: '' بیسویں صدی کے آخر میں، دنیا بھر میں غیر سیکولرزم رویے کو سماجی زندگی پر حاوی حقائق کی حیثیت حاصل رہی ہے۔''

Gilles Kepel نے احیائے مذہب کو ''Larevanche de Dieu'' کا نام دیا ہے اور اس کے نزدیک یہی شناخت اور وابستگی کی بنیاد ہے اور یہ قومی سرحدوں کو عبور کرتی ہوئی تہذیبوں کو یکجا کر رہی ہے۔''

اس طرح Huntington, George Weigel اور Gilles Kepel اخیر بیسویں صدی میں مذہب کو سماجی زندگی میں ابھرتے ہوئے نمایاں شکل میں دیکھتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر وہ مذہب کو شناخت اور وابستگی کا خاص ذریعہ سمجھتے ہیں جو قومی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا، تہذیبوں کو متحد کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہنٹنگٹن اور دوسرے مفکرین، مذہب کے احیاء میں ایک بڑی متحدہ قوت کو ابھرتا ہوئے دیکھتے ہیں۔

مغربی تہذیب کو جس میں جمہوریت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے مسترد کرتے ہوئے، ہنٹنگٹن نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

''مغرب کو اپنی طاقت کے نقطہ عروج پر غیر مغربی طاقت کا چیلنج درپیش ہے جو دنیا کو غیر مغربی انداز میں استوار کرنے کی بڑھتی ہوئی خواہش، عزم اور ذرائع رکھتی ہے۔''

Marfat.com

دنیا کے عظیم ترین سیاسی اور سوشل سائنٹسٹ کا دیا ہوا یہ فیصلہ مشرق اور مغرب دونوں کے لیے اپنے اپنے معاشروں کو دوبارہ منظم کرنے کے لیے گہرا مفہوم رکھتا ہے۔

اس لیے ساری دنیا میں مستقبل کے سماجی اور سیاسی معاملات ان قوتوں کے ذریعہ طے ہوں گے جو سیکولرزم کی بجائے غیر سیکولرزم کی سمت چل رہی ہیں۔

اسی نقطہ نظر کو Mark Juergensmyers نے مذہبی قومیت کے بارے میں اپنے فکری تصورات پیش کرتے ہوئے زیادہ زور دے کر بیان کیا ہے، جہاں اس نے استدلال کیا ہے کہ سرد جنگ کے بعد ابھرنے والی دنیا میں ''مذہبی قومیت نے سیکولر قومیت کو سب سے زیادہ منظم اور طاقتور نظریے کے طور پر شکست فاش دے دی ہے۔'' یہ عام خیال رہا ہے کہ سیکولرزم چاہے یہ آزاد شکل میں ہو یا کمیونزم کی صورت میں، سماجی نظم و ضبط میں قطعی غیر تسلی بخش ثابت ہوا ہے۔ نو آبادیوں کے اختتام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیکولر قومیت مغربی سامراجیت کی محض ایک پرکار شکل ہے......

(Book Review by Fukuyama- The Journal of Democracy, Washington Dec, Ot, 1993.)

James A.Reichely نے اپنے مضمون مذہب، سیاست اور جمہوریت (Religi-ons, Politics and Democracy) میں تسلیم کیا ہے کہ سماجی رویے، انداز اور اخلاقی تصورات جن کی بنیاد پر امریکی جمہوریت قائم ہے، مذہبی عقاید میں ان کا ماخذ ہیں۔ (Dialougue 3, 1992)۔ لندن کے ہفتہ وار اکنامسٹ نے اپنی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں استدلال کیا ہے کہ عیسائیت کی تعلیم کہ'' اپنے پڑوسی سے ایسی ہی محبت کرو جیسی خود سے کرتے ہو'' جمہوریت کو ایک نظریہ اور بنیاد فراہم کرتی ہے۔

سیکولرزم جس پر آزاد مغربی جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی تھی خود بھی ان قوتوں کو راستہ دیتی آرہی ہے جو معاشرے اور حکومت کو غیر سیکولر بنانے کے عمل میں تیزی سے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

Marfat.com

ایک اسلامی ریاست کو حکم ہے کہ وہ ایک طرف نماز اور زکوٰۃ قائم کرے، دوسری طرف نیکی کا نفاذ کرے اور برائی کو ختم کرے۔ (الحج، آیت ۴۱)

اس طرح مذہب کا ریاست سے الگ ہونا اسلام میں ایک بالکل اجنبی تصور ہے۔ قرآن میں معروف کا تصور، وہ تمام خیالات، تصورات، اعمال اور نظام ہیں جو مجموعی طور پر انسانیت کے لیے فائدہ مند ہوں لیکن وہ اسلام کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ اس لیے ایک اسلامی ریاست اس کی پابند ہے کہ وہ تمام اچھے خیالات، تصورات اور نظام کو عملی شکل میں نافذ کرے جو انسانیت کے لیے مفید ہوں۔ یہ ان تمام دریافتوں، ایجادات اور جدتوں کو قبول کرتی ہے جو انسانیت کی ترقی اور فلاح میں معاون ہوں۔ یہ اسلامی طرزِ زندگی اور تہذیب میں مسلسل ترقی اور توانائی کے لیے ہمیشہ موجود رہنے والا مربوط نظام ہے۔ لہٰذا، ایک اسلامی حکومت ایک طرف تو غیر سیکولر ہوگی۔ جبکہ دوسری طرف فطری طور پر ترقی پسند اور توانا ہوگی۔

ابھرتے ہوئے نئے عالمی نظام میں آزاد مغربی جمہوریت کو مذہبی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی۔

اسلام میں جذبۂ جہاد:

۱۱ ستمبر کے کمیشن کی رپورٹ نے اسلام کے بنیادی نظریے کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا ہے کہ یہی عالمی دہشت گردی کا اصل ذریعہ ہے اور اس لیے مغربی طرزِ زندگی اور تہذیب کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق اسلام کسی دوسرے مذہب کی بہ نسبت اپنے نظریۂ جہاد کی بدولت زیادہ تشدد اور خوں ریزی کا سبب ہے۔ اس طرح، مغرب کے نزدیک اسلامی جہاد ایسا ہی ہے جیسے کسی بیل کے آگے سرخ بوسیدہ کپڑا۔ کمیشن نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے یہ سفارش کی ہے کہ اسلام کے انقلابی نظریے سے لڑنا ہوگا اور اسے تباہ کرنا ہوگا۔

اگرچہ، معاملے کی حقیقت بالکل برعکس ہے۔ یہ عیسائیت اور ہندومت ہیں جنھیں امن و محبت کے مذاہب سمجھا جاتا ہے، جنھوں نے اسلام کے مقابلے میں جنگ و جدل میں زیادہ نام کمایا ہے۔

بائبل کی قدیم عیسائی شریعت (Old Testament of Bible) کے باب۔۲۰، سطور ۱۶، اور ۱۷ میں جنگ کی توصیف کی گئی ہے اور دوسرے مذاہب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی یوں

Marfat.com

ترغیب دی گئی ہے:

"لیکن لوگوں کے ان شہروں میں جو تیرے رب اور تیرے خدا نے تجھے ورثے میں عطا کیے ہیں تو کسی بھی متنفس کو زندہ نہ چھوڑ۔"

مزید یہ کہ:

"بلکہ تو انھیں مکمل طور پر تباہ کردے گا یعنی Hittitites اور Amonites کو......"

بائبل کے یہ احکامات نہ صرف مخالفین کو مکمل طور پر ختم کردینے پر زور دیتے ہیں بلکہ اس کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رکھتے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے رواداری کے ساتھ ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ لہٰذا، اُس وقت کے پوپ نے دنیا بھر کے عیسائیوں کو آواز دی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ایک خونی جنگ لڑیں، نہ صرف بیت المقدس کو واپس لینے کے لیے بلکہ اسلام کی برائیوں کو مٹانے کے لیے بھی۔ یہ بائبل کے انھی احکامات کا نتیجہ ہے کہ متشدد یہودی مغربی کنارے اور یروشلم کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں اور امریکہ میں آج کے روایت پسندوں کی مدد کر رہے ہیں۔ بائبل لباس بیچ کر اسلحہ خریدنے کی بھی ترغیب دیتی ہے۔

اسی طرح ہندوؤں کے قابل صد احترام دیوتا "لارڈ کرشنا" نے اپنی کتاب "گیتا" میں جنگ کی بہت زیادہ ستائش کی ہے۔ گیتا کے اشلوک ۳۷ اور ۳۸ میں اس طرح خطاب کیا گیا ہے:

"اگر جنگ میں تم مارے گئے تو تم بہشت میں جاؤ گے، اگر تم فتح پاگئے تو دنیا کے مزے اٹھاؤ گے، اس لیے جنگ کے لیے پرعزم رہو۔" (اشلوک ۳۷) اور "اس لیے جنگ کے لیے تیار رہو، فلاح یا مصیبت، نفع یا نقصان، جیت یا ہار کی پرواہ کیے بغیر۔ اگر اس طرح تم نے جنگ کی تو تم کوئی گناہ نہیں کرو گے۔" (اشلوک ۳۸)

اس کے تباہ کن اثرات کا خیال کیے بغیر، کیا ہی کھلی ہوئی بدمست نصیحت جنگ کے لیے کی گئی ہے۔ عیسائی اور ہندو نظریہ جنگ کے بالکل برعکس، جہاد جیسا کہ قرآن میں حکم دیا گیا ہے، اللہ کے طے کیے ہوئے مقصد اور متعین حدود کی سختی سے پابندی کرتے ہوئے کیا جاتا ہے:

"اللہ کے لیے ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (البقرۃ، آیت ۱۹۰)

Marfat.com

اس طرح جنگ اور امن کے اسلامی نقطہ نظر جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا، اور قدیم عیسائی شریعت اور گیتا میں دیئے گئے احکامات میں فرق خود ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ جنگ اور امن کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر کس قدر انسان دوست ہے۔ یہی جذبۂ جہاد تھا جس کے تحت مسلمان برطانوی نو آبادیاتی نظام کے خلاف 1818ء سے ۱۸۷۱ء تک مزاحمت کرتے رہے، اور وسطی ایشیا میں روس کے خلاف انیسویں صدی کے نصف آخر میں مزاحمت شروع کی اور بہت بعد الجیریا میں فرانس کے قبضے کے خلاف۔ پھر یہی جذبہ تھا جب اسامہ نے عراق میں امریکی قبضے کے خلاف جہاد کے لیے صدا بلند کی اور ملا عمر نے افغانستان پر امریکی حملے کے وقت اعلانِ جہاد کیا۔

انسانی تاریخ میں جنگ کو کبھی بھی ممنوع قرار نہیں دیا گیا، نہ ہی کبھی امن اور تحفظ کے آلۂ کار کے طور پر اسے ترک کیا گیا۔ کوسٹاریکا (Costa Rica) غالباً وہ پہلا ملک ہے جس نے حال ہی میں اپنی افواج ختم کردی ہیں۔ St.Augustine اور St.Aquinas نے حقوق کے دفاع، برائیوں کی اصلاح اور عیسائی حکمرانی سے باہر مجرموں کو سزا دینے کے لیے منصفانہ جنگ کی تلقین کی ہے۔ صدر بش نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے منصفانہ جنگ کے نظریے پر عمل کیا۔ جارحیت کے خلاف اپنی صلاحیت سے زیادہ لڑتے ہوئے کوئی بھی بڑی تہذیب خود کو بچا نہیں سکی ہے۔ عظیم چینی سلطنت کو وحشی ہنز (Huns) کی غارت گری سے ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ہنز نے بادشاہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی ان کے سردار سے کردے۔ بادشاہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہزادی کو وحشی اپنی کامیابی کا قیمتی انعام بنا کر ساتھ لے گئے۔ شہزادی نے بادشاہ کے نام اپنے ایک خط میں واویلا کیا کہ وہ خود کو ایک پرندے کی طرح پنجرے میں بند محسوس کرتی ہے اور اس پنجرے سے آزاد ہونا چاہتی ہے۔

اسی طرح رومن سلطنت گوتھز (Goths) اور ہنز (Huns) کے ہاتھوں بری طرح برباد ہوئی جس کا Gibbon نے اپنے الفاظ میں یوں نقشہ کھینچا ہے:

''اجداد کے بڑے بڑے، اسلحے چھوٹی چھوٹی تلواریں جنھوں نے غیر معقول طریقے سے دنیا کو قابو کیا ہوا تھا، کمزور ہاتھوں سے گر پڑے۔ گوتھز، ہنز اور الانی (Goths, Huns and Alani) کے گھڑ سواروں نے بے یار ومددگار کانپتی ہوئی رومن

Marfat.com

فوج کو قابو کرلیا۔"

سیموئیل ہنٹنگٹن عیسائیت اور اسلام کے درمیان عرصہ دراز سے جاری کشمکش کی تاریخ بیان
رتے ہوئے پیشگوئی کرتا ہے کہ مستقبل میں یہ مزید تیز ہو جائے گی۔ اس نے مغرب کے
نیوشس اور اسلامی تہذیب کے ساتھ ٹکراؤ کی پیشن گوئی کی ہے اور مغرب کو مشورہ دیا ہے کہ وہ
فوجی طاقت کو کم نہ کرے۔ امریکہ کی موجودہ انتظامیہ پر نئے روایت پسند شاہینوں کا غلبہ ہے،
اپنی قومی سلامتی کی جس حکمت عملی پر کام کر رہے ہیں اس کا ہدف ابتداً مشرقِ وسطیٰ اور آخرکار
ی اسلامی دنیا کی نئے سرے سے حد بندی ہے اور ضرورت پڑی تو اپنے مفاد میں فوجی قوت بھی
تعمال کی جاسکتی ہے۔ اسی حکمت عملی پر کام کرتے ہوئے امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا
ایران اور شام پر حملہ کرنے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ نیٹو (NATO) کے ایک سابق سیکریٹری
ل مراکش سے انڈونیشیا تک ابھرتے ہوئے ہلال سے سخت خطرہ دیکھ رہے ہیں۔ امریکی
ظامیہ کو اپنے نام نہاد "عالمی دہشت گردی" کے تناظر میں اسلام کا احیا نظر آرہا ہے جس سے
نے کے لیے اس نے ہندوستان اور روس کو ساتھ ملا لیا ہے۔ کسی مستند ثبوت کے بغیر اسامہ کے
تھ مغرب کی منافرت اور نام نہاد جرائم میں اس کو ملوث کرنا دراصل اسلام کے ساتھ منافرت
تنے کا ایک عمل ہے۔ بھارتی جنتا پارٹی جو راشٹریہ سیونگ سنگھ کا ایک حصہ ہے "ہندوتو" سے اپنی
تگی پر قائم ہے اور ہندوستان کو ایک بڑی دھرما پاور بنانا چاہتی ہے۔ ہندوستان کا ایٹمی پروگرام
اس کی میزائل بنانے کی صلاحیتوں سے جنگ کے گہرے بادل منڈلاتے ہوئے نظر آتے ہیں،
ص طور پر پاکستان کے لیے۔ ہندوستان کے فوجی سربراہ نے ایک بار بڑے طمطراق سے
وستان کو ایک عظیم طاقت بنانے کا اعلان کیا۔ وزیراعظم واجپائی زمانہ حال تک آزاد کشمیر پر اپنا
جتاتے رہے ہیں۔

ہندوستان کے وزیر خارجہ نے ایک بار پھر پاکستانی آزاد کشمیر کے ہندوستان کے اٹوٹ انگ
نے کا شوشہ چھوڑا ہے اور اس طرح انھوں نے اسے آزاد کرانے کی خفیہ دھمکی دی ہے، ضرورت
تو بزور طاقت بھی۔ ہندوستانی وزیراعظم من موہن سنگھ نے بغیر کوئی ثبوت دیئے دہلی کے بم
کے میں پاکستان کے ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے اور اس کے بعد بنگلور میں ہونے والی

Marfat.com

واردات پر بھی۔ یہ ایک اور پوشیدہ فوجی دھمکی ہے۔ ڈھاکا میں ہونے والی سارک کانفرنس
موقع پر دو وزرائے اعظم کے درمیان ہونے والی بات چیت تلخی میں بدل گئی اور پاکستان
وزیراعظم کو برملا یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں اعتماد کی کمی
۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء کی تازہ ترین رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ ہندوستان پاکستان کی سرحد کے قریب
وار گیم کھیل رہا ہے۔ دھمکیوں کی اس صورتِ حال میں اپنا گولہ بارود تیار اور پرچم جہاد بلند
چاہیے۔

اقتصادی ترقی اور خوشحالی جارحیت اور عدم تحفظ کے خلاف ہمیشہ ڈھال نہیں بن سکتیں۔
یہ جارحیت اور عدم تحفظ کو دعوت دیتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد امریکہ نے مغربی یور
کے لیے جو جنگ سے بالکل تباہ ہوگیا تھا، مارشل پلان کے نام سے اقتصادی بحالی اور ترقی
لیے ایک بڑے پروگرام کا آغاز کیا، اس میں شک نہیں کہ اس سے مغربی یورپ میں خوشحالی لا
میں زبردست کامیابی ہوئی۔ اس کے باوجود سوویت یونین کی طرف سے خطرہ بالکل ختم نہیں
حالانکہ سوویت یونین جنگ کے مصائب سے پورے طور پر نکل نہیں پایا تھا۔ امریکہ نے مغر
یورپی ممالک کے ساتھ مل کر ایک بھاری بھرکم فوج بنانے کو ضروری سمجھا اور نیٹو کے نام سے یہ فو
وجود میں آئی تاکہ شمالی بحراوقیانوس کے ممالک کی سوویت یونین سے فوجی خطرے کی مدافعت
جائے۔

امریکہ دوسرے ممالک پر زور دیتا ہے کہ وہ این پی ٹی (NPT) پر دستخط کریں، لیکن خودا
پر دستخط کرنے سے انکاری ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ سوویت یونین کا شیرازہ منتشر ہو چکا
اور ''وارسا پیکٹ'' ختم کیا جاچکا ہے۔ امریکہ ایٹمی اسلحے کا ایک بڑا ذخیرہ رکھتا ہے جو اس کی دفا
ضروریات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ سوویت یونین کی طرف سے فوجی خطرہ زائل ہو
کے باوجود وارسا پیکٹ کی طرح نیٹو (NATO) کو ختم کرنے کی بجائے اس کے دائرہ عمل کو مغر
یورپ کو روسی خطرے کے خلاف دفاع سے کہیں آگے وسعت دے دی گئی ہے۔ نیٹو کے ایک
سیکریٹری جنرل کی یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ سرخ خطرہ سبز خطرے میں تبدیل ہوگیا ہے، جو مراکش
سے انڈونیشیا تک ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

Marfat.com

اس میں حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ نیٹو نے اپنا دائرۂ کار افغانستان تک بڑھا دیا ہے، بظاہر
م امن کے لیے لیکن حقیقتاً طالبان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اور اب پاکستان میں زلزلے
ے بعد تباہ شدہ علاقوں میں ریلیف پہنچانے کے نام سے یہاں بھی اپنا ڈیرا ڈال دیا ہے۔ یہ بات
ب خیز نہیں کہ نیٹو نے سونامی اور کترینا کے آفت زدہ لوگوں کو ریلیف پہنچانے کا کوئی کام نہیں کیا
ن موقع ملتے ہی اپنے ایک ہزار فوجیوں اور امریکی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ریلیف
ے نام پر آزاد کشمیر اور پاکستان کے شمال مغربی علاقے میں کود پڑا ہے جو فوجی اعتبار سے بہت
اس مقامات ہیں۔ ریلیف کے سامان کو ہوائی جہازوں کے ذریعہ اتارنے اور ٹوٹی ہوئی سڑکوں
مرمت کے دوران نیٹو افواج کو زمینی حالات کا فوجی نقطہ نظر سے جائزہ لینے اور فوجی انتظامیہ
جہادی اداروں کا نقشہ مرتب کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ یاد دلا دیا جائے کہ صدر مشرف نے
اد کے لیے دنیا سے اپیل کرتے ہوئے یہ بات بار بار واضح کر دی تھی کہ پاکستان کے پاس
ادی قوت بہت ہے اور اسے افرادی قوت کی ضرورت نہیں، اسے مادی امداد کی ضرورت ہے،
ے خیمے، کمبل وغیرہ، (بتایا جائے کہ) امریکی میرین یا نیٹو کی افواج کی ضرورت کب تھی؟

اسرائیل کے پاس ۲۰۰ سے ۴۰۰ تک ایٹم بم کی موجودگی اسلامی دنیا کی سلامتی کے لیے
ردست خطرہ ہے۔ مغربی میڈیا کے مطابق جیسا کہ Dawn نے اپنے ادارتی تبصرے میں کہا:
رائیل، بنکر کو تباہ کرنے والے امریکی بم کی مدد سے ایران پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے۔

یہ بات بھی رپورٹ ہوئی ہے کہ امریکہ اپنی سب میرینز (Submarines) کے ذریعہ
ان پر میزائل حملے کا ہنگامی منصوبہ بنا چکا ہے۔

اسلامی دنیا کے سر پر امریکہ اور اسرائیل کی فوجی طاقت کی لٹکتی ہوئی تلوار کی بنا پر اسلامی دنیا
ں ایک مضبوط اور طاقتور جہادی تحریک کی ضرورت کو کم نہیں کیا جا سکتا۔

Prafful Badawi نے اپنے تبصرے (Dawn, Oct 27, 2005) میں
دوستان کی ایٹمی پالیسی میں زبردست تبدیلی کے بارے میں کہا ہے: "ہندوستان نے ایٹمی
ھوں پر عالمی پابندی اور اس کے پھیلاؤ کو روکنے کی اپنی ایک عرصے پر محیط حکمت عملی میں
دست تبدیلی کر لی ہے۔" ہندوستان کا امریکی تعاون سے تشکیل پانے والا یہ جارحانہ منصوبہ اس

Marfat.com

کی بیوفائی کا مظہر ہے، اس نے امریکہ کے ساتھ اس معاملے میں ہاتھ ملایا ہے جس نے اپنے ا
اسلحوں کو محدود کرنے کی ہر تجویز کو مسترد کیا ہے، اسے تباہ کرنے کی بات تو بہت دور کی ہے
Badawi کہتا ہے: ''ہندوستان نے گویا ماضی کی اپنی ہی روایتوں سے بے وفائی کی ہے جو
امن کے ایک مبلغ اور غیر وابستہ تحریک کے لیڈر کے طور پر اپنائے ہوئے تھا۔'' جلد ہی ہندوستا
امریکہ کے ساتھ کھلے سمندروں میں مشکوک جہازوں کا راستہ روکنے میں ملوث ہو جائے گا۔ ا
طرح ہندوستان جنوبی ایشیا میں امریکہ کی فوجی چوکی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سے پاکستا
اور دوسرے مسلم ممالک پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔

صیہونی اپنے ''عظیم تر اسرائیل'' کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں جس میں دریائے
فرات اور دریائے نیل کے درمیان کا سارا علاقہ شامل ہے۔ شیرون کے اقتدار میں آنے کے بع
مشرق وسطیٰ میں ایک بڑی تباہی صاف نظر آ رہی ہے جو پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں
لے گی۔

Walter Lippman نے کس قدر صاف بات کہی ہے کہ وہی ملک محفوظ ہے جو ا
اقدار اور اپنے مفاد سے دستبردار ہوئے بغیر امن قائم رکھے اور اگر ان پر حملہ کیا جائے تو ان کے
دفاع کے لیے جنگ کرے۔ مارگریٹ تھیچر (Margaret Tatcher) نے کہا ہے کہ ایک فوجی
عزائم رکھنے والے پڑوسی کو زیتون کی شاخ (اس کی علامت) پیش کرنا جارحیت کو دعوت دینے
یقینی ذریعہ ہے۔ عالمی امن کے عظیم ترین علمبرداروں میں سے ایک برٹرینڈ رسل (Bertrand
Russel) نے کہا ہے کہ وہ امن جو عزت کے ساتھ حاصل نہ ہو، امن نہیں ہے۔ اس وقت بھی
جب مسلمان چھوٹے سے شہر مدینہ میں چند سو کی تعداد میں تھے، اللہ نے اُن سے کہا کہ وہ امن کی
بھیک نہ مانگیں (سورۂ محمد، آیت ۳۵)۔ بعض بڑی بڑی سلطنتیں اور تہذیبیں فوجی ہمسایوں کے
ہاتھوں اس لیے تاراج ہو گئیں کہ وہ امن اور خوشحالی کے پھل کھانے میں لگ گئے تھے اور جارحیت
کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ گبن (Gibbon) کے مطابق رومن ایمپائر کے زوال
اور شکست کی وجہ یہ تھی کہ رومن فوج بھاری اسلحہ اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

قرآنِ پاک مزید کہتا ہے کہ: ''جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور ج

Marfat.com

اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ طاغوت کے لیے لڑتے ہیں۔" (النساء، آیت ۷۶) یہاں اللہ کے راستے میں جنگ کرنے کو اور اللہ کے حکم کو سربلند رکھنے کو ایمان کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اللہ کی اس نصیحت کی حکمت کو بوسنیا، فلسطین اور کشمیر میں ہونے والے واقعات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں نے اپنی پریشانی میں سرب عیسائیوں کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کی غرض سے احکام خداوندی کی پرواہ کیے بغیر، اپنی لڑکیوں کی شادی ان کے ساتھ کردی۔ وہ سرب عیسائیوں کے ساتھ شراب نوشی کرتے، رقص کرتے اور سور کا گوشت کھاتے۔ اس کے باوجود سرب عیسائیوں نے سربیا اور بعد میں کروٹس (Croats) کی مدد سے مسلمانوں کے خلاف انتہائی خوں ریز جنگ لڑی اور ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا۔ انھوں نے چھ سات سال کی نابالغ مسلمان لڑکیوں کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا، جیسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اگر آخری معرکے کے طور پر بوسنیا کے مسلمان اسلام کے نام پر جنگ نہ کرتے تو وہ مکمل طور پر ختم کردیے جاتے۔ اس جنگ کی قیادت مساجد کے ۳۵ ائمہ نے کی، جن میں ۱۴ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ بوسنیا کے مسلمانوں کا جنگی نعرہ یہ تھا:

"ہم اللہ کے سپاہی ہیں، ہم اسلام کے لیے لڑ رہے ہیں۔"

اللہ کے راستے میں لڑی جانے والی جنگ میں دشمن کی طاقت اور تعداد کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ اصل چیز اللہ پر غیر متزلزل ایمان، اس پر بھروسہ اور مضبوط عزم ہوتا ہے۔ ایسی ہی جنگ حضرتِ داؤد علیہ السلام کے ساتھیوں نے جالوت کے خلاف لڑی تھی، جس میں تعداد اور اسلحے میں بہت ہی کم مگر اللہ پر زبردست ایمان رکھنے والی فوج نے جالوت کی ایک بہت ہی مسلح اور طاقتور فوج کو تباہ کن شکست دی تھی۔ قرآن کہتا ہے:

"اور جب جالوت اپنی افواج سمیت روانہ ہوا تو اس نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ اللہ ایک نہر کے ذریعے تمھاری آزمائش کرے گا، تو جو کوئی اس نہر کا پانی (سیر ہو کر) پی لے گا وہ ہمارا آدمی نہیں اور جو نہیں پیے گا، وہ ہمارا ہے مگر اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر پی لے (تو کوئی مضائقہ نہیں)۔ مگر ایک قلیل تعداد کے سوا سبھوں نے اس نہر سے (سیر ہو کر) پانی پی لیا۔" (البقرۃ، آیت ۲۴۹)

Marfat.com

قرآن کے مشہور مفسرین میں سے ایک علامہ عبداللہ یوسف علیؒ نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے:

''شہنشاہ طالوت نے جالوت سے لڑنے کے لیے ایک بڑی فوج منظم کی اور فوج کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ راستے میں ملنے والی نہر سے وہ پانی نہیں پیئے گی سوائے ایک آدھ چلو کے اور جن لوگوں نے سیر ہو کر پانی پی لیا، وہ جالوت کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ انھوں نے اس ہدایت کو ہوا میں اڑا دیا اور تقریباً ۳۰۰ کے ایک مختصر لشکر کے سوا سبھوں نے جی بھر کر پانی پی لیا اور اس طرح وہ طالوت کی فوج سے نکل گئے۔''

اللہ پر مستحکم ایمان رکھنے والا یہ چھوٹا سا گروہ جب جالوت کی فوج سے لڑنے کے لیے پہنچا تو اس نے قرآن کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: ''اے ہمارے رب، ہم کو صبر عطا فرما اور ہمارے قدم جما دے اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔'' (البقرہ، آیت ۲۵۰) یہاں جو بات اہم ہے، وہ یہ کہ انھوں نے کسی دنیاوی یا مادی مدد کی دعا نہیں کی بلکہ اخلاقی اور روحانی مدد کی درخواست کی جسے اللہ نے قبول فرمایا۔ اور اللہ کی مدد سے مسلح ہو کر جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''اللہ کی رضا سے دشمن فوج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور یاد رکھو کہ یہ اللہ کی مرضی ہی تھی جس سے انھوں نے ایک ناممکن کام کر دکھایا۔'' انھی مفسر نے مزید تشریح کی ہے:

''داؤد علیہ السلام ایک نوعمر جوان تھا، جس کے پاس جالوت کے مقابلے کا اسلحہ تھا نہ جنگی ساز و سامان، جالوت نے مقابلے میں آنے سے پہلے ان کا مذاق اڑایا۔ طالوت نے اپنی فوج بھیجنے سے قبل حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے فوجی ساز و سامان کی پیشکش کی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا، اس کی جگہ انھوں نے اپنی غلیل اور اپنی لاٹھی پر بھروسہ کیا جسے وہ اپنی بھیڑوں کے چرانے میں استعمال کرتے تھے۔ راستے میں انھوں نے نہر سے شیشے کے پانچ صاف و شفاف ٹکڑے اُٹھائے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے انھیں ٹکڑوں کو اپنی غلیل سے اس انداز میں پھینکا کہ ان کی چوٹ سے جالوت بری طرح مجروح ہو گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی کی تلوار سے اس کی گردن اُڑا دی۔''

Marfat.com

اللہ کی مدد سے اس قسم کے معجزے آج بھی رونما ہو رہے ہیں۔ آج دیکھا جا سکتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی عمر کے فلسطینی نوجوان بڑھتے ہوئے اسرائیلی ٹینکوں کا مقابلہ اپنی غلیل اور پتھروں سے کر رہے ہیں۔ چیچنز، افغان اور عراقی مجاہدین دنیا کی طاقتور بدترین فوجی قوتوں یعنی روس اور امریکہ کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور ان کے مقابلے میں معمولی اسلحوں سے بے انتہا مشکلات کے باوجود ان قوتوں کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ اسی طرح کشمیری اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ہندوستان کی ۸۰۰۰۰۰ مضبوط افواج کو مشکل میں ڈالے ہوئے ہیں۔

پیرس میں قائم International Observatory on Terrorism کے ڈائریکٹر Ronald Trequard نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ اُسامہ نے میرے سوال کے جواب میں کہا کہ "ہم اب بڑی طاقتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ ہماری پختہ رائے ہے کہ امریکہ روس سے زیادہ کمزور ہے۔" اسلام کے حامیوں کی نظر میں یہ امریکہ ہے جو (اسرائیل کے ساتھ) زوال پذیر ہے اور اگر ہزاروں مسلمان مناسب اسلحوں کے ساتھ خودشہادتی پر آمادہ ہو جائیں تو کامیابی ان کا حصہ ہوگی۔"

فلسطینی، افغان، عراقی اور چیچن بہترین نتائج کے ساتھ "خودشہادتی" کی کامیاب جنگ لڑ رہے ہیں اور دنیا کی مضبوط ترین فوجی قوتیں روس اور امریکہ کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

جہاد میں شاندار کامیابی:

اللہ کے سپاہی حزب اللہ جن کا اسرائیل جیسے جدید اور طاقتور ملک کے ساتھ فوجی لحاظ سے یا کسی اور طور کوئی مقابلہ نہیں انہوں نے اسرائیل کا جنوبی لبنان سے بری طرح قدم اکھاڑ دیا اور اس کے ناقابل تسخیر ہونے کا بھرم توڑ دیا۔ نے کمزور اور دبے ہوئے لوگوں کو یہ سربلندی عطا کی کہ انہوں نے انتہائی طاقتور بیرونی قبضے کے خلاف جنگ آزادی لڑی۔

اس کے برعکس پی۔ ایل۔ او (P-L-O) نے مصالحت اور اطاعت کا راستہ اختیار کیا اور آج تک اسرائیل کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کے لگائے ہوئے زخم چاٹ رہا ہے اور اپنے کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کا دور دور کوئی امکان نہیں۔ PLO اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد اور اپنی

Marfat.com

آزادی کے اعلامیہ سے دستبردار ہونے کے لیے دباؤ اور فریب کا شکار ہوگیا، جب کہ اسرائیل نہ تو صیہونیت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور نہ ہی بدنام دستاویز Strategy of Israel in 1980 میں کوئی ترمیم کی، جس کا مقصد عرب دنیا کو مکمل طور پر منتشر اور مطیع کرنا ہے۔ دی گئی حتمی تاریخ سے پانچ ہفتہ قبل افراتفری میں اسرائیل کے پیچھے ہٹ جانے سے اس کی جانشیں South Lebanese Army (SLA) سخت انتشار اور مایوسی کا شکار ہوگئی جس کے نتیجے میں اس کے ایک بڑے حصے نے ہتھیار پھینک دیے اور فاتح حزب اللہ ملیشیا کے آگے سرنگوں ہوگئی۔ اس کے کمانڈر Antoine Lhad بھی لبنانی عدالت کی طرف سے غداری کے الزام پر سزائے موت کے اعلان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ قابض طاقت کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں اسی طرح کے انجام سے SLA افواج کو بھی گزرنا ہوگا۔

حزب اللہ کی یہ تاریخی فتح نہ صرف ان کی بے مثال بہادری اور دلیری ثابت کرتی ہے، بلکہ یہ ثبوت ہے ان کے اللہ پر زبردست ایمان کا، ان کے قابل تقلید نظم و ضبط کا، جان قربان کرنے کی ہمہ وقت آمادگی کا، اور سب سے بڑھ کر ان کی بے مثال لیڈرشپ کا اور یہ سب کچھ اسلام میں جہاد کا نشانِ امتیاز ہیں۔ یہ حسن نصر اللہ کی انتہائی قابل، اپنے مقصد کے لیے وقف اور جذبہ پیدا کرنے والی لیڈرشپ تھی جس نے مستحکم چٹان کی مانند ایک ناقابل شکست پُرجوش فوج تیار کرلی جس نے اسرائیل سے اتنی بڑی قیمت وصول کی کہ اسے افراتفری کے عالم میں پسپائی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حسن نصر اللہ کی لیڈرشپ کے اعلیٰ معیار کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس کا بیٹا اسرائیلی افواج سے لڑتا ہوا شہید ہوا تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کے تمام ساتھیوں نے تعزیت کی جگہ اسے مبارک باد دی۔ جب بھی حزب اللہ کا کوئی مجاہد لڑتے ہوئے شہید ہوتا تو اس کے گھر والوں کو اسی طرح تعزیت کی بجائے مبارک باد دی جاتی۔

شروع میں اسرائیل نے اس شرط پر لبنان سے چلے جانے کا عندیہ دیا کہ لبنان اپنی سرحد سے ملحقہ اسرائیلی علاقے کی حفاظت کا ذمہ لے لیکن لبنان نے اس قسم کی ضمانت دینے سے صاف انکار کردیا۔ پھر اسرائیل نے یہ کوشش کی کہ اس کے انخلا کو گولان کی پہاڑیوں کے معاملے سے منسلک کیا جائے اور لبنان کی سرحدوں سے لگے ہوئے اسرائیلی علاقے کو حزب اللہ کے حملے

Marfat.com

محفوظ بنادیا جائے لیکن اس کی بھی لبنان اور شام کی طرف سے حمایت نہیں کی گئی۔ آخر میں یہ کہا گیا کہ انخلاء اس طرح ہو کہ شام کی فوج کو لبنان سے نکل جانے کی راہ ہموار ہو جس سے حزب اللہ کمزور اور منتشر ہوسکتی تھی، لیکن یہاں بھی اسرائیل کو ناکامی ہوئی۔

یہ یہود بارک (Yahud Barak) تھا، جس نے اپنے انتخاب کے فوراً بعد یہ اعلان کیا کہ اسرائیل کی افواج جولائی ۲۰۰۰ تک لبنان سے نکل جائیں گی، شام کے ساتھ گولان پر کوئی مصالحت کیے بغیر لیکن انخلاء کی حکمت عملی اس طرح مرتب کی گئی کہ اسرائیل کی جانشیں SLA اپنی جگہ قائم رہے اور نام نہاد حفاظتی علاقے پر اس کی برتری باقی رہے اور حزب اللہ کے خلاف حملہ کرنے کے لیے اسے ایک پٹی (Buffer) میسر آجائے، لیکن شومیٔ قسمت کہ افراتفری میں اسرائیلی انخلاء سے SLA بالکل ہی منتشر ہوگئی۔

اسرائیل کی طرف سے زبردست اشتعال انگیزی کے باوجود حزب اللہ نے دلیرانہ صبر اور ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ خیام کے عقوبت خانے میں بہت سارے عرب مرد اور عورتیں، بعض بعض کئی عشروں سے بغیر کسی الزام اور مقدمے کے مقید تھے۔ اسرائیل کے کثرت سے ہوائی حملے میں ایئرپورٹ، پاور ہاؤس، اسکول، ہسپتال اور رہائشی علاقوں کو نشانہ بنایا گیا، جس میں ہزاروں کی تعداد میں غیر فوجی معصوم شہری ہلاک ہوئے۔ حزب اللہ نے انتقامی طور پر اسرائیل کے خلاف یا SLA کے گرفتار کیے جانے والے فوجیوں پر اس قسم کی بربریت نہیں کی۔ البتہ، دوسو سے کچھ زیادہ SLA کے فوجی لبنانیوں پر کیے گئے مظالم کے الزام میں پکڑے گئے اور ان کے جرائم کے سلسلے میں ان پر مقدمہ قائم کیا گیا۔

اسی طرح کے بے مثال تحمل بلکہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ ان سربوں کے خلاف بوسنیا کے مسلمانوں نے کیا جو ان علاقوں میں پھنس گئے تھے، جن کو مسلمانوں نے دوبارہ واپس لے لیا تھا، انھوں نے یہاں تک کیا کہ مسلمانوں کے جن علاقوں پر سرب، بوسنیا کی شکست کے بعد قابض ہوگئے تھے، ان علاقوں کے ان گھروں میں سرب خاندانوں کو رہنے دیا جو گھر مسلمانوں کی ملکیت تھے۔ جن دیہاتوں اور شہروں پر مسلمانوں نے دوبارہ قبضہ حاصل کرلیا وہاں انھوں نے بڑے بڑے اشتہار آویزاں کردیے، ان سربوں کو اپنے گھر واپس آنے کے لیے جہاں سے وہ بھاگ

Marfat.com

گئے تھے۔

ان کا نعرہ یہ تھا کہ؛ ''ہم اللہ کے سپاہی ہیں اور ہم اسلام کے لیے لڑتے ہیں۔'' تقریباً تیس یا چالیس مسجدوں کے ائمہ نے جہاد میں حصہ لیا جن میں پندرہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ سراجیوو (Sarajevo) میں جنگ کے دوران جب کہ سربوں نے ان علاقوں میں جن پر ان کا قبضہ ہو گیا، مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم ڈھایا تھا، مگر ایک رپورٹ کے مطابق وہاں بھی ۸۰۰۰۰ سربوں کو رہنے دیا گیا۔

اسی طرح چیچین مسلمانوں نے ان روسی عیسائیوں سے بڑا رحم دلانہ سلوک کیا جو ان علاقوں میں پھنس گئے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ کشمیری مسلمانوں نے بھی جہاد کی اسلامی روایت کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا، یہاں تک کہ سکھ قوم نے، جس کے ۱۳۵ افراد قتل کر دیئے گئے تھے اور جس کا ہندوستان نے مجاہدین پر الزام لگانے کی ناکام کوشش کی، ہندوستان کی حفاظتی فوج کی طرف سے اپنی حفاظت سے انکار کر دیا اور کہا کہ مسلمان مجاہدین ہی ہمارے بہترین محافظ ہیں۔ یہ ہے اسلامی جہاد کا انسانی رُخ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آٹھ سالہ مدنی زندگی میں لڑی جانے والی اسّی جنگوں میں تقریباً تین چار سو آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ اس کے مقابلے میں ہزاروں سال قبل، اشوک کے دور میں لڑی جانے والی صرف ایک کالنگ (Kaling) کی جنگ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے تھے۔

حزب اللہ، بوسنیائی مسلمان، چیچن جانباز اور کشمیری مجاہدین نے جہاں ایک طرف مثالی صبر و تحمل اور معافی کا مظاہرہ کیا تو دوسری طرف اپنے جہاد میں بے مثال بہادری اور شجاعت دکھائی۔ انھیں یہ جذبہ مسلمانوں کے لیے اللہ کے اُن احکام سے حاصل ہوا:

''اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (البقرۃ، آیت ۱۹۰)

اور.....

''(جو لوگ تمھیں قتل کرتے ہیں) انھیں جہاں پاؤ قتل کرو اور جنھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے، تم بھی انھیں ان کے گھروں سے نکال دو۔''

Marfat.com

(البقرۃ، آیت ۱۹۱)

لڑنے کا ان کا غیر متزلزل عزم، چاہے مخالف کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اور ان کی شہادت کی آرزو کو اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے روشنی ملتی تھی:

"جو اللہ کی راہ میں قتل ہوں، انھیں مردہ نہ کہو، نہیں، وہ زندہ ہیں، ہاں تمھیں اس کا شعور نہیں۔" (البقرۃ، آیت ۱۵۴)

نام نہاد حفاظتی علاقے سے، حزب اللہ کے مسلسل جہاد کے نتیجے میں، اسرائیلیوں کا قدم مکمل طور پر اکھڑ جانے سے، پوری سرزمین بائبل کو جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ اسے اللہ نے یہودیوں کو عطا کیا ہے، دوبارہ فتح کرنے اور ان پر حکومت کرنے کا ان کا خواب اور منصوبہ منتشر ہونے والا ہے۔ اسرائیل کے اکھڑے ہوئے قدم سے فلسطینیوں اور شامیوں کو اسرائیل اور اس کے منصوبے کے خلاف کھڑا ہونے کے لیے اُمید کی نئی روشنی اور ولولہ تازہ عطا ہوا ہے۔ یہ کشمیری اور چیچن مجاہدین کو بھی پیغام امید دے گا۔

شام کے صدر حافظ الاسد جو اخوان المسلمین کا زور کم کرنے کے لیے اپنا ناقابل رشک ریکارڈ رکھتے ہیں، وہ بھی ان خطوط پر سوچنے لگے تھے کہ ولولۂ تازہ پیدا کرنے کے لیے اس کا تعلق دوسرے فوجی گروہوں سے بھی پیدا کیا جائے۔

اسرائیل کا لبنان سے نکل آنے کا یہ منصوبہ کہ لبنان اور شام کے درمیان ایک فاصلہ پیدا کردیا جائے بری طرح ناکام ہوگیا۔ لبنان، شام سرحد پر ۴۰ میل کے شیبا فارمز (Shebaa Farms) کے علاقے کو اسرائیل نے ابھی تک خالی نہیں کیا ہے، اس بنیاد پر کہ یہ فارمز شام کی سرحدوں کے اندر واقع ہیں اور یہ معاملہ گولان کی پہاڑیوں کے سلسلے میں بات چیت کے دوران حل ہوگا۔ مگر، شام نے فوراً ہی یہ تصدیق کردی کہ یہ فارمز لبنان کے علاقے میں ہیں۔

اسرائیل کا یہ انخلاء ہوسکتا ہے، محض ایک حکمت عملی ہو اور عارضی ہو۔ اسرائیل تورات کے ان احکام کی تکمیل کا خواب دیکھ رہا ہے: "تم اس سرزمین کے تمام باشندوں کو بے دخل کرو گے۔" اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ دریائے فرات اور دریائے نیل کے درمیان کا تمام علاقہ ہمیشہ کے لیے یہودیوں کو عطا کردیا گیا ہے، جیسا کہ Genesis میں کیا گیا ہے۔ اسرائیل کی وزارتِ خارجہ کے

Marfat.com

ایک سینئر سابق افسر اور حکمت عملی کے تجزیہ نگار Oded Yinon نے اپنی ایک دستاویز "۱۹۸۰ء کے عشرے میں اسرائیل کی حکمت عملی" (A Strategy of Israel in 1980) میں "تمام پڑوسی عرب ممالک کی جغرافیائی اضلاع میں تقسیم کسی مرکزی ملک اور مرکز کے بغیر" کرنے کی سفارش کی ہے۔ یہ ہے اسرائیل کی مستقبل کی منصوبہ بندی، مذہبی اور سیکولر دونوں سطحوں پر۔ لہٰذا یہ امید کہ اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان پرامن بقائے باہمی کا کوئی منصوبہ کامیاب ہوسکتا ہے، "احمقوں کی جنت" میں رہنے کے مترادف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے نکل جانے کے باوجود حزب اللہ نے ہتھیار نہیں رکھے ہیں اور ابھی بھی جنگ کی تیاری کی صورت میں ہے۔ اگر سارا مقبوضہ علاقہ لبنان کے حوالے نہ کیا گیا اور قیدیوں کو آزاد نہ کیا گیا تو سرحد پار حملہ شروع ہوسکتا ہے۔ اور کون جانتا ہے کہ لبنان سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسرائیل کو مشکل میں ڈالنے کے لیے فلسطینیوں سے مل جائیں یا ان کی مدد کریں۔

اسرائیل کے مقاصد اور منصوبے کا جواب اللہ کے ان احکام میں ہے "تم انھیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے۔" (البقرہ، آیت ۱۹۱) اللہ تعالیٰ ان سے دوستی کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے سے بھی روکتا ہے۔ "جو دین کے بارے میں تم سے لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد کی، اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔" (الممتحنہ، آیت ۹)

لبنان سے اسرائیل کے انخلاء نے پورے فلسطین کی آزادی کا باب کھول دیا ہے، بشرطیکہ ضروری جذبہ، نظم وضبط اور لیڈرشپ مہیا ہوجائے۔

اسلامی جنگ اکثر و بیشتر افراد اور ساز و سامان کی کمی کی صورت میں لڑی گئی ہے، اس کے باوجود اللہ کی نصرت کے معجزے نے اسے کامیابی سے ہم کنار کیا ہے۔ Arnold Toynbee نے کہا ہے کہ "کامیابی آخر میں ایسے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جس کا نہ ہم تصور کرتے ہیں نہ خواہش"۔ جنگ موتہ میں مسلمانوں کی ۳۰۰۰ کی چھوٹی سی فوج نے شام کی ۱۰۰۰۰۰ کی مضبوط فوج سے ٹکر لی اور کامیابی حاصل کرلی۔ شام کے کمانڈر نے مسلمانوں کے عزم اور بہادری سے مغلوب ہو کر اسلام قبول کرلیا۔

Marfat.com

رومن بادشاہ نے جو اس وقت شام کا حاکم تھا، غصے کے عالم میں کمانڈر سے کہا کہ وہ زندگی ور اسلام میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے۔ کمانڈر نے اسلام کا انتخاب کیا۔ آج کے جدید سلحوں کے دور میں بھی اللہ کی نصرت کا معجزہ بوسنیا کی جنگ کے دوران دیکھنے میں آیا ہے۔ جب ہاچ (Vehach) پر سربوں نے حملہ کیا، اس وقت کروٹس (Croats) اور باغی مسلمان اور قلیل تعداد میں بوسنیا ئی مسلم جانباز جو تعداد میں بھی بہت کم تھے اور اسلحے میں بھی، وہ ہاچ کے اندر پھنس گئے اور اس وقت کے امریکی وزیر دفاع نے اعلان کر دیا تھا کہ بوسنیا کی شکست چند دنوں کا معاملہ ہے اور اس سلسلے میں امریکہ کچھ نہیں کر سکتا، لیکن دیکھیے کہ چند بوسنیائی مسلم جانبازوں نے جو جذبہ شہادت سے سرشار تھے، امریکی وزیر دفاع کی پیشگوئی غلط ثابت کر دی اور نتیجتاً شاندار کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت ہی مشہور بحری اڈہ اسکندریہ شکست سے دوچار ہوا، تو اسکندریہ کے سردار کے سفیروں میں سے ایک نے عرب سپاہیوں کے دبدبے اور جذبے کو ان الفاظ میں بیان کیا: ''ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن میں ہر ایک موت کو زندگی پر اور انکساری کو شہرت پر ترجیح دیتا تھا اور ان میں کسی کے لیے بھی اس دنیا میں کوئی کشش نہیں تھی۔ وہ زمین پر بیٹھتے اور دوزانو ہو کر کھانا کھاتے۔ ان کا امیر (لیڈر) انھیں جیسا ایک فرد لگتا، چھوٹے اور بڑے میں، آقا اور غلام میں کوئی تمیز نہیں تھی۔'' جب موتہ کی جنگ ہوئی اور اسکندریہ کو شکست ہوئی تو رومن سلطنت جو شام اور اسکندریہ تک پھیلی ہوئی تھی، فتح یاب نہیں ہوئی بلکہ فتح عرب کے غریب اور پسماندہ لوگوں کے حصہ میں آئی۔ یہ سب جذبۂ جہاد اور نصرت الٰہی کا معجزہ تھا۔

حزب اللہ کی عظیم فتح میں اسلام کا نظریہ جہاد دوبارہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔ آج بھی یہ اتنا ہی برمحل اور معقول ہے، جتنا ۱۴۰۰ سال پہلے تھا۔ اس سے ان لوگوں کی آنکھ کھل جانی چاہیے جو مذاق اڑاتے ہیں کہ اسلام کا نظریہ جہاد ایک بھولی بسری بات ہے اور اسے تاریخ کا ایک حصہ ہی رہنا چاہیے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض مسلم سربراہان حکومت امریکہ کی شہ پر مذہبی و تعلیمی نظام سے جہاد اور قتال حذف کر رہے ہیں، اس کی پرواہ کیے بغیر کہ قرآن کریم ان کے احکامات

Marfat.com

سے بھرا پڑا ہے۔

اگر حزب اللہ کے سرفروش اتنی شاندار کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو کیا کشمیری مجاہدین پیچھے رہ جا سکتے ہیں؟ جیسا کہ ایک ہندوستانی جنرل نے کہا ہے: ''پہلے ہم مجاہدین کا جنگل میں تعاقب کر رہے تھے، اب وہ ہماری چھاؤنیوں میں ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے حفاظتی فوجی افسران نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ مجاہدین ''بے رحمانہ مہارت'' کے ساتھ حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کراچی کے ایک سیمینار میں ہندوستانی نیوی کے ایک ریٹائرڈ سربراہ نے کہا: ''ہندوستانی آج تک کارگل کے زخم چاٹ رہے ہیں۔'' کارگل آپریشن کے نتیجے میں ہندوستان کو اپنے دفاعی بجٹ میں ۱۴۰۰۰ کروڑ روپے کی خطیر رقم کا اضافہ کرنا پڑا ہے۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ صرف کارگل اور بٹالہ کی پہاڑیوں کو محفوظ بنانے کے لیے سالانہ ۸۰۰۰ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی۔ کلدیپ نیّر کے مطابق غربت اور بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور افراطِ زر سات فیصد ہوگیا ہے جو چند ماہ قبل کے مقابلے میں تین گنا ہے۔ ایک جریدے کے مطابق، پہلے ایک ہندوستانی فوجی کے مقابلے میں چھ مجاہدین مارے جاتے تھے لیکن اب ہر دو ہندوستانی فوجیوں کے مقابلے پر چار مجاہدین ہلاک ہو رہے ہیں۔ کشمیر میں متعین ہندوستانی فوج میں خودکش حملوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اسی طرح فوجی نوکری چھوڑ دینے یا چھٹی کی مدت بڑھا لینے میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ کشمیری مجاہدین کی جدوجہد میں کسی ایک یا دوسرے سبب سے کمی آنے کے باوجود، وہ وقت آ سکتا ہے جب ہندوستانیوں کو کشمیر کے قبضے اور اپنی اقتصادی ترقی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ کشمیری مجاہدین اسی طرح ہندوستان سے ایک بڑی قیمت وصول کر سکتے ہیں جس طرح حزب اللہ نے اسرائیل سے وصول کی ہے۔ اسرائیل کی طرح، ہندوستان کے قدم بھی کشمیر سے اکھڑ سکتے ہیں اور کشمیری مجاہدین حزب اللہ کی طرح شاندار کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں، اپنی موجودہ صورت حال سے قطع نظر۔ افغانستان اور عراق میں اتحادی افواج سرکشی کو کچلنے یا کم کرنے میں ناکام ہو چکی ہیں اور افغانستان میں طالبان سے اور عراق میں صدام کے ماننے والوں کے ساتھ مصالحت کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔

پاکستان کے سابق فوجی سربراہ جنرل اسلم بیگ نے افغانستان اور عراق میں امریکہ کی غلط

Marfat.com

دخل اندازی کے نتائج پر پیشگوئی کرتے ہوئے کہا ہے: ''مسلم دنیا کی عالمی مزاحمتی قوتوں نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کرنے میں معاون ہونے کا ثبوت دیا ہے اور یہ متقاضی ہیں کہ گہرائی میں جا کر ان کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے۔ اس نے محض سوویت یونین کی جارحیت کو افغانستان میں شکست نہیں دی اور امریکہ کو دنیا کی واحد سپر پاور بننے کا راستہ دیا بلکہ GRFMW نے افغانستان اور عراق میں جہاد میں خود کو مصروف کر کے امریکہ کے عالمی غلبے کو ختم کرنے کی انتہا کردی ہے۔ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی طاقت نے افغانستان اور عراق میں امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے اور اس طرح سے دینِ اسلام کی قوت اکیسویں صدی کے معجزے کے طور پر سامنے آنے والی ہے۔ ہٹلر نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کی قوم ایک ''برتر نسل'' ہے اور دنیا پر حکومت کرنے کا اس کو حق حاصل ہے لیکن ۱۲ سال میں یہ قوت منہدم ہوگئی۔ ہٹلر کی طرح امریکہ کا دنیا پر سرداری کرنے اور غلبہ حاصل کرنے کا خواب تقریباً انھیں بارہ برسوں میں چکنا چور ہو گیا۔ لہٰذا دنیا میں نظم وضبط اور توازن قائم کرنے کے لیے ''جہاد'' ایک ذریعہ ہے۔''

اللہ کی راہ میں ہتھیار اٹھانا:

جہاں پاکستان سمیت اسلامی دنیا نظریاتی اور فوجی خطرات سے دوچار ہے، وہیں جہاد کے نام پر ہتھیار اٹھانے کے خلاف ایک زبردست میڈیا مہم شروع کر دی گئی ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ جہاد کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ سماجی برائیوں، مثلاً غربت، جہالت، عدم مساوات وغیرہ کے خلاف پرامن جدوجہد کی جائے اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد ختم کرنے کے لیے روشن خیال اعتدال پسندی کا نظریہ آگے بڑھایا گیا ہے۔

یہ حقیقت کہ رسول پاک ﷺ کے دور میں لڑی جانے والی ۸۰ جنگوں میں ۴۰۰ سے زیادہ آدمی ہلاک نہیں ہوئے، جہاد کے انسانی رُخ کو نمایاں کرتا ہے۔ اس جہاد میں قتال بھی شامل ہے۔ اس کے برعکس شہنشاہ اشوک کے دور میں لڑی جانے والی War of Kaling میں ایک لاکھ افراد ہلاک ہوئے، جب کہ جنگی ساز و سامان اپنی ابتدائی شکلوں میں تھے۔ اسلامی اصطلاح میں جہاد سے مراد مسلح اور غیر مسلح دونوں طرح کی جدوجہد شامل ہے جو اسلام کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ انھیں معنوں میں امام کعبہ نے اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔

Marfat.com

جیسا کہ قرآن نے اعلان کیا ہے، قتال اسلام کو نافذ کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسلام دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ انسانیت کو جبر اور نا انصافی سے نجات دلائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کو تمام دوسرے ادیان پر غالب کرے اور الٰہی احکامات اور انصاف کو روئے زمین پر قائم کرے۔ (الفتح، آیت ۲۸) اور (الحدید، آیت ۲۵)

قرآنِ پاک کہتا ہے:

''اگر کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑے تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

(الاعراف، آیت ۱۳)

لہٰذا اسلام کے خلاف کسی بھی شورش کو دبانا ہوگا اور ضرورت پڑے تو ہتھیار اٹھا کر بھی۔

مسلح جدوجہد یا قتال بھی اللہ کا ایک حکم ہے جو کمزوروں اور بے آسرا لوگوں کو ظلم و جبر سے نکالنے کا ایک ذریعہ ہے۔ حکم الٰہی یوں ہے:

''تم کیوں اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو (ظالموں کے تشدد سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نجات دلا جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار کھڑا کر دے۔'' (النساء، آیت ۷۵)

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کو مظلوموں کے حق میں لڑنا کہا گیا ہے اور یہ کہ کمزوروں اور مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے پند و وعظ کی نہیں، لڑائی کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ بھی اسی طرح قابل توجہ ہے کہ مکہ کے مظلوم لوگ اپنی چیخ و پکار اور اللہ سے دعائیں مانگنے کے باوجود ظلم و ستم سے اسی وقت نجات پا سکے، جب مکہ فتح ہوا، اس سے پہلے وعظ و نصائح سے نہیں۔ اسی تناظر میں فلسطین، چیچنیا، کشمیر، افغانستان اور عراق میں مجاہدین کی مسلح جدوجہد کا بھی جواز نکلتا ہے کہ وہ کس طرح دنیا کی طاقتور ترین فوجی قوت کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ان کے دشمن بھی صادق و امین کہتے تھے۔ تیرہ سال تک مکہ میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے مگر مکہ کے کافروں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور محض چند افراد نے اسلام قبول کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی اور منافرت اس قدر بڑھ گئی کہ آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنی

Marfat.com

ری جہاں سے اسلام کے غلبے کے لیے ۸۰ سے زیادہ جنگیں لڑی گئیں۔

قتال کو اسلام کا ایک لازمی حصہ بنایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک کہتا ہے:

''اللہ کی راہ میں لڑنا تم پر فرض کر دیا گیا، جو تم پر ناگوار گزرتا ہے۔ عجب نہیں کہ جو چیز تم کو بری لگے وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے حق میں بری ہو۔'' (البقرۃ، آیت ۲۱۶)

اس لیے قتال کو تمام تر مشکلات اور قربانیوں کے باوجود اپنانا چاہیے کہ یہ دین اسلام کو نافذ کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اسلام کے پرچم تلے لڑی جانے والی جنگ (قتال) کی ایک سب سے اہم بات یہ ہے کہ س میں اللہ کی نصرت شامل ہوتی ہے، اس حد تک کہ یہ دشمن کی بالا دستی اور برتری کو ختم کر دیتی ہے۔ اہل ایمان کو اس مقدس جنگ کے دوران بارہا اللہ کی مدد پہنچتی ہے، جس نے ان کے عزم و وصلے کو بڑھایا ہے، برے سے برے حالات میں بھی۔ اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ وہ نظر نہ نے والی فوج اور ہزاروں کی تعداد میں فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجتا ہے۔ (الانفال، یت ۹۔ التوبہ، آیت ۲۶)

قرآن مزید کہتا ہے: ''جو ایمان والے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔'' (النساء، آیت ۷۶)

یہاں، اللہ کی راہ میں لڑنے کو ایمان کی ایک ضروری شرط قرار دیا گیا ہے، جب کہ منکرین کے لڑنے کو طاغوت کی راہ میں لڑنا کہا گیا ہے۔ اس مضمون کو قرآنِ پاک میں اس طرح مزید واضح کیا گیا ہے:

''اور ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ (لڑائی سے) باز آ جائیں تو جان لو کہ ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔'' (البقرۃ، آیات ۱۹۲۔۱۹۳)

انسانیت کے لیے رحمت یعنی ''دین اسلام'' جس کی کچھ جھلکیاں مندرجہ بالا ابواب میں دیکھی جا سکتی ہیں، کو مکمل طور پر دنیا کے ہر حصے میں نافذ کرتا ہے۔ البتہ اگر دشمن لڑنا بند کر دیں تو

Marfat.com

لڑائی روک لینی چاہیے۔ بے جا خون خرابہ اور تشدد اسلام مین منع ہے۔ اللہ کا حکم یہ ہے: ''تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، لیکن حد سے نہ بڑھو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (البقرۃ، آیت ۱۹۰) لڑائی کو متعین حدود مین رکھنا چاہیے اور حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کا مطلب صرف یہ نہیں کہ حد سے زیادہ تشدد اور خوں ریزی نہ کی جائے بلکہ غیر فوجیوں کے قتل اور انھیں نقصان پہنچانے کی ممانعت ہے، خاص طور پر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو، اسی طرح درختوں اور کھیتیوں کو نقصان پہنچانے کی بھی ممانعت ہے۔

جنگ اور امن کے بارے میں ایک بڑا واضح نظریہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے: ''اور کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناً وہ انھیں عاجز نہیں کر سکتے۔'' (الانفال، آیت ۵۹) یہاں اللہ نے ایک بہت ہی خوب صورت وعدہ کیا ہے کہ اہل ایمان مقدس جنگ میں کبھی زیر نہیں ہو سکتے اور کافر ان پر کبھی بازی نہیں لے جا سکتے۔ اس آیت قرآنی کا مظاہرہ اسرائیلی ٹینک اور ہیلی کوپٹر کے خلاف غلیلوں اور پتھروں سے لڑنے والے بہادر فلسطینیوں کی جدوجہد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور آخری بات یہ کہ اہل ایمان کے لیے اللہ کا حکم یہ ہے کہ وہ معلوم اور غیر معلوم دشمنوں سے جنگ کے لیے خود کو ہمیشہ تیار رکھیں۔

''جہاں تک تم سے ہو سکے قوت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے کافروں (سے مقابلے) کے لیے مہیا کیے رکھو کہ اس طرح اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے، ان کے سوا دوسروں پر بھی جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں (خوب) جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ پورا پورا تمھیں دے دیا جائے گا اور تمھاری حق تلفی نہیں ہو گی۔'' (الانفال، آیت ۶۰)

''اور اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، بیشک وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (الانفال، آیت ۶۱)

یہ بات قابل توجہ اور اہم ہے کہ ان آیات میں اللہ کے دشمنوں کی بات کی گئی ہے، جس کا ظاہری مطلب ان قوتوں، طاقتوں اور نظاموں سے ہے جو اللہ کے دین اور اس کے بتائے ہوئے نظامِ زندگی کے دشمن ہیں۔ یہاں بھی مسلح جہاد (قتال) کو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے فرض

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ اس آیت سے مسلمانوں پر اللہ کے اس حکم کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کریں، تا کہ اپنی تمام تر قوت کے ساتھ خود کو تیار رکھنے کے قابل ہوں اور اپنے اور اللہ کے دشمنوں کے دلوں میں اپنی دہشت بٹھا سکیں۔

اس دلیل کے جواب میں کہ اتنی بڑی فوجی تیاری پر کافی اخراجات ہوں گے اور اس طرح لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کے لیے کچھ میسر نہیں آئے گا، اللہ کا اہل ایمان سے وعدہ ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کریں گے وہ انھیں لوٹا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں اللہ کا یہ حکم بھی کہ جیسے ہی دشمن صلح پر آمادہ ہو جائے مسلمانوں کو بھی اس پر راضی ہو جانا چاہیے، تباہ کن جنگ سے بچنے کی ایک اور ضمانت ہے۔ یہ اسلام کے انھیں انتہائی مرتب، مستحکم اور منظم جنگی ضوابط کا نتیجہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لڑی جانے والی ۸۰ جنگوں میں ۴۰۰ سے زیادہ انسان ہلاک نہیں ہوئے، جب کہ اشوک کے زمانے میں لڑی جانے والی صرف ایک جنگ کالنگ (Kaling) میں تقریباً ۱۰۰۰۰۰ اشخاص مارے گئے۔ یہ جنگ آج سے ہزاروں سال پہلے لڑی گئی، جب جنگی ساز و سامان اپنی ابتدائی شکل میں تھے۔

یہ غلط تاثر دینا کہ فرقہ وارانہ فساد اور جھگڑے کے ذمہ دار جہادی ہیں، قرآن میں درج ان الفاظ کے آگے ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں:

> "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں مصالحت کرا دو۔ پھر ان میں سے ایک اگر دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم بھی اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔" (الحجرات، آیت ۹)

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اہل ایمان پر لازم کرتا ہے کہ وہ فرقہ واریت، لسانیت اور علاقائیت کے خلاف جنگ کریں۔ لہٰذا قتال جدید دور کی ضرورت ہے۔

صلیبی جنگ اور جہاد..... ایک تقابلی نظر:

جہاد اور صلیبی جنگ میں جو بہت بڑا فرق ہے اسے اس تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں نے یروشلم کے میدان جنگ میں اپنے خون سے لکھی۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس شان سے یروشلم میں داخل ہوئے کہ آدھا

Marfat.com

راستہ اونٹ پر وہ سوار ہوتے اور آدھا راستہ ان کا غلام۔ وہ انکساری کی ایک تصویر بنے ہوئے تھے اور ان کے لباس پر پندرہ پیوند تھے۔ انھوں نے عیسائیوں کے ساتھ ایک امن معاہدہ کیا، انتہائی امن کے ماحول میں یروشلم کے آرچ بشپ کے پرتپاک خیر مقدم کے ساتھ۔ خلیفہ اور آرچ بشپ کی بیویوں نے تحائف کا تبادلہ کیا۔

لیکن کیسا تضاد تھا، جب رومیوں نے 70CE میں یروشلم پر بزور طاقت قبضہ کیا تو یروشلم کی سڑکیں خون میں لت پت لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ انھوں نے ان سارے یہودیوں کو قتل کر دیا جو ان کے سامنے آئے۔ Jesphusia کے بیان کے مطابق ۱۱۹۷۰۰۰ یہودی اور دوسرے لوگ مارے گئے۔ البتہ Tecticus کے اندازے کے مطابق مقتولین کی تعداد ۶۰۰۰۰۰ تھی۔

اس کے بعد کلیسائی دہشت کا دور آیا، جس میں Will Durant کے مطابق سینکڑوں افراد مختلف مذہب رکھنے کے سبب زندہ جلا دیے گئے۔ جب ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا اور ڈیوک گوڈفرے (Godfray Duke) یروشلم کی لاشوں سے بھری ہوئی سڑکوں سے گزرا۔ سینکڑوں مسلمان اذیت دے کر جلا دیے گئے یا قتل کر دیے گئے۔ The Story of Civilization کے مصنف Will Durant نے یہ کہا ہے:

> ''عورتیں خنجروں سے قتل کر دی گئیں۔ دودھ پیتے بچے ان کی گود سے چھین لیے گئے اور انھیں اچھال دیا گیا یا کھمبوں سے ٹکرا کر ان کی گردنیں توڑ دی گئیں۔ وہ ۷۰۰۰۰ مسلمان جو بچ رہے تھے انھیں ذبح کر دیا گیا، باقی ماندہ یہودیوں کو کنیسہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) میں ہانک کر لے جایا گیا اور انھیں زندہ جلا دیا گیا۔''

۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے یروشلم دوبارہ حاصل کر لیا۔ Stanlay Lane نے صلاح الدین کی سوانح عمری میں یوں بیان کیا ہے:

> ''صلاح الدین کے محافظین کی کمان ذمہ دار امیر کر رہے تھے۔ انھوں نے سڑکوں پر امن قائم کر رکھا تھا، تشدد کو روکا ہوا تھا، یہاں تک کہ کسی کی بے آبروئی بھی نہیں کی گئی اور عیسائیوں کے خلاف کبھی کوئی ہتک آمیز جملہ نہیں سنا گیا۔ عیسائیوں کے بارے میں خلیفہ نے یہ اعلان کیا: ''میں ان کی زندگیوں کی، ان کی جائیدادوں کی، ان کے

Marfat.com

بچوں کی، ان کی عبادت گاہوں کی، ان کی صلیبوں کی، ہر اس چیز کی جو ان کی ہے، حفاظت کی ضمانت دیتا ہوں۔ نہ ہی یروشلم کے باشندوں پر اپنے مذہب کی پیروی کرنے میں کوئی تشدد کیا جائے گا۔"

"صلاح الدین نے ان یہودیوں کو جو اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے، واپس آنے کی پرخلوص دعوت دی۔ ان کا عزت کے ساتھ استقبال کیا اور انھیں ان کے گھروں میں دوبارہ بسایا۔ اس کا مقابلہ ان صیہونی یہودیوں سے کریں جو ان فلسطینی مسلمانوں کو جو فلسطین پر صیہونی قبضے کے بعد اپنا گھر بار چھوڑ کر چلے گئے تھے، اپنے وطن فلسطین میں واپس آنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔"

شہادت:

تمام دنیاوی جنگوں کے مقابلے میں "شہادت" کی آرزو سب سے زیادہ طاقتور اور فیصلہ کن محرک ثابت ہوئی ہے کیوں کہ اس میں اللہ کی رضا اور اس کی قوت پنہاں ہے۔

۵ مئی ۲۰۰۳ء کی نیویارک ٹائمز کی اشاعت میں Scott Atran کا شہادت کی اعلیٰ اخلاقی، روحانی اور ذہنی اقدار کے بارے میں ایک بہت ہی تحقیقی مضمون شائع ہوا ہے جس نے "شہادت" کے بارے میں پھیلی ہوئی ان کہانیوں کا پردہ چاک کیا ہے کہ شہدا غریب اور سادہ گھرانوں سے لیے جاتے ہیں اور یہ بیزار اور زندگی سے اکتائے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ صدر بش نے خود بھی اس مفروضے کی حمایت کی جب میکسیکو کی غریب اقوام کے بارے میں اقوامِ متحدہ کی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "ہم غریب کے خلاف اس لیے جنگ کرتے ہیں کیوں کہ دہشت کا ایک جواب ہے۔ ورجینیا کے ریپبلکن سینیٹر John Warner نے اتفاق کیا کہ سلامتی کے ایک نئے نظریے کی ضرورت ہے، جس میں پیشگی کی مدافعت (War of Pre-emption) بھی شامل ہو، کیوں کہ یہ جو لوگ آزاد دنیا پر اپنے حملے میں خود کش حملہ کرتے ہیں وہ ہوش مند لوگ نہیں ہیں۔" اا ستمبر کے حملے کے بارے میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے: "مدافعت اس بنیاد پر ہونی چاہیے کہ غربت دہشت گردی کی افزائش کا ذریعہ ہے۔"

Marfat.com

لیکن مطالعہ در مطالعہ میں اس مفروضے کے خلاف بات کہی گئی ہے کہ خودکش حملہ آور یا ان کی حمایت کرنے والے کم ہی غیر تعلیم یافتہ یا پسماندہ ہوتے ہیں۔ نہ ہی وہ غیر معقول، بزدل، بیگانہ یا غیر سماجی لوگ ہوتے ہیں۔ مطالعے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''لوگ کہتے ہیں کہ اگر دہشت گرد گروہ ان غیر انسانی اوصاف کے حامل ہوتے تو وہ موثر اور قابل اعتماد ستون نہیں کھڑے کر سکتے تھے۔'' ریٹائرڈ ایئر فورس جنرل Todd Stewarts جو Ohio State University میں جو بین الاقوامی اور قومی سلامتی کے پروگرام کی نگرانی کرتے ہیں، انھوں نے ''شہادت'' کے بعض مخصوص واقعات کا مطالعہ کر کے اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کیا ہے۔

تل ابیب کے ایک کیفے میں آخر اپریل ۲۰۰۳ء میں خودکش حملے میں حملہ کرنے والا اور اس کے ساتھی، برطانیہ میں پیدا ہوئے تھے، خوشحال ماحول میں پروان چڑھے تھے اور کالج کے پڑھے ہوئے تھے۔ پرنسٹن (Princeton) کے اکنانومسٹ Kineger اور دوسروں نے ایک مطالعے کی اشاعت کی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حزب اللہ کے ارکان کا غریب گھرانوں سے تعلق کا امکان کم ہے اور زیادہ امکان یہ ہے کہ وہ ثانوی درجے تک پڑھے ہوئے ہیں۔ ایک پاکستانی ریلیف آفیسر مسرا حسین نے تقریباً ۲۵۰ فلسطینی خودکش حملہ آوروں کے مشاقین کا انٹرویو لیا اور تبصرہ کیا: ''ان میں کوئی غیر تعلیم یافتہ'' مایوس، غریب سادہ لوح اور اداس و افسردہ نہیں تھا۔'' ۲۰۰۱ء میں اس نے رپورٹ کیا کہ ''وہ سارے کے سارے اپنے اپنے گھرانوں کے انتہائی نارمل افراد لگتے تھے۔'' پالیسی اور سروے ریسرچ کے ایک فلسطینی مرکز نے اپنی ایک جائزہ رپورٹ میں بتایا کہ فلسطین کے بارہ سال یا اس سے زیادہ عمر کے پڑھے لکھے بالغ افراد خودکش حملوں کے زیادہ حق میں ہیں، بہ نسبت ان لوگوں کے جو پڑھے لکھے نہیں ہیں۔

فوج کی دفاعی خفیہ ایجنسی کو گوانتانا موبے کیوبا میں مقید القاعدہ کے سعودی عرب میں پیدا ہونے والے ارکان سے تفتیش کے دوران یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ مشہور دانشوران جن کو دہشت گرد کا خطاب دے دیا گیا ہے، خاص طور پر وہ جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں، ان میں سے اکثر کی تعلیم ملازمت کے لیے تعلیمی ضرورت کی سطح سے بلند تھی، اور یہ بات حیرت ناک تھی کہ اکثر کے پاس ڈگریاں تھیں اور وہ اعلیٰ خاندانوں کے افراد تھے۔ ان کی امنگ اور ان کا عزم اپنے آرام و

Marfat.com

سائش کو قربان کرنے کی خواہش سے عیاں ہے جس کے لیے وہ طویل فاصلوں کا سفر کرتے ہیں
ور سفر کا خرچ بھی خود برداشت کرتے ہیں۔ ریسرچ کے مندرجات یہ بتاتے ہیں کہ خودکش
ہشت گرد، سماجی طور پر غیر فعال یا کسی فکر میں مبتلا نہیں، جیسے وہ بے باپ کے ہوں، بیکار ہوں یا
وستوں کے بغیر ہوں۔ وہ دشمن کے خوف اور مایوسی کے احساس سے بہت دور ہیں اور کچھ نہ
ھونے کے احساس میں بھی مبتلا نہیں۔ موجودہ یقین کے بالکل خلاف، خودکش حملہ آور بیزاری
سے اکتا کر جنت کا سودا نہیں کرتے۔

امریکہ کے لیے دنیا کے رویوں کے بارے میں دسمبر ۲۰۰۳ء میں نیو ریسرچ سینٹر کے لکھے
ے ایک مطالعہ میں اور الجیریا سے انڈونیشیا تک کے مسلمانوں کی شہادت کے بارے میں ایک
روے میں شہدا کے حق میں پہلے سے زیادہ حمایت نظر آتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ سے
ظاہر ہوا کہ جیسے ہی امریکہ نے عراق پر حملے کی تیاری شروع کی۔ القاعدہ کے ۳۰ سے ۴۰ مراکز
ں رضا کاروں کی بھرتی کا عمل تیز ہو گیا۔ ضرورت سے کہیں زیادہ رضا کار آنے لگے جس سے
ضا کاروں کے انتخاب میں القاعدہ کے نمائندوں کو بہتر رضا کار منتخب کرنے میں سہولت ہو گئی اور
وں نے ان رضا کاروں کا انتخاب کیا جو ذہین تھے، نفسیاتی طور پر متوازن تھے اور سماجی لحاظ سے
تدل تھے۔ وہ امیدوار جنھیں جنت میں حوروں کی آرزو تھی یا جن کو اپنے خاندان کے لیے رقم
ہیے تھی، انھیں چھانٹ دیا گیا۔ ایک شہید کے اعلیٰ مقام اور آخرت میں اس کے لیے انعام کو
آنِ پاک میں اس طرح نمایاں کیا گیا ہے:

> ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ خیال نہ کرو۔ (وہ مرے نہیں) بلکہ
> زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس اپنے رزق پا رہے ہیں۔ وہ ان نعمتوں سے مسرور
> ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔'' (آل عمران، آیت ۱۶۹، ۱۷۰)

شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا، کسی اور کی راہ میں نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو مقدس جنگ میں اس لیے شریک ہوتے ہیں کہ تاریخ میں ان کا نام ایک
ے جری لڑنے والے کے طور پر یاد رکھا جائے، وہ شہید نہیں ہیں۔ ایک سچا شہید وہ ہے جو کسی
اتی خواہش سے مغلوب نہ ہو۔ جن کا انتخاب ہوتا ہے ان کو یہ ذمہ داری تفویض کی جاتی ہے کہ

Marfat.com

وہ منصوبے کو انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے اور ان کے منصوبے کے افشا ہونے کا کوئی احتمال نہ ہو۔ القاعدہ صبر و برداشت کی قوت رکھتا ہے اور اس وقت ضرب لگاتا ہے جب اس کی کوئی امید بھی نہ کی جاتی ہو۔ یہ خاص طور پر، القاعدہ، حماس اور حزب اللہ جیسے اداروں کا کمال ہے کہ وہ ایسے لوگوں میں انسانی بم بننے کی خواہش پیدا کرتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے ہیں جن میں ویسے بھی اس کام کی صلاحیت ہوتی ہے۔ سخت تربیت جو اکثر ۱۸ یا زیادہ مہینوں پر محیط ہوتی ہے، رضا کاروں کی جذباتی اور ذہنی طور پر جہادی گروہوں کے ساتھ شناخت کو مستحکم کر دیتی ہے، جن کے اشارے پر وہ مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اپنے بچوں کو بچانے والی ماں کی طرح یا ایک سپاہی کے اپنے ساتھیوں کو بچانے کی مانند۔

ہر شہید اپنا خصوصی مقام رکھتا ہے۔ ان میں بھائی ہوتے ہیں۔ بیٹے ہوتے ہیں اور دوسرے دل سے بہت قریب لوگ University of Tennessee کے ماہر نفسیات Bram Barber نے غزہ کے ۹۰۰ جوانوں کا انٹرویو لیا اور ان کا مقابلہ بوسنیا کے ایک مسلمان گروہ سے کیا۔ وہ بھی مصائب سے گزرے تھے لیکن انھوں نے خودکش حملے کو نہیں اپنایا کیوں کہ بوسنیا کا جوش و جذبہ کمزور تھا اور مستقبل کے بارے میں وہ اتنے پرامید نہیں تھے۔ یقین سب سے بڑا فرق تھا۔ فلسطینی مذہبی وابستگی کو ہمیشہ تازہ رکھتے جب کہ بوسنیا کے لوگوں میں مذہب اتنا اہم نہیں تھا.... سنگاپور کے صدر نے شہادت کی آرزو رکھنے والوں کی اعلیٰ اخلاقی، معاشی اور روحانی اقدار کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''یہ لوگ جاہل، نادار یا محروم لوگ نہیں تھے۔ یہ نارمل ذمہ دارانہ کام کرنے والے لوگ تھے۔ قیدیوں کی اکثریت مذہب کو ذاتی زندگی کی سب سے قیمتی چیز سمجھتی تھی۔''

ماہنامہ اٹلانٹک (Atlantic) کی جون ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں Bruce Hoffman نے حماس کے معاملے کے ایک ماہر اسرائیلی صحافی Ranni Shaked کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے، اس مفروضے کی قلعی کھولی ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا کوئی راستہ نہیں پاتے وہ خودکش دہشت گرد بن جاتے ہیں۔'' حماس کے سارے لیڈر زیونی ورسٹی کے گریجویٹس ہیں، ان میں سے بعض ماسٹر کی ڈگری رکھتے ہیں۔ یہ تحریک غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی تحریک نہیں

Marfat.com

ہے۔ اسماعیل ہانیہ (Ismael Hania) کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کی ایک عشرے کی جدوجہد سے حماس کے لیڈروں نے اسرائیلیوں کی اس دکھتی رگ کو سمجھ لیا ہے کہ اسرائیلیوں کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت جان زیادہ پیاری ہے اور وہ مرنے کو ترجیح نہیں دیتے جب کہ مسلمان مسکراتے چہرے کے ساتھ شہادت قبول کرتا ہے۔ اسرائیلی اخبار Haaretz میں اگست ۲۰۰۲ء میں Moshe Boogie Yaalon نے نصر اللہ کے ایک انٹرویو کو یوں شائع کیا ہے:

''اسرائیلی فوج مضبوط ہے، ٹیکنالوجی میں اس کی برتری ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں منصوبہ بندی کی صلاحیتیں ہیں لیکن اس کے شہری قومی مفاد کے دفاعی اور قومی مقاصد کے حصول کے لیے اب جان قربان کرنے کو تیار نہیں، لہٰذا اسرائیل مکڑی کے جالے جیسا ایک معاشرہ ہے۔ باہر سے یہ مضبوط نظر آتا ہے مگر اسے چھوئیں تو ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اُسامہ کے دست و بازو ایمن الظواہری نے اپنی کتاب ''Under The Prophet Banner'' Knights (۲۰۰۱ء) میں کچھ اصول طے کیے ہیں جن میں نمایاں القاعدہ کی یہ ضرورت ہے کہ وہ دشمنوں کی صفوں کے اندر گھس جائیں اور ان انگلیوں کو جلا ڈالیں جنھوں نے ہمارے ملک میں آگ لگائی ہے۔ اس کے علاوہ، اس نے اس شہادت کے آپریشن پر بھرپور توجہ دینے کی ضرورت کو واضح کیا ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچانے کا یہی کامیاب ترین ذریعہ ہے اور ہلاکتوں کے معاملے میں کم سے کم گراں ہے۔''

مشی گن یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر Mark Tessler نے کہا ہے:

''یہ ہمارا عمل ہے جس کے سبب مسلمان ہمیں پسند نہیں کرتے۔ ۱۹۹۶ء میں سعودی عرب کے الخبر ٹاور کی ایرفورس ہاؤسنگ پر خودکش حملے کے بارے میں ۱۹۹۷ء میں ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ تاریخی اعتبار سے امریکہ کے بین الاقوامی معاملات میں ملوث ہونے اور امریکہ کے خلاف بین الاقوامی حملوں میں باہم ایک ربط ہے۔''

فوجی قوت کی نمائش سے دہشت گردوں (شہداء) کے حوصلے پست نہیں ہوئے ہیں۔ مثال

Marfat.com

میں اسرائیل کی اس جابرانہ کوشش کی ناکامی دیکھیں جو خودکش حملہ آوروں کا زور توڑنے کے لیے کر رہا ہے۔

فارن آفیئرز (Foreing Affairs) کے جولائی، اگست ۲۰۰۲ء کے شمارے میں ایک اسرائیلی کرنل نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ فلسطینیوں کے خودکش حملوں کو فوجی طاقت سے ختم نہیں کیا جاسکتا...... کیوں کہ فلسطینی اپنے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، جب کہ اسرائیلی ٹینکوں پر۔

یکم جولائی ۲۰۰۲ تک ہفتہ وار ٹائم میں یروشلم کے Matt Rec نے اپنے مضمون میں کرنل کے استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہے: ''بہترین طور پر مسلح اسرائیلی، فلسطینیوں کے انسانی بموں کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کر سکے۔''

اسی طرح چیچن مسلمان (Chechens) جو دنیا کی دوسری بڑی فوجی طاقت سے نبرد آزما ہیں روس کی فوجی قوت کے سامنے ناقابل شکست ثابت ہوئے ہیں۔ مفلس و بدحال طالبان دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت امریکہ کے ساتھ اپنی گوریلا جنگ میں افغانستان کی لمبی چوڑی پٹیوں پر دوبارہ قابض ہو سکتے ہیں اور اپنی واپسی کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ماسکو میں صدر پیوٹن سے اپنی بات چیت میں، وزیراعظم واجپائی طالبان کی واپسی کے خدشات کا اظہار کر چکے ہیں۔

پھر عراق میں، اسلام کے حامی دنیا کے دوسرے اسلامی ممالک سے عراق کی جانب اپنی راہ نکال چکے ہیں اور امریکہ کی قیادت میں قابض افواج کو سخت مشکل میں پھنسایا ہوا ہے۔ ان سارے واقعات میں معمولی طور پر مسلح ...... اسلامی جانباز شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ عراق میں ۵۔۷ اپریل ۲۰۰۴ء کو انتہائی بے رحمانہ فوجی آپریشن میں فلوجہ میں تقریباً ۷۰۰ عراقی ہلاک کیے گئے اور ۱۲۰۰ زخمی ہوئے، جواب میں ۷۰ امریکی فوجی مارے گئے۔ اس کے باوجود عراقیوں نے امریکہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ اب یہ معلوم ہوا ہے کہ القاعدہ کے الزرقاوی فلوجہ میں اتحادی افواج کے خلاف جہاد کی کمان کر رہے ہیں۔

حماس، جسے امریکہ نے ایک دہشت گرد جماعت کا نام دیا ہے اگر معروضی طور پر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو درحقیقت یہ تنظیم فلسطینیوں کے لیے معاشی اور سماجی ترقی کے مشن

Marfat.com

کا ایک مقدس کام کر رہی ہے اور بڑے پیمانے پر فلاح و بہبود کا ایک بہت بڑا پروگرام چلا رہی ہے۔ یہ کلینک، کنڈر گارٹنز اور اسکول چلا رہی ہے۔ ضرورت مند فلسطینیوں کو امداد مہیا کر رہی ہے۔ یہ فلسطینیوں کو بنیادی مدد فراہم کر رہی ہے، کسی تفریق اور کسی معاوضے کی خواہش کیے بغیر۔

جیسا کہ اسرائیل نے اعتراف کیا ہے، حماس کا ۹۵ فیصد بجٹ فلاح و بہبود کے کام پر خرچ ہوتا ہے۔ حزب اللہ اور دوسری جہادی جماعتوں پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ حزب اللہ کے بارے میں یہ صحیح کہا گیا ہے:

"حزب اللہ ایک خالص فوجی تنظیم سے بڑھتی ہوئی ایک معاشی اور سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے جو مختلف مذہبی اوصاف اور سیاسی ستونوں سے باہم مل کر مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے۔"

جہاد اور جہادیوں کے کردار کو، خصوصاً شہداء کے کردار کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنا ہوگا اور مغرب کو اسی طور اپنا جواب دینا ہوگا۔ امریکہ کی قیادت میں مغرب کو دہشت گردی پر، اپنے تمام تر منصوبے پر جہاد اور شہادت کی تبدیل شدہ صورتِ حال میں دوبارہ غور کرنا ہوگا۔

مقتدیٰ الصدر کے ماننے والے نجف میں لڑتے ہوئے ایک پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھے جس پر تحریر تھا: "وہ گولی کدھر ہے جو مجھے شہادت کے منصب سے سرفراز کر دے۔" ان بہادر مجاہدین کو کون شکست دے سکتا ہے جنھوں نے موت کے خوف پر قابو پا لیا ہے اور جن کے دل شہادت کی آرزو سے سرشار ہیں۔

عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی طرف پیش قدمی:

گیارہ ستمبر کے کمیشن کے بعد امریکہ کا ایک اور مفسدانہ قدم پوری اسلامی دنیا کو غیر اسلامی بنانے اور ان کی اقدار اور ان کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے لیے عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی طرف پیش قدمی ہے۔ بش انتظامیہ اپنے اس عندیے کو ظاہر کر چکی ہے اور اس پروگرام میں مراکش سے لے کر پاکستان تک کا ایک بہت بڑا علاقہ شامل ہے، جس میں امریکہ گروپ ایٹ (Group Eight) کے ساتھ مل کر وسیع سماجی اور معاشی اصلاحات کرنا چاہتا ہے۔ عظیم تر مشرقِ وسطیٰ (GME) کی پیش قدمی کا بنیادی مقصد ویسا ہی ہے جیسا ہلسنکی (Helsinki) کا تھا، جس نے یورپ کو یکجا کیا، اس

Marfat.com

حساس علاقے میں اصلاحات اور ترقی سے حاصل ہونے والے نتائج کے پیچھے نیت یہ کارفرما ہے کہ؛ ''اسلامی انتہا پسندی کو چاک چاک کر دیا جائے۔'' ہلسنکی کانگریس میں تمام یورپی اقوام جمع ہوئی تھیں اور یورپی اتحاد کے استحکام اور انسانی حقوق کے فروغ پر بحث ومباحثہ کرنے کے بعد باہم مشوروں سے متفقہ فیصلے پر پہنچی تھیں۔ اس کے بالکل برعکس GME کا منصوبہ امریکہ نے سوچا اور G-8 کی ایک میٹنگ میں اس پر بحث کی گئی اور اسے عرب دنیا اور اسلامی دنیا کے دوسرے متعلقہ ممالک کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ عرب دنیا، خاص طور پر سعودی عرب اور مصر نے عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کے پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے کی مخالفت کر دی ہے کہ اس معاملے میں عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کو اعتماد میں نہیں لیا گیا اور کسی طور پر بھی اس منصوبے کو بنانے میں انھیں شامل نہیں کیا گیا۔ کولن پاول (Colin Powel) کے سعودی عرب کے دورے کے دو دن بعد ہی سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل نے سارے مشرقِ وسطیٰ میں اصلاحات کی امریکی قیادت میں پکار پر سخت تنقید کی اور کہا: ''عرب دنیا اپنے مسائل خود حل کر سکتی ہے۔''

نومبر ۲۰۰۳ء میں امریکی صدر بش نے ایک تقریر میں ۱۱ ستمبر کے بعد اپنے محبوب نظریے اسلامی دنیا کی تعمیر نو کی پھر ہانک لگائی اور دہشت گردی کی روک تھام کے لیے پھر فرمایا کہ؛

''مغربی اقوام ۶۰ سال تک مشرقِ وسطیٰ میں عدم آزادی سے صرف نظر کرتی رہیں اور اسے اپنے ساتھ ملائے رکھا، لیکن اس عمل نے ہمیں محفوظ نہیں بنایا۔ آخرکار سلامتی آزادی کی قیمت پر نہیں خریدی جا سکتی۔''

لیکن امریکی قیادت میں مغرب نے مشرقِ وسطیٰ میں بادشاہتوں سے نہ محض صرف نظر رکھا اور انھیں اپنے ساتھ ملائے رکھا، بلکہ اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے بادشاہتیں قائم کیں اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں اسی سبب سے انھیں اقتدار میں قائم رکھا۔

یہ برطانیہ تھا جس نے پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے صوبے شام میں اردن کی سلطنت قائم کی اور ہاشمی خاندان کو تخت پر بٹھایا۔ اسی طرح فرانس نے شام کے ایک حصے پر لبنان کی حکومت قائم کی تاکہ ایک وفادار عیسائی اکثریت کی ریاست بنے اور شام کے ساحلی علاقوں کو اپنے کنٹرول میں رکھا جائے۔ ۱۹۵۸ء میں جب عراق میں بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا تو سی آئی

Marfat.com

اے (C.I.A) کے تعاون سے بعث پارٹی کامیاب ہوئی اور سی آئی اے نے عراق کی کمیونسٹ پارٹی کے سارے سینئر اراکین کی حمایت کی۔

یہ یو کے (U-K) تھا جس نے خلیج میں شیوخ کی روایتی حکومتوں کو ختم کر کے چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قائم کر دیں اور اس توڑ پھوڑ میں عراق کے ایک حصے کو کویت بناڈالا۔ البتہ سعودی عرب اینگلو امریکی مشترکہ منصوبہ رہا۔ جمال ناصر کے بعد، سادات اور حسنی مبارک جیسے جرنیلوں کو، جو امریکہ کے ساتھ چلنے کی خواہش رکھتے تھے، امریکہ کی سرپرستی حاصل ہوئی، اس طرح مصر امریکی مفاد کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور وہ امریکی امداد حاصل کرنے والے تین بڑے ممالک میں سے ایک ہے۔ امریکہ اور فرانس دونوں نے تیونس کے ڈکٹیٹر بورقیبہ کی حمایت کی اور مراکش اپنے عوام پر ظلم ڈھانے مین انتہائی بدنام ہوا۔ اس سے بڑھ کر، امریکہ اور فرانس نے الجیریا میں ۱۹۹۱ء کے انتخاب کو کالعدم کرنے کے لیے وہاں کے جرنیلوں کی پیٹھ ٹھونکی اور فوجی حکومت کی مدد کرنے اور اسے مضبوط کرنے میں اتنا آگے بڑھے کہ وہاں سخت بغاوت پھوٹ پڑی اور اگلے دس برسوں میں ۱۲۰۰۰۰ افراد مارے گئے۔ امریکہ کی حمایت اور سرپرستی میں وسطی ایشیا کی آمرانہ حکومتیں بھی شامل ہیں جن کے ظلم و جبر کی حکایتیں چارسو پھیلی ہوئی ہیں۔

عظیم تر مشرقِ وسطیٰ میں تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ اس میں وہ علاقہ بھی شامل ہے جس پر اسرائیل اپنا حق جماتا ہے، جس سے اس کا مفاد وابستہ ہے اور جس کو اپنے زیرِ اثر رکھنا اس کی آرزو ہے۔ دسمبر ۲۰۰۳ء میں Heritage Fonndation سے خطاب کرتے ہوئے کولن پاول نے شتراک کے تصور کی یوں وضاحت کی؛ ''امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان یہ ایک ایسی حکمت عملی ہوگی جس میں امریکہ اصلاحات اور علاقے میں جدید خطوط پر استوار مستقبل پر اپنا وزن ڈالے گا۔'' ۲۰۰۲ء میں عرب ہیومن ڈیولپمنٹ رپورٹ (Arab Human ReportDevelopment) میں پہلی بار اس نظریے کی تشہیر کی گئی اور اس میں پوری عرب دنیا کی غربت اور پسماندگی کو اجاگر کیا گیا جو اس رپورٹ کے مطابق آزادی، حقوقِ نسواں اور علم کے فقدان کے سبب ہے۔

نومبر ۲۰۰۳ء میں National Endowment for Democracy سے خطاب کرتے

Marfat.com

ہوئے مشرقِ وسطیٰ کے ساتھ اشتراک عمل کے سلسلے میں صدر بش نے اس بات پر زور دیا کہ اس علاقے میں معاشی، سیاسی اور تعلیمی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ فروری ۲۰۰۴ء میں اشتراکِ عمل کا یہ منصوبہ یک طرفہ اصلاحات میں بدل گیا جس میں عرب اور دوسرے اسلامی ممالک سے مشورے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ جس سے اس یک طرفہ عمل کے مقاصد کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوا اور یہ تشویش پیدا ہوگئی کہ بڑی طاقت خطے میں اپنی پسند کی جمہوریت نافذ کرنے میں ممکن ہے جبر سے کام لے۔ نیویارک ٹائمز کی ۹ مارچ کی اشاعت میں لکھتے ہوئے Zebignew Brezinski نے کہا کہ یک طرفہ طور پر اس منصوبے پر عمل کرنا عرب دنیا کو جمہوریت پر راضی کرنے کا غلط طریقہ ہے۔'' اس نے اس ضرورت پر بھی زور دیا کہ ہمیں مذہبی اور معاشرتی روایتوں کے بارے میں عرب دنیا کے احساسات کا احترام کرنا چاہیے۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ جب تک فلسطینیوں پر اسرائیل کا کنٹرول ہو اور روزانہ ان کی توہین کی جارہی ہو، اس وقت تک جمہوریت کے لیے ان میں کوئی کشش پیدا نہیں ہوسکتی۔ آخر میں بریزنسکی نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ''اسلامی روایات، مذہبی اور معاشرتی عادات واطوار کا ہمیں تحمل سے احترام کرنا چاہیے۔''

کولن پاول نے GME کی بلی یہ کہہ کر تقریباً تھیلے سے باہر نکال دی کہ ''امریکہ خطے میں اصلاحات اور جدید مستقبل کا طرف دار ہوگا۔''

''جدیدیت'' کی اصطلاح بڑا وزن رکھتی ہے اور اس سے مراد محض تاریخ کا مخصوص دور نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب زندگی کا ایک رویہ اور دنیا کا ایک وژن ہے۔ ہم لوگ جدید دور کے مابعد وقت میں داخل بھی ہوچکے ہیں جس میں ''جدیدیت'' کی بہت ساری اقدار مسترد بھی کی جاچکی ہیں، ان کا کوئی متبادل تلاش کیے بغیر، لہٰذا خطے کے جدید مستقبل کی اصطلاح مبہم اور متضاد ہے اور مختلف لوگوں کے لیے اس کا مفہوم مختلف ہے۔ مثال کے طور پر، جاپان ایک جدید ملک ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ سماجی اور معاشرتی لحاظ سے امریکہ سے بالکل مختلف ہے۔ ترکی اور یورپ ❶ دونوں

❶ ''یورپ'' کسی ملک کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ''Continent'' یعنی خشک خطۂ ارض ہے۔ جس میں کئی ایک ممالک شامل ہیں۔ یہاں مصنف کی مراد کسی ایک یورپی ملک کو بطورِ نمائندہ پیش کرنا دکھائی پڑتی ہے۔ تاہم کتاب کے مقاصد ونتائج کے اظہار میں بہرحال اس سے کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ گویا یہ ایک ایسا سہو ہے جو مصنف سے غیر ارادی طور پر ہوا ہے۔ (محمد شبیر قمر)

Marfat.com

جدید ممالک ہیں، لیکن وہ اپنی روایتوں اور اقدار میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ امریکہ اور فرانس یکساں جدید ممالک ہیں لیکن زندگی کے بارے میں دونوں کے تصور میں گہرا فاصلہ ہے۔ غیر سودی معاشی لین دین جس کو اسلام نے تجویز کیا ہے، ایک ترقی یافتہ جدید معاشی نظام میں پرانے دور کی چیز کہہ کر مسترد کر دیا گیا ہے، رائٹر کی وسط مارچ ۲۰۰۶ء میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق غیر سودی لین دین غیر معمولی طور پر ترقی کر رہا ہے اور کاروبار کے اہم شعبوں میں سب سے بڑا حصہ دار بن گیا ہے، مثلاً خلیج کی مارکیٹ کے اہم شعبوں میں۔ اس لیے ''جدیدیت'' کوئی خدائی احکام پر مشتمل نظریہ نہیں ہے اور یہ اسی طرح عارضی ہے جس طرح تاریخ کا کوئی اور زمانہ۔

جمہوریت کو جدید دور کا سب سے قیمتی تحفہ کہا گیا ہے۔ پچھلے دنوں Fukuyama نے کہا کہ جمہوریت کی عالمی پسندیدگی عیسائیت کے اس نظریے سے پیدا ہوئی ہے کہ خدا کے نزدیک سارے انسان برابر ہیں۔ لندن کے ہفتہ وار اکانومسٹ نے لکھا کہ بائبل کی تعلیم کہ ''اپنے پڑوسی سے ویسی ہی محبت کرو جیسی اپنے آپ سے کرتے ہو'' نظریۂ جمہوریت کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اس طرح جمہوریت عیسائیت سے مانگی ہوئی روشنی سے منور ہے، جس طرح جاپانی جمہوریت کنفیوشزم سے مانگی ہوئی روشنی سے چمک رہی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا، اگر اسلامی ممالک ایک ایسا سیاسی نظام اپنائیں جو اسلام کی روشنی سے منور ہو۔ سیکولرزم جو لازمی طور پر جمہوریت اور ''جدیدیت'' سے ہم آہنگ سمجھی جاتی ہے۔ اس کے باوجود Gilles Kepal کا ہنٹنگٹن نے اپنی کتاب Clash of Civilazation میں بارہا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں معاملہ الٹ ہو گیا اور ایک نیا مذہبی رجحان پیدا ہوا جس نے سیکولر قدروں کو اپنے میں سمویا اور اس بات پر زور دیا کہ آج کے معاشرے میں تنظیم کی نئی بنیادیں تلاش کرنی چاہئیں۔ جدید اور ترقی یافتہ سنگاپور کے محرک اعلیٰ Lee Kwan Yew نے کہا ہے ''انسان کے مقصد پیدائش کی ایک جامع توضیح کی جستجو ہے کہ آخر ہم اس دنیا میں کیوں ہیں؟'' اور یہ واضح تشریح صرف مذہب میں مل سکتی ہے۔ چرچ اور ریاست کی علیحدگی جس پر امریکی جمہوریت کے آئین کی بنیاد رکھی گئی ہے، ماضی کا قصہ نظر آنے لگا ہے۔ لہٰذا، ''جدیدیت'' اصلاحات کے لیے کوئی سہارا نہیں بن سکتی، خاص طور پر اسلامی دنیا میں۔

Marfat.com

عرب ہیومن ڈیولپمنٹ (Arab Human Development) کی رپورٹ کے مطابق اسلامی دنیا میں غربت اور پسماندگی کا سبب ان علاقوں میں آزادی، غربت اور علم کا فقدان ہے۔

آزادی کا تصور خاصا وزنی اور گریز پا ہے اور بنیادی طور پر ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں اپنے معنی بدلتا رہتا ہے۔ کسی ایک ملک میں جسے ''مجاہد آزادی'' کہا جاتا ہے، دوسرے ملک میں اسے ''دہشت گرد'' کا نام دیا جاتا ہے۔ امریکی فوج کے ہاتھوں عراق کی شکست کے بعد جب لوٹ مار سے امریکہ کے وزیر دفاع کو سابقہ پڑا تو انھوں نے فرمایا: ''عراقی اب اپنی آزادی کا جشن منا رہے ہیں اور وہ جرم کرنے اور غلط حرکتیں کرنے کے لیے آج آزاد ہیں۔'' اس طرح کی آزادی انتشار اور بربادی ہی کی طرف لے جاسکتی ہے۔ امریکہ میں زندگی کا حق اور انتخاب کا حق باہم متصادم ہیں ...... زندگی کو عزیز رکھنے والے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زندگی رحم مادر میں بھی اتنی ہی مقدس ہے جتنی پیدائش کے بعد، یہ لوگ اسقاطِ حمل کے کلینکس پر حملہ کرتے رہے ہیں اور اسقاطِ حمل کرانے والے ڈاکٹروں کو قتل کرتے رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ اپنی پسند کی چیز کے انتخاب کرنے کے موافق ہیں یہ یقین رکھتے ہیں کہ ایک عورت کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے حمل کو ضایع کردے، اور اسقاطِ حمل پر زور دے۔ سپریم کورٹ نے مختلف مواقع پر مختلف فیصلے دیئے ہیں اور اب یہ اسٹیٹ (State) کے اراکین پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اسقاطِ حمل کے حق میں یا اس کے خلاف قانون سازی کریں۔ امریکی آئین میں زندگی کے حق کی ضمانت ہونے کے باوجود جو لوگ تکلیف دہ مہلک بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ ڈاکٹروں کے پاس جا جا کر ان سے ایسے نسخے کی درخواست کرتے ہیں جو انھیں جلد موت کے منہ میں دھکیل دے اور ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ خودکشی کے نسخے تجویز کرنے والی کتاب امریکہ میں سب سے زیادہ بکنے والی کتاب ہے۔

اس کے برعکس، زندگی کے جس حق کی اسلام نے ضمانت دی ہے، اس میں اسقاطِ حمل اور خودکشی دونوں ممنوع ہیں۔ مغربی معاشرے میں ایک عورت شوہر کے علاوہ کسی سے بھی مباشرت کرنے میں آزاد ہے اور یک ولدیت عصرِ حاضر کا رواج بنتا جارہا ہے، اسی طرح ہم جنسی کا مستقبل قریب میں ایک طرزِ زندگی بن جانے کا خطرہ ہے کیوں کہ بعض مغربی ممالک میں اس کی اجازت

Marfat.com

دے دی گئی ہے...... اسلام میں شوہر بیوی کے علاوہ کسی کے ساتھ مباشرت کرنا یا ہم جنسی سخت ممنوع ہے اور اس کی سخت سزا ہے۔

۱۱ ستمبر کے بعد، امریکہ نے اپنے معاشرے کی سلامتی کے نام پر پٹیریاٹ ایکٹ (Patriot Act) کے تحت افراد کی آزادی اور نجی زندگی کو قربان کر دیا ہے۔ امریکہ میں خفیہ ایجنسی کے اہلکار کسی بھی لائبریری میں داخل ہو کر لائبریرین سے ان لوگوں کی فہرست مانگ سکتے ہیں جو لائبریری آئے تھے اور انھوں نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، ان کی فہرست بھی طلب کی جا سکتی ہے۔ اگر ایک امریکی شہری اپنے کسی ایسے رشتہ دار سے ملنے جاتا ہے، جسے فلسطین میں انتفاضہ کا حامی دہشت گرد کہا جاتا ہے، خود کو قید و بند میں مبتلا کر سکتا ہے۔ حماس کے مذہبی رہنما احمد یاسین کو جس بربریت اور درندگی سے قتل کیا گیا اس پر ساری دنیا تڑپ اٹھی۔ احتجاج میں اسرائیلی کابینہ کا ایک وزیر بھی شامل تھا اور امریکہ کی منتخب کردہ عراق کی گورننگ کونسل بھی، لیکن امریکی صدر یا وزیر خارجہ کولن پاول کی زبان سے تاسف کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ کونڈولیزا نے محض صبر و تحمل کی تلقین کی۔ یہی نہیں بلکہ فلسطینی لیڈر کے اس بہیمانہ قتل پر سلامتی کونسل میں مذمت کی پیش ہونے والی قرارداد کو امریکہ نے ویٹو کر دیا۔ احمد یاسین کو نشانہ باندھ کر قتل کرنے کی خاموش موافقت سے حوصلہ پا کر چند ہی دنوں بعد، اسرائیل نے ان کے جانشین عبدالعزیز رانستی کو بھی قتل کر دیا۔ اس لیے صدر بش یا سیکریٹری پاول کی زبان سے اسلامی دنیا کو آزادی اور جمہوریت کا درس دینا اچھا نہیں ہے۔

اب آیئے عورتوں کے معاملے کی طرف۔ مغرب کی اور خاص کر امریکہ کی عورتوں کے بارے میں جتنا کم کہا جائے بہتر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ ازدواجی دنیا سے باہر جنسی تعلق رکھنے میں آزاد ہیں، بلکہ کینسی رپورٹ (Kensy Report Of USA) کے مطابق ''بیسویں صدی کے وسط تک کوئی شخص غیر شادی شدہ عورت کی عصمت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا اور نہ کسی شادی شدہ عورت کی پاکبازی کی ضمانت دی جا سکتی تھی۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں تقریباً پانچ لاکھ غیر شادی شدہ جوان امریکی لڑکیوں نے ہر سال اسقاطِ حمل کرایا۔ اس تعداد میں اب یقیناً اضافہ ہو چکا ہوگا۔''

اب علم کی طرف آیئے! موجودہ دور میں اور خاص طور پر مغربی معاشرے میں صحیح اور سچا علم

Marfat.com

مہلک اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس سلسلے میں، امریکہ اور سابق سوویت یونین نے ہندوستان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ چین کے برابر کی قوت بن جائے۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ امریکہ نے اسرائیل کو اجازت دی کہ وہ ہندوستان کو جوہری اسلحہ بنانے کے لیے پرزے فروخت کرے۔ یہ امریکہ سے چوری کیے گئے تھے جو بلاشبہ ایک مجرمانہ فعل تھا۔ امریکی سی آئی اے نے صدر آئزن ہاور کو ڈیمونا (Dimona اسرائیل) میں قائم ایک ایٹمی کارخانے کی اصل تصویر بھیجی تھی لیکن اس اطلاع کو نظرانداز کر دیا گیا، اس کے بعد پنسلوانیا (Pensylvenia) کی لیبارٹری میں پلوٹینیم کی چوری پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔''

سنڈے ٹائمز نے اپنی ۵ فروری ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں اسرائیل کے ایک نیوکلیر انجینئر کا بیان شائع کیا ہے جس میں اس نے انکشاف کیا تھا کہ اسرائیل نے غیر قانونی طور پر ۲۰۰ ایٹم بم بنانے کی صلاحیت کر لی، اس کے علاوہ ہائیڈروجن بم اور کیمیائی ہتھیار بھی بنائے اور اب نیوٹران بم بنانے میں مشغول ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے اعتراف کے مقابلے میں یہ انکشافات حیرت ناک ہیں لیکن نیوکلیر نگراں IAEA اور NPT اور CTBT کے مصنفین نے اسرائیل کی ان خفیہ حرکتوں کی طرف سے آنکھیں بند کیے رکھیں۔'' IAEA کے سربراہ محمد البرادی نے کہا ہے کہ انھیں اس کا علم ہے کہ اسرائیل نے نیوکلیر پروگرام بنایا ہوا ہے اور وہ اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ اس کے پاس ایٹمی صلاحیت ہے لیکن اس کے باوجود کہ انھیں پتہ تھا کہ اسرائیل کے پاس جوہری صلاحیت ہے، انھوں نے اپنی پوری قوت سے اسرائیل کے اسلحوں کے معائنے پر زور نہیں دیا جیسا کہ انھوں نے ایران کے ساتھ کیا تھا۔

جبکہ پورا مغرب پاکستان پر سخت دباؤ ڈالنے کے لیے آگے آ گیا اور امریکہ کے نائب وزیر دفاع Wolfowitz پاکستان سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ اے۔ کیو۔ خان کے نیوکلیر اسکینڈل کو اہمیت نہ دینے کی تلافی کرے اور کولن پاول اس بات پر زور دیتے رہے کہ ان کی پوری تشفی ہونی چاہیے کہ ایٹمی پھیلاؤ کا نیٹ ورک مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، پوری دنیا اسرائیل کے چھپے ہوئے ایٹمی سلحوں اور امریکہ، اسرائیل اور ہندوستان تک ایٹمی اسلحہ پھیلانے کے مجرمانہ فعل کی طرف سے

Marfat.com

آنکھیں بند کیے رہی۔ امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی نے کہا کہ پاکستان میں ایٹمی پھیلاؤ کا نیٹ ورک ایک بڑا مسئلہ تھا، جس سے بش کو نمٹنا پڑا۔ ڈک چینی نے یہ ریمارکس Minnesota کی ایک الیکشن ریلی میں دیئے، جب کہ بعض اراکین پارلیمنٹ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایٹمی معاملے کے تناظر میں پاکستان پر سخت اقتصادی پابندی لگائی جائے۔

Nuclear Black-Market Elimination بل جسے پارلیمنٹ میں Ton Lantos نے پیش کیا، اس میں خصوصی طور پر کہا گیا تھا کہ اگر پاکستان ایٹمی معاملے میں امریکہ کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اس پر پابندیاں لگادی جائیں۔ بل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پاکستان کو مستقبل میں تمام امداد اس شرط پر ملا کرے گی کہ امریکی صدر اس بات کی تصدیق کرے کہ پاکستان اے۔ کیو۔ خان کے ایٹمی پھیلاؤ کے نیٹ ورک کے سلسلے میں تمام معلومات میں امریکہ کو شریک رکھ رہا ہے، بل مزید کہتا ہے کہ پاکستان اپنے ایٹمی سائنسدان اور ان کے ساتھیوں تک رسائی کو ممکن بنائے گا۔

لہٰذا، پاکستان کے سر پر پابندیوں کی تلوار لٹک رہی ہے اور اسے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور ان کے ساتھیوں کو امریکہ کے حوالے کرنے کا پابند بنادیا گیا ہے۔ Dawn کی ۱۵ مارچ ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں یہ بات رپورٹ ہوئی ہے کہ واشنگٹن میں قائم ایٹمی عدم پھیلاؤ کا ایک گروپ The Institute for Seience and International Security. اس سنسنی خیز انکشاف کے ساتھ آیا ہے کہ ہندوستان کے گیس سینٹری فیوج (Centrifuge) پروگرام میں ان افراد کو استعمال کیا گیا جن کا تعلق نام نہاد اے۔ کیو۔ خان کے نیٹ ورک سے ہے۔

بے چارا پاکستان ہمت نہیں کرسکتا کہ یورپ اور امریکہ کے ملوث ہونے کا سوال اٹھائے۔ البرادی اسرائیل کے ایٹمی اسلحوں کے بارے میں علم رکھنے کے باوجود اسرائیل پر پوری قوت سے دباؤ نہیں ڈال سکے کہ وہ اپنے اسلحوں کا معائنہ کرائے۔ اسرائیل کے ایٹمی اسلحوں کے ذخیرے کی طرف سے چشم پوشی کرتا جو اسلامی دنیا کے لیے ایک خطرہ بنا ہوا ہے اور پاکستان کے نام نہاد ایٹمی اسکینڈل پر حشر بپا کرتا کہ پاکستان اسلامی دنیا کا واحد ملک ہے جس کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے،

Marfat.com

اسلام کے خلاف بغض و کینہ اور خباثت کا کھلا کھلا اظہار ہے۔

۱۱ستمبر کے کمیشن کی رپورٹ:

امریکہ نے ۱۱ستمبر کے واقعات کی تفتیش کرنے کے لیے کمیشن بنایا کہ وہ خفیہ ادارے اور انتظامی محکمے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرے، جو ۱۱ستمبر کے حملے کا سبب بنی۔ کمیشن نے ۴۰۰ صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ میں اسلامی دہشت گردی کو مغرب کے لیے اصل خطرہ بتایا ہے اور اسے ۱۱ستمبر کے حملے کا ملزم ٹھہرایا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کمیشن کی رپورٹ کا امریکہ کے لوگوں نے بڑے جوش و جذبے سے خیر مقدم کیا، یہاں تک کہ اس وقت کے صدارتی امیدوار جان کیری نے تجویز دی کہ کمیشن کو مزید ۱۸ ماہ کام کرنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی سفارشات پر عملدرآمد کا جائزہ لیتا رہے۔

کمیشن نے ۱۱ستمبر کے حملوں کے ذمہ دار عوامل کی نشان دہی نہیں کی بلکہ اپنی ساری دانش کو اسلامی خیالات اور فلسفے کی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں صرف کرنا مناسب سمجھا اور ''اسلامی دہشت گردی'' کی ایک نئی اصطلاح ایجاد کرنے کا خود کو مکلف ٹھہرالیا اور اس غلط مہم جوئی میں خود کو ایک مشکل اور متضاد صورتِ حال میں پھنسالیا۔

ایک طرف یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ''اسلام ہمارا دشمن نہیں ہے، یہ دہشت کا ہم معنی نہیں ہے، نہ ہی اسلام ''دہشت گردی'' سکھاتا ہے'' جب کہ دوسری طرف اس بات پر زور ہے کہ موجودہ دہشت گردی ''اسلامی دہشت گردی'' ہے، البتہ یہ بتائے بغیر کہ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے۔ اگر اسلام وہی ہے جیسا اسے تسلیم کیا گیا ہے تو ''اسلامی'' دہشت گردی کا کوئی وجود نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جو ''اسلامی'' ہے وہ ''دہشت گرد'' نہیں ہوسکتا اور جو ''دہشت گرد'' ہے وہ ''اسلامی'' نہیں ہوسکتا۔

نتیجتاً، اسلام کی زبانی تعریف کرنے کا اصل مقصد بے نقاب ہوگیا ہے، یعنی لبادے میں چھپے ہوئے خنجر کو اسلام کے جگر میں پیوست کرنے کے لیے تیز کرنا۔

کمیشن کا موجودہ ''دہشت گردی'' کو ''اسلامی دہشت گردی'' کا نام دینے سے انجیر کی وہ

Marfat.com

پتیاں [1] فضا میں بکھر گئی ہیں جن کے پیچھے امریکہ نے اپنے مفسدانہ منصوبے کو چھپائے رکھا تھا۔

متشدد نئے روایت پسندوں نے بھی آج کی موجودہ دہشت گردی کو ''اسلامی'' لیبل لگانے سے احتراز کیا ہے۔ کمیشن نے ایسا کر کے امریکہ کو اسلام کے ساتھ براہِ راست تصادم کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور اس طرح یہ اس طویل راستے کی طرف چل پڑا ہے جہاں امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کسی نہ کسی طور صلیبی جنگ میں بدل جائے۔ اور یہ ایک دم وہی صورتِ حال ہوگی جس کے لیے اسامہ اور اس کے پیرو سرگرداں رہے ہیں۔ اور اس نے القاعدہ کو رضا کار بھرتی کرنے کے لیے ایک سنہری موقع فراہم کر دیا ہے۔ کمیشن نے اپنی تحقیق اور تبصرے سے اُسامہ کی پوزیشن اور مستحکم کر دی ہے جو لوگوں کو بتا رہا ہے کہ دہشت کے خلاف جنگ، اس کے خلاف یا اس کی تنظیم کے خلاف یا اس کے گروہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ کل کی کل خود اسلام کے خلاف ہے۔

کمیشن نے اس پوزیشن کو اختیار کر کے اسامہ کے دعوے کو قوت بخش دی ہے کہ؛ ''القاعدہ یا اس کے ساتھی امریکہ کے اتنے دشمن نہیں ہیں جتنا کہ اسلام کا بنیادی نظریہ۔''

اور اب کمیشن کا فیصلہ کن تبصرہ ''اوّل الذکر کے تباہ ہونے کے باوجود اسلام کا بنیادی نظریہ مغرب کے لیے بڑا خطرہ بنا رہے گا۔'' لہٰذا، کمیشن کے تھیلے سے بلی باہر آ گئی ہے۔ امریکہ کے موقر جریدے Baltimore Sun نے اسلام کے اندر موجود بنیادی نظریاتی تحریک کو اسلام کے اندر جہادی تحریک کا نام دیا ہے، جس نے پچھلے پانچ عشروں سے طاقت پکڑنی شروع کی، اور القاعدہ اور اس سے متعلق لوگوں سے نہیں بلکہ مغرب کو اصل خطرہ اسلام کے بنیادی نظریے سے ہے۔

---

[1] ''انجیر کی پتیوں'' سے یہاں مصنف کا اس روایت کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق انجیر سے مراد وہ وقت ہے جب انسان زمین پر آباد ہوا اور اُسے تن ڈھاپنے کے لیے انجیر کے پتے استعمال کرنے پڑے۔ جو گویا ایک طرح سے انسانی بدن کے لیے تحفظ کی علامت ہیں۔ اسی طرح جب طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت مومنین کے علاوہ پوری آبادی غرقاب ہوگئی تو سیدنا نوح علیہ السلام اپنی امت کے ساتھ کئی دن تک سفر کرتے رہے۔ ایک روز انہوں نے فاختہ کو ہدایت کی کہ وہ پانی کے اوپر پرواز کرے اور سیلاب کی صورتِ حال کا جائزہ لے۔ فاختہ جب لوٹ کر آئی تو اس کی چونچ میں انجیر کی ایک ڈالی تھی۔ اس سے یہ سمجھا گیا کہ اب پانی اتر گیا ہے اور پودے ننگے ہو گئے ہیں۔ اسی دن سے ہی محاورہ میں ''فاختہ'' اور ''انجیر'' کی شاخ ''امن و سلامتی'' کی علامت کے طور پر مذہبی ادب میں جگہ پا گئے۔ یہاں مصنف کا اسی تلمیح کی جانب اشارہ ہے۔ ''انجیر کی پتیوں کا بکھرنا'' اقصائے عالم سے ''سلامتی اور امن'' کے غارت ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ (محمد شبیر قمر)

Marfat.com

اسامہ کے مقاصد کو اس سے بڑا جواز اور کہاں سے مل سکتا ہے۔ اُسامہ کے مقاصد کو تقویت پہنچانے کے علاوہ، کمیشن کی اس سوچ نے ایک مخمصہ بھی پیدا کر دیا ہے کہ اگر اسلام ان کا دشمن نہیں ہے، یہ دہشت گردی کے مترادف نہیں ہے، یہ دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا، تو کس طرح روئے زمین پر ایک نظریاتی تحریک چاہے وہ کتنی ہی بنیاد پرست ہو، جب تک وہ اسلام سے وابستہ ہے، دہشت کا ذریعہ بن سکتی ہے اور انسان کے لیے ایک حقیقی اور مستقل خطرہ ہو سکتی ہے؟" کمیشن نے اسلام کے اندر بنیادی نظریاتی تحریک (جیسا کہ کمیشن نے کہا ہے) اور مغرب کے درمیان تصادم پر زیادہ زور دے کر دراصل اس امید پر پانی پھیر دیا ہے کہ مستقبل میں کبھی اسلام اور مغرب کے درمیان مصالحت اور معاملہ فہمی ہو سکتی ہے۔

اسلام کے اندر نظریاتی تحریک کے خلاف شدید ردِّعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمیشن مایوسی اور برہمی میں یوں سیخ پا ہوا ہے:

"یہ کوئی ایسی صورتِ حال نہیں ہے جس پر امریکہ سودا بازی کرے یا بات چیت کرے..... کوئی مشترک بنیاد نہیں ہے، زندگی کا احترام بھی نہیں، جس پر مکالمہ شروع کیا جا سکے۔ اسے بس تباہ کیا جا سکتا ہے یا اس کو تنہا کیا جا سکتا ہے۔"

مسلمانوں کے خلاف اتنے بڑے کمیشن کا غم وغصہ جس کی رپورٹ کو امریکہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہو، مسلمانوں کو ایک الٹی میٹم ہے کہ یا تو وہ ہتھیار ڈال دیں یا امریکہ کی طرف سے آخری معرکے میں اپنے آخری آدمی تک لڑتے رہیں۔

یہ باور کرنا کہ مسلمان زندگی کا کوئی احترام نہیں کرتے۔ قرآن و سنت کے عطا کردہ تصورِ حیات کے لیے ہی ایک چیلنج ہے۔ اسلام کے بنیادی عقاید کے مطابق ایک مسلمان کو اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق گزارنی چاہیے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ ایک معصوم زندگی کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے پوری انسانیت کا قتل کرنا اور ایک معصوم زندگی کو بچا لینا پوری انسانیت کو بچا لینے کے مترادف ہے۔ اگر اسلام کے اندر بنیادی تحریک سے کمیشن کی وہی مراد ہے جیسی Baltimore Sun نے جہادی تحریک کی تعریف کی ہے تو کمیشن کے لیے بہتر ہوتا

Marfat.com

کہ وہ اس طرف بھی توجہ دیتا، جس طرف جریدے نے توجہ دلائی ہے، کہ جہادی تحریک کو یورپ کے نوآبادیاتی نظام، افغانستان پر سوویت یونین کے حملے، اسرائیل اور فلسطین کی بڑھتی ہی کشمکش اور خطے میں امریکی قوت کے بے رحمانہ استعمال نے اکسایا ہے۔

Daniel Pipes نے اپنی کتاب "Militant Islam Reaches America" میں مسلمانوں کی یوں تصویر کشی کی ہے کہ وہ مغربی آرٹ اور کلچر سے بہ خوبی واقف رہے ہیں اور مغربی زندگی اور تہذیب کے جمال و جلال کے دلدادہ رہے ہیں۔ شقاقی (Shiqaqi) جنھوں نے اسلامی جہاد کی سربراہی کی، ۱۹۹۵ء میں مالٹا میں اپنی شہادت تک شیکسپیئر، ٹی ایس ایلیٹ، چیکوف (Chekhov) اور سارتر (Sartre) کو دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ ان کے جانشیں عبداللہ برسوں برطانیہ اور امریکہ میں رہے، جنوبی فلوریڈا کی یونیورسٹی (University of South Florida) میں سیاسیات پڑھاتے تھے۔ ایاد اسماعیل (Eyad Ismail) ٹریڈ سینٹر کے بمباروں میں سے ایک ہیں، امریکہ سے خصوصی الفت رکھتے تھے۔ امریکہ سے محبت کرتے تھے۔ Pipes اعتراف کرتا ہے کہ مسلمان جو مدتوں مغرب میں رہے، وہاں کے طرزِ بود و ماند سے خاصے آشنا تھے، انھوں نے وہاں کی زبان سیکھی، وہاں کے کلچر کا مطالعہ کیا۔ سوڈان کے تراب علی نے یونیورسٹی آف لندن اور سوربون (Sorbonne) سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ الجیریا کی تنظیم اسلامک سالویشن فرنٹ کے رہنما عباس مدنی نے یونیورسٹی آف لندن سے تعلیم میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے تیونسی ہم منصب راشد الخوسی (Rashid-al-chunushi) ۱۹۹۳ء سے لندن میں رہ رہے تھے۔ ترکی کے سابق وزیراعظم نے جرمنی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ حماس کی سیاسی کمیٹی کے سربراہ موسیٰ محمد ابومرزوک نے یونیورسٹی آف لوزیانا (Louisiana) سے انجینئرنگ میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ وہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۷ء تک امریکہ میں رہے۔ ۱۹۹۷ء میں اسے اپنی بیوی اور چھ بچوں سمیت امریکہ سے نکال دیا گیا۔ Pipes کہتا ہے کہ مسلمان جدید افراد ہیں اور جدید طرزِ زندگی کی کاپی کرنے میں آگے آگے ہیں۔ ان کے ہاں خواتین ہیں جو بھری ہوئی بسوں میں بھی اپنا وقار بنائے رکھتی ہیں، تاجران ہیں جو سود کے بارے میں قرآنی احکام کی پیروی کی کوشش کرتے

Marfat.com

ہیں، انجینئرز ہیں جو کام کرتے ہوئے روحانی قدروں کا پاس رکھتے ہیں۔

کمیشن نے الزام لگایا ہے کہ ابن تیمیہ، سیّد قطب اور اخوان المسلمین کے زیر اثر ایک چھوٹی سی روایتی اقلیت نے دہشت گردی کو ایک مسلک کے طور پر فروغ دیا ہے۔ اس پر توجہ دلائی جا سکتی ہے کہ مندرجہ بالا دونوں زعماء اسلام کی رہنما مشعل رہے ہیں اور پوری اسلامی دنیا میں قدر و منزلت سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس قدر کہ دونوں کی تصانیف قُم کے مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، قم جو کہ اسلام کے شیعانِ علی کے طرزِ فکر کا مذہبی اور تعلیمی مرکز ہے۔ یہ دعویٰ قطعی غلط ہو گا کہ وہ ایک اقلیتی روایت کی نمایندگی کرتے ہیں۔ سیّد قطب جو ابن تیمیہؒ سے متاثر تھے، انھوں نے دوسری اسلامی تحریکوں کو متاثر کیا ہے، جیسے اخوان المسلمین، انھوں نے مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان برداشت اور مفاہمت کی تلقین کی ہے۔ انھوں نے جہاد کے مفہوم اور غرض و غایت کو نہایت خوبصورتی سے یوں واضح کیا ہے:

''جب اسلام نے عقیدے کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ روابط بڑھائے اور عقیدے کو اتحاد اور علیحدگی کے ایک اصول کے طور پر اپنایا...... اس نے دشمنی اور منافرت کی وجہ کو سمجھنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ تعلقات میں عدم برداشت کی اجازت نہیں دی جو اس کے عقاید کو قبول نہیں کرتے ...... اللہ نے مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض نہیں کیا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں بلکہ اس لیے فرض کیا کہ وہ اس دنیا میں حق و انصاف کا اعلیٰ نظام قائم کریں۔''

ایسا لگتا ہے کہ کمیشن کے مسلمانوں کے خلاف غم و غصے نے برطانوی میڈیا میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی لہروں کو مزید ابھارا ہے۔ سنڈے ٹیلی گراف کے کالم نگار Will Cummins نے اسلام کے ''سیاہ دل'' سے خبردار کیا ہے؛

''جو کہ ہمارے خوف کا مرکز ہونا چاہیے نہ کہ اس کا سیاہ چہرہ۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ''سارے مسلمان کتوں کی طرح بعض مخصوص اوصاف رکھتے ہیں، جن میں ان کی یہ خواہش بھی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان سبھوں کو مٹا دیں جو ان کے مذہب میں

Marfat.com

ان کے شریک نہیں۔"

ہفتہ وار Spectator میں Anthony Brown نے مسلم بیزاری کا ایک نیا نعرہ لگاتے ہوئے فرمایا ہے: "مسلمان آرہے ہیں۔ حقیقتاً اب مسلمانوں نے مغرب کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔' ٹائمز نے اپنے پہلے صفحے پر برطانیہ کے ذو معزز تعلیمی اداروں پر حملہ کرتے ہوئے، دہشت گردی سے ان کا ناطہ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اتوار کے میل (The Mail) نے اپنے پہلے صفحے پر اس الزام کی تشہیر کی ہے کہ بعض مسلمان ڈاکٹر جنسی امراض کا علاج کرنے سے انکار کررہے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک یہ خدا کی طرف سے ایک سزا ہے۔

عالمی تہذیب اور انسانی حقوق کے اس قدر شور شرابے میں، جو مغرب نے برپا کر رکھا ہے، ہنٹنگٹن (Huntington) نے دونوں تصورات کو سختی سے رد کیا ہے اور مغرب کی نام نہاد تہذیب اور انسانی حقوق کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ساری دنیا میں "انسانی حقوق کی سامراجیت" نافذ کرنے کی کوشش ہے۔ ۱۹۹۳ء میں ویانا میں منعقدہ اقوام متحدہ کی UN World Human Right Conference نے گوناگوں تہذیبوں کے حسن کو قائم رکھنے پر زور دیا، اس نے مختلف تہذیبوں کے لوگوں کے اپنی اپنی طرز پر زندگی گزارنے کے حق کو بھی تسلیم کیا۔ کمیشن اور برطانوی میڈیا نے اسلام کے خلاف غم و غصے کا اظہار کر کے اسلام کو اپنا مخالف بنالیا ہے۔ افہام و تفہیم کی کسی توقع سے ماوراء۔

آزادی اور جمہوریت کا صدر بش کا ایجنڈا:

صدر بش نے افتتاحی تقریب میں اپنے دوسرے دورِ صدارت کے لیے جو ایجنڈا دیا وہ "دہشت گردی کو شکست دینے اور دنیا کے تاریک ترین گوشے تک آزادی اور جمہوریت کو ابھارنے" پر مرتکز ہوگا۔ دلیری کے اس مظاہرے نے تمام ممالک میں تشویش اور فکرمندی کی لہر دوڑادی۔ امریکہ اپنی دانش میں بعض آمرانہ مگر امریکی دوست حکومتوں کو جمہوری نہیں سمجھتا۔ اس تقریر نے اتنا ہنگامہ کھڑا کیا کہ سینیئر بش نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ دنیا سے اپیل کریں کہ وہ اس سے بہت زیادہ معانی نہ نکالے۔ وہائٹ ہاؤس کے ایک کے بعد دوسرے ترجمان اس افتتاحی

Marfat.com

تقریر پر وضاحتیں پیش کرنے لگے۔ چند ہی دنوں بعد بش کو اپنے اس زورِ خطابت کی گونج کو دنیا کا سامنا کرنے کے لیے دبانا پڑا۔ نامہ نگاروں سے باتیں کرتے ہوئے انھیں یہ کہنا پڑا کہ ''واشنگٹن کو اصولوں اور نتائج کو ساتھ ساتھ رکھنا ہوگا'' اور ''روس، چین اور سعودی عرب جیسے ممالک کے ساتھ معاملات کرنے میں اپنے مفاد اور اعلیٰ تصورات کے درمیان توازن رکھنا ہوگا۔''

بہر حال، آزادی اور جمہوریت کے فروغ کے لیے امریکہ کا ہاتھ میں ڈنڈا لے کر جارحانہ انداز اختیار کرنا اقوامِ متحدہ کے منشور کے خلاف ہے جس کی بنیاد دنیا کے مختلف سیاسی اور معاشرتی نظاموں کے بقائے باہمی کے اعلیٰ اصولوں اور ان کے درمیان تعاون پر رکھی گئی ہے تاکہ بین الاقوامی قانون و انصاف پر مبنی دنیا میں امن قائم کیا جاسکے۔ لہٰذا، آزادی اور جمہوریت کے جارحانہ فروغ کا نظریہ اقوامِ متحدہ کے منشور کی نفی ہے اور دنیا کے امن کے لیے خطرہ بھی۔

آزادی کا تصور اور معیار، معاشرے اور معاشرے اور حالات اور حالات میں مختلف ہے۔ کسی ملک کا ''مجاہد آزادی'' کسی اور ملک کے لیے ''دہشت گرد'' ہوسکتا ہے۔ جارج واشنگٹن جن کی رہنمائی میں امریکہ کے لوگوں نے اپنی اصل ریاست برطانیہ عظمیٰ کے خلاف ہتھیار اٹھایا، اس وقت کی برطانوی حکومت نے ''دہشت گرد'' کہہ کر ان کی مذمت کی، لیکن امریکہ کی آزادی کے بعد جارج واشنگٹن امریکہ کے انتہائی قابل احترام بابائے قوم کہلائے۔ امریکہ کے لوگ خود بھی آزادی کے تصور اور معیار کے بارے میں شدید طور پر منقسم ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو عورت کے اس حق کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسے اپنا حمل گرانے کی آزادی ہونی چاہیے جب کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو حمل ضایع کرانے کو قتل سمجھتے ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے شہریوں کی شخصی آزادی اور زندگی کو سلامتی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادے۔ پیٹریاٹ ایکٹ (Petriot Act) کے تحت خفیہ ایجنسیوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ لائبریرین سے ان اشخاص کی فہرست مانگ سکتی ہیں جو لائبریری آئے اور جو جو کتابیں انھوں نے وہاں پڑھیں۔ یہاں امریکی کانگریس نے Patriot ایکٹ اس قدر عجلت میں منظور کر کے خفیہ ایجنسیوں کو اختیارات دے دیے جو فرمانِ آزادی میں دیے ہوئے امریکی شہریوں کے حق آزادی کے ساتھ دست و گریباں ہیں۔

Marfat.com

مغرب میں، خاص طور پر امریکہ میں لوگوں کو آزادی ہے کہ وہ ازدواجی زندگی سے ہٹ کر مباشرت کریں، یک ولدیت اختیار کریں، اغلام بازی کریں، اپنی خواہش کے مطابق عیش و عشرت کی زندگی گزاریں، چاہیں تو مذہبی احکام کی پیروی کریں اور چاہیں تو نہ کریں وغیرہ، جب کہ اسلام میں اور دوسرے غیر مغربی معاشروں میں یہ سب کچھ اخلاقی طور پر قابل مذمت ہے اور بعض حالات میں قانونی طور پر قابل سزا ہے۔ کس طرح مغرب کا تصور آزادی اور اس کا معیار زبردستی اسلامی اور دوسرے غیر مغربی معاشروں پر مسلط کیا جاسکتا ہے، تہذیبوں کے ٹکراؤ اور دنیا میں بڑے پیمانے پر آگ بھڑکائے بغیر۔

امریکہ کے دانشور حلقوں میں شدید بحث شروع ہو چکی ہے کہ جمہوریت کب تک نظامِ حکومت یا طرزِ زندگی کے بہترین نمونے کے طور پر باقی رہ سکتی ہے۔

۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کے اپنے ایک مضمون میں F.Plattner نے یہ استدلال کیا ہے کہ مختلف متبادل صورتوں اور چیلنجز میں گھری ہوئی آزاد خیال جمہوریت ایک نظام حکومت یا طرزِ زندگی کے طور پر اپنی اہمیت ہمیشہ کے لیے برقرار نہیں رکھ سکتی۔

برکلے یونیورسٹی کے پروفیسر Jowitt نے کہا ہے کہ آزاد خیال جمہوریت اپنے آپ برقرار نہیں رہ سکتی ہے کیوں کہ ذاتی احساس سے بالاتر اس کے ارتقاء میں، معاشرتی زندگی کے اصولوں کی ترتیب و تنظیم میں، یہ انسان کی بنیادی امنگوں کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو چکی ہے اور اس لیے مغرب کو آہستہ آہستہ خارجی اور داخلی دونوں تحریکوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جن کا مقصد اس جمہوریت کو تباہ کرنا یا اسے از سر نو آراستہ کرنا ہوگا۔

Fukuyama نے تسلیم کیا ہے کہ مغرب کو اپنی طاقت کی بلندی پر اس غیر مغرب کا سامنا ہے جس کی بڑھتی ہوئی خواہش اور عزم ہے کہ وہ دنیا کو غیر مغربی شکل میں ڈھال دے۔ اس لیے صدر بش جارحانہ طور پر امریکی فہم کے مطابق جمہوریت اور آزادی کو دنیا کے تاریک ترین گوشے تک مسلط کرنے کی اپنی کوشش میں باقی دنیا سے براہِ راست تصادم تک آپہنچے ہیں، خاص طور پر غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دنیا سے۔ Foreign Affairs نے اپنے موسم خزاں ۱۹۹۱ء کے

Marfat.com

اپنے خطاب میں یہ فرمانا کتنا بے معنی ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں جمہوریت قائم ہونے سے انتہا پسندی کم ہوگی اور دنیا کے دوسرے خطوں میں بنیاد پرستی کی متشدد لہر ختم ہو جائے گی۔

امریکی جمہوریت کا جو ریکارڈ سامنے ہے وہ امریکہ میں کامیابی اور ناکامی کا ایک بڑا مہرہ ہے اور اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ دوسرے ممالک کے لے ایک نمونہ بن سکتی ہے۔ امریکہ کی جمہوریت نے اپنی قوم کی غلط رہنمائی کر کے اسے افغانستان اور عراق کی دلدل میں پھنسا دیا اور امریکہ اور خلیجی ریاستوں میں قدرتی آفات سے نمٹنے میں ہر طرح ناکام ہوئی ہے، خاص طور پر نیواورلینز (New Orleans) میں۔

کارپوریٹ مفاد کے ایک بڑے سورما اور شارح، جس نے امیروں کے فائدے کے لیے ٹیکس میں تخفیف کی ایک آزاد متبادل پالیسی وضع کرنے میں بش انتظامیہ کو ترغیب دینے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا، اس کی یہ بات ریکارڈ پر ہے جب اس نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا: ''میں حکومت کو ختم کرنا نہیں چاہتا، میں تو صرف اس کا قد اتنا کم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کو کھینچ کر حمام تک لے جاؤں اور اسے باتھ ٹب میں ڈبو دوں۔'' اس طرح امریکی جمہوریت اس تنزل کی شکار ہو گئی ہے کہ وہ امیروں کے ہاتھوں غریبوں کے خلاف ایک آلہ کار کے طور پر استعمال ہو سکے۔

حال ہی میں امریکہ میں اس کا مطالعہ کیا گیا ہے کہ یہ کہاں تک پسندیدہ ہوگا کہ دوسرے ممالک میں بندوق کے زور پر جمہوریت قائم کی جائے۔ اس طرح کے ایک تحقیقی مطالعے میں International Policy and Altitude of the University of Mary Land. نے یہ معلومات جمع کیں کہ کسی ترتیب کے بغیر جن ۸۰۸ نمائندوں سے یہ سوال پوچھا گیا تو صرف ۳۵ فیصد نے ڈکٹیٹروں کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے فوجی قوت کے استعمال کی حمایت کی۔ ۷۴ فیصد نے جن میں خود کو متعارف کرانے والے ریپبلکن بھی شامل تھے، کہا کہ عراق میں بعث حکومت کا تختہ الٹنے اور جمہوریت قائم کرنے، جنگ برپا کرنے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے۔ اپنے دوسرے افتتاحی خطاب میں بش نے کہا: ''ہمارے ملک میں آزادی کی بقا کا انحصار دوسرے ممالک میں جمہوریت کی کامیابی پر بڑھتا جا رہا ہے۔'' انھوں نے مزید کہا: ''ہماری دنیا (امریکہ) میں امن کی بہترین امید دنیا میں

Marfat.com

زادی کے فروغ پر مہر ہے۔" PEPA کے ڈائریکٹر Steven Kull کہتے ہیں کہ بیشتر امریکی بش
ں اس دلیل کی موافقت میں نہیں پائے جاتے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے یا دنیا کو
فوظ تر بنانے کے لیے "جمہوریت کا فروغ" ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔

امریکہ، PATRIOT ایکٹ بنا کر گوانٹانامو، ابوغریب اور فلوجہ کے عقوبت خانے قائم
کر کے (ماضی میں ہیروشیما، ناگاساکی اور ویت نام کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تو دنیا کے تاریک
رین گوشے میں جمہوریت کی سرپرستی کرنے کے اپنے دعوے اور جواز کو عریاں اور بے وقعت کر چکا
ہے۔ جمہوریت جسے چیلنج کا سامنا ہے اور جو پسپائی اختیار کر چکی ہے، اب ظلم اور دہشت گردی کے
خلاف موثر ہتھیار نہیں بن سکتی۔

جمہوری تحریکوں اور اداروں کے فروغ کی پرجوش اور پرزور حمایت کا اگر غور سے مطالعہ کیا
جائے تو اس کے پیچھے چھپا ہوا منصوبہ بے نقاب ہو جاتا ہے، جس کے مقاصد میں ہر اس حکومت کے
خلاف جو امریکی مفاد اور پالیسی کے مطابق کام نہ کر رہی ہو، بغاوت کو ہوا دینا شامل ہے۔
جمہوریت کی صحیح جذبے کے ساتھ حوصلہ افزائی کے لیے، معاشرے کے اندر جمہوری تحریکوں کو بڑھتے
رہنا چاہیے اور انھیں اپنی صورت گری خود کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس، امریکہ عملی
طور پر اسلامی جمہوریہ ایران میں بغاوت پر لوگوں کو بار بار اکسا تا رہا ہے، تاکہ اس اسلامی انقلاب کو
تباہ کر دیا جائے، جس نے دنیا کے سب سے ظالم حکمران شہنشاہ ایران کا تختہ الٹا اور اس کے بعد ملک
جمہوریت کی راہ پر چل پڑا اور عراق کے ساتھ جنگ کے دوران بھی انتخابات ہوتے رہے۔ یہاں
امریکہ کی سلامتی کو جمہوری تحریک کے ساتھ جوڑ کر صدر بش نے دوسرے ممالک کی جمہوری تحریکوں
کے لیے امریکہ کی قومی سلامتی کو لازم قرار دے دیا ہے اور اس طرح انھوں نے خود کو اس ناروا اختیار
کا حامل بنا لیا ہے کہ وہ ہر اس ملک کے داخلی معاملات میں جس کے تعلقات امریکہ سے اچھے نہیں
ہیں، جمہوریت کے فروغ کے نام پر اس ملک کے معاملات میں مداخلت کریں۔

بوسنیا اور کوسوو میں امریکہ کا کردار:

پچھلے دنوں، صدر مشرف نے بوسنیا اور کوسوو کے مسلمانوں کے بچانے کے لیے امریکہ کے

Marfat.com

قابل قدر کردار پر اسے خراجِ تحسین پیش کیا اور کسی حد تک وہ اس بات سے ناخوش بھی ہیں کہ مسلمان فلسطین، افغانستان اور عراق میں امریکہ کے کردار پر سخت برہم ہیں، لیکن وہ دنیا کی واحد سپر پاور کے شکر گزار نہیں کہ اس نے کس طرح بوسنیا اور کوسوو کے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ یہ امریکہ کے ساتھ ذاتی وفاداری کا اظہار تو ہے، حقائق کا معروضی تجزیہ نہیں۔

۱۱ ستمبر کے بعد سے امریکہ میں مسلمانوں کی تذلیل کی جارہی ہے کہ امریکہ نے بوسنیا اور کوسوو کے مسلمانوں کی جان بچانے کے لیے جو کچھ کیا، وہ اس پر شکر گزار نہیں۔

بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف سربوں کی مسلم نسل کشی کی جنگ میں امریکہ کا جو کردار رہا ہے وہ لاتعلقی اور بے حسی کا کردار تھا۔ بوسنیا کے مسلم لیڈر عزت بیگووچ کی مسلسل درخواست کے باوجود نہ صرف یہ کہ امریکہ نے مداخلت سے انکار کیا، بلکہ اسلحوں پر سے پابندی اٹھانے کی بیگووچ کی گزارشات کو بھی رد کر دیا، کہ اس پابندی کے اٹھنے سے بوسنیا کے مسلمان موثر طور پر اپنا دفاع کر سکتے تھے، جب کہ سرب پابندی کے باوجود روس اور روایت پسند، عیسائی ذرائع سے زمینی اور دریائی راستوں سے اسلحے وصول کر رہے تھے۔

امریکہ کی بے حسی کے سبب سربوں نے مسلمانوں پر قیامت برپا کر دی، نتیجے میں دو لاکھ مسلمان ذبح کر دیے گئے، جس میں ۱۷۰۰۰ بچے بھی شامل تھے۔ ''لسانی صفائی'' کے ایک حصے کے طور پر ۲۰۰۰۰ مسلمان خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ یہاں تک کہ ۵ سال کی معصوم بچیوں کو بھی نہیں بخشا گیا، ان کے منہ میں جنسی فعل کیا گیا، جس سے ان کے حلق پھٹ گئے۔ ۱۵۰ اجتماعی قبریں برآمد ہوئیں، ہر ایک میں ۵۰۰۰ لاشیں دفن تھیں۔ لاکھوں بے گھر ہو گئے جن کی اکثریت واپس نہ آ سکی، اس کے باوجود کہ Dayton صلح نامے میں ان کی واپسی کی شق رکھی گئی تھی۔

جب بیہاچ (Behach) کا سرب حملہ آوروں کروٹس اور سرب کے حامی غدار مسلمانوں نے پوری طرح محاصرہ کر لیا تو اس وقت کے امریکی وزیر دفاع نے بڑے شور و شر کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ بوسنیا چند دنوں میں شکست سے دوچار ہونے والا ہے اور امریکہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیج دیا کہ وہ سربوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں۔ لیکن مسلمان

Marfat.com

ں کا دشمن کی آہنی قوت سے کوئی مقابلہ نہیں تھا، اپنے آہنی عزم اور اللہ پر یقین کامل کی بدولت ضرہ توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور حملہ آور فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس طرح ہوا کا رُخ بدل یا۔ مسلمانوں نے کروٹس سے مل کر بہت سارے ان شہروں پر دوبارہ قبضہ حاصل کرلیا، جن پر ب قابض ہوگئے تھے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب امریکہ سامنے آیا اور اوہیو (Ohio) میں Dayto کے صلح نامے پر دستخط ہوئے۔

امریکہ کی مداخلت بوسنیا کے مسلمانوں کی زندگیوں کو بچانے کے لیے اتنی نہیں تھی، جتنی ایک لامی ریاست کے قیام کو روکنے کے لیے تھی جس کا انکشاف کروشین صدر Franjo Tudgeman نے خود ''La Figaro'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا، جو ۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء کو شائع ہوا۔ انھوں نے Dayto صلح نامے کے اصل مقصد کا یوں انکشاف کیا: ''یورپی ممالک ایک اسلامی ریاست نہیں ہتے، چاہے وہ بوسنیا میں ایک ننھی سی ریاست ہی کیوں نہ ہو۔ یورپی ممالک کی کوششوں سے ت کروٹ مسلم فیڈریشن (Croat Muslim Federation) قائم ہوئی۔ اسی فوجی حکمت عملی ی وجہ سے کروشیا (Crotia) اس پر راضی ہوگیا۔ ہم نے وہ ذمہ داری قبول کرلی، جسے یورپ نے ہمیں تفویض کیا، یعنی بوسنیا کے مسلمانوں کو یورپی رنگ میں ڈھالنا۔''

کوسوو میں بھی امریکی کردار کا محرک کوسوو کے مسلمانوں کی زندگیاں بچانے کی خواہش سے یادہ روشن خیالی کا اپنا ذاتی مفاد تھا۔ امریکہ کے سابق وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر (Warren Christophe) نے امریکہ اور یورپ کی ان مجبوریوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے، جس کے سبب انھیں ربیا کے خلاف NATO کی ہوائی حملہ آور فوج ترتیب دینی پڑی: ''اگر میلوسیوک (Milosevic) وسوو میں کامیاب ہوجاتا تو اس کے نتائج امریکہ، نیٹو اور پورے مغرب کے لیے بہت گہرے تے۔ دوسری جنگ عظیم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ امریکہ کی سلامتی اور حفاظت ہمارے ساحلوں سے شروع اور ختم نہیں ہوتی۔''

جیمس والش (James Walsh) نے ہفتہ وار ٹائم کے مارچ ۱۹۹۸ء کے شمارے میں تے ہوئے بوسنیا اور کوسوو کے حالات کے فرق پر یوں توجہ دلائی ہے: ''بوسنیا میں تمام تر افسوس

Marfat.com

ناک مظالم کے ساتھ جو بھی ہوا، جنگ سے شمالی یورپ کو مکمل طور پر کبھی خطرہ پیدا نہیں تھا، کوسوو کی جنگ سے ہوگیا۔'' کوسوو میں نیٹو کے داخلے کے برسوں بعد بھی ملک میں امن وامان اور معاشی ترقی کے جو وعدے کیے گئے تھے ابھی تک دور کی ایک پکار ہے۔

کوسوو کے لوگ اپنی مکمل آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اگر امریکہ اور یورپ بالٹک ریاستوں کو سوویت یونین سے آزاد کرانے کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں تو وہ کوسوو کی آزادی کے لیے ایسا ہی کردار کیوں ادا نہیں کر سکتے؟ مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) جو خود مختار پاکستان کا قطعی طور پر جزو لازم تھا، اسے ہندوستان کی فوجی جارحیت کے ذریعہ الگ کروادیا گیا اور دنیا نے اس کو اس بنیاد پر تسلیم کرلیا کہ وہاں کے لوگوں پر پاکستانی فوج نے مبینہ طور مظالم ڈھائے تھے۔ کوسوو کی آزادی کا معاملہ، جسے سربوں نے ۱۹۱۲ء میں فوجی قوت کے زور پر اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور جس پر سربیا نے ہر قسم کا تشدد اور ظلم روا رکھا ہے۔ قانونی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے آزادی کا زیادہ مستحق ہے۔ جس طرح بوسنیا میں، اسی طرح کوسوو میں امریکہ اور یورپی ممالک یورپ کے اندر کسی اسلامی ملک کے بننے کے شدید مخالف ہیں۔ اس لیے مغرب کی اسلام اور اسلامی طرزِ زندگی کے خلاف مخالفت اور مخاصمت بالکل عیاں ہیں۔

یہی ہے وہ سب کچھ جو امریکہ نے بوسنیا اور کوسوو کے مسلمانوں کے لیے کیا ہے اور جس کا اسے مسلمانوں کی ناسپاسی کا گلہ ہے۔

یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ دسمبر ۲۰۰۵ء کے ملک اعلامیہ میں اس کی تو مذمت کی گئی ہے جسے ''دہشت گردی'' کا نام دیا گیا ہے لیکن بیرونی طاقتوں کی جارحیت اور قبضے کی مذمت نہیں کی گئی۔ یہ اعلان مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ وہ ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ کریں، لیکن یہ حملے اور قبضے کے خلاف لوگوں کے حق مزاحمت پر کچھ نہیں کہتا۔ اعلامیہ ان کے لیے بہت نرم ہے، جنھوں نے مسلمان ممالک پر حملہ کیا ہے اور ان پر قبضہ کرلیا ہے، لیکن ان کے لیے بہت سخت ہے جو اس قبضے کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ اُن کے لیے بہت نرم ہے جو اسلام کے خلاف بدگوئی کی پرزور مہم چلا رہے ہیں مگر ان کے لیے سخت ہے جو اس مہم کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ حالاں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ

Marfat.com

کو حق اور کتاب کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ مکہ اعلامیہ اہل ایمان کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنے طرزِ زندگی میں جدید تہذیب اور کلچر سے مطابقت پیدا کریں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

Marfat.com

اس کتاب کے مصنف (محترم اسرار الحق صاحب) کا موقف ہے کہ گیارہ ستمبر (9/11) کے واقعے کے بارے میں قائم کردہ امریکی کمیشن نے اندھا دھند جانب داری سے کام لیتے ہوئے ''اسلامی دہشت گردی'' کے اپنے اختراع کردہ تصور کے تحت دہشت گردی کے ان حملوں کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا ہے۔ ان کے نزدیک یہ حملے مغرب کے لیے ایک واضح دھمکی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امریکہ کے اس پروپیگنڈے سے متاثر امریکی باشندوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ساتھ' بین الاقوامی شخصیات' بعض مغربی دانشوران اور مغرب کے ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا میں اسلام کے پیروکاروں کے اذہان میں بھی شکوک وشبہات کے کانٹے بو دیے ہیں۔ اس صورتحال نے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف مسلط کردہ اس جنگ کے لیے بھی متفکر و پریشان کر رکھا ہے۔ اسی طرح مغرب ان حالات کے تناظر میں اقبال جرم سے انحراف کرتے ہوئے بلا توقف اس بات سے دستبردار ہو گیا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں جمہوری روایات کے مطابق سیاسی صورتحال کو فروغ دے گا' اور اس بات سے بھی کہ قانون کی حکمرانی کے اصول کو تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس سے بھی کہ آزاد طرز معیشت کے پروان چڑھنے کی فضا پیدا کی جائے گی۔ اس پس منظر میں بحر ہند میں سونامی کی تباہ کاریوں اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں زلزلہ کی مصیبت میں گرفتار مسلمانوں کے زخموں کے اندمال کے لیے انسانی ہمدردی کا جذبہ عین وقت پر بڑی شدت سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں پائی جانے والی اس تشویش ناک رائے عامہ کی ہمواری کے لیے مغربی دنیا کو مسلم ممالک کے لیے اپنائی گئی اپنی حکمت عملیوں کو جنہیں مسلمان اپنے لیے غیر منصفانہ اور معاندانہ خیال کرتے ہیں ایسی داخلیوں پالیسیوں اور حقیقی انسانی قدروں کے تعین کا اساسی محرک بنانا ہوگا۔

آغا شاہی

سابق وزیر خارجہ پاکستان

کتاب سرائے

پبلشرز' ڈسٹری بیوٹرز' مشیران کتب خانہ جات

الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور۔ پاکستان

فون: 042-7320318' فیکس: 042-7239884

ای میل: hikmat100@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 2212991-2629724

Designed by: Naveed Ahmad 0321 4425361